http://www.Mypdfsite.com

یکے از مطبوعاتِ مجلسِ ترقیِ ادب لاہور

نفسیاتِ وارداتِ روحانی

از

ولیم جیمز

مترجمہ

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

مجلسِ ترقیِ ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

http://www.Mypdfsite.com

گیارھواں، بارھواں اور تیرھواں خطبہ

زھد

آخری خطبہ ذرا تشنہ رہ گیا کیونکہ اس سوال کا جواب باقی ھے کہ زندگی کے اندر ان مسرت آمیز انقلابات نفس کے عملی ثمرات کس انداز کے ھوتے ھیں۔ ھماری تحقیق کا اھم حصہ اسی سوال سے شروع ھوتا ھے۔ انسانی شعور کی عجیب و غریب واردات کا جمع کرنا ھمارا مقصود نہیں بلکہ اس امر کے متعلق کسی نتیجے پر پہنچنا ھے کہ اس قسم کے مذھبی شعور و احوال کی روحانی قدر و قیمت کیا ھے اور عملی زندگی میں اس تمام سوز و ساز کے کیا معنی نکلتے ھیں۔ ھمیں پہلے مذھبی زندگی کے عملی نتائج کو بیان کرنا اور پھر ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا ھے۔ اس طرح ھماری تحقیق کے دو حصے ھو جاتے ھیں۔ اب بغیر کسی تمہید کے میں پہلے حصے سے آغاز کرتا ھوں۔

یہ ھماری تحقیق کا خوشگوار ترین حصہ ھوگا۔ کہیں کہیں الم انگیز مناظر بھی ھمارے سامنے آئیں گے جن میں انسانی فطرت کے بعض پہلوؤں کو دیکھ کر ھمیں افسوس ھوگا لیکن بحیثیت مجموعی یہ حصہ خوشگوار ھی ھوگا کیونکہ مذھبی تجربے کے بہترین ثمرات انسانی تاریخ کے بہترین کارناموں میں سے ھیں اور انسانوں نے ان کو ھمیشہ نظر استحسان سے دیکھا ھے۔ یہ سعئی انسان کی بہترین مثالیں ھیں۔ اس سے قبل جو مثالیں پیش کی جا چکی ھیں محض ان کے پڑھنے سے ھی طبیعت میں ذوق علو

http://www.Mypdfsite.com

پیدا ہوتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ انسان مقدس فضا میں سانس لے رہا ہے۔

فیاضی، پرہیزگاری، پرجوش عقیدت، تسلیم و رضا، صبر اور شجاعت کی اعلیٰ ترین بلندیوں تک فطرت انسانی نے جو پرواز کی ہے وہ مذہبی نصب العین کو سامنے رکھتے ہوئے مذہبی جذبے کے پر و بال سے کی ہے۔ اس سلسلے میں سینٹ بیوو کی تاریخ پورٹ رائل سے ایک اقتباس آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جس میں انقلاب نفس یا فضل الٰہی کی حالت کے نتائج بیان کئے گئے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ”محض انسانی نقطہ نظر سے بھی حالت فضل اپنی فطرت اور اثرات کے لحاظ سے بہت عجیب اور کم یاب معلوم ہوتی ہے اور اس لحاظ سے غور و خوض کی مستحق ہے۔ اس حالت میں روح ایک مستحکم مقام پر بڑے استقلال کے ساتھ قائم ہو جاتی ہے اور اس میں وہ حقیقی شجاعت پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ اعلیٰ ترین اعمال سرزد ہوتے ہیں جو انسان کیلئے ممکن ہیں۔ اس حالت کے پیدا ہونے کے ذریعے بہت مختلف ہیں۔ کبھی وہ لطف و سرور سے پیدا ہوتی ہے، کبھی گناہوں کے اقبال، کبھی تنہائی میں خشوع و خضوع سے دعا کرنے سے۔ اس کے ورود کا موقع و محل خواہ کچھ بھی ہو اس بات کو جان لینا آسان ہے کہ اپنی اصل روح اور اپنے ثمرات کے لحاظ سے یہ اساسی طور پر ایک ہی کیفیت ہے۔ اختلاف حالات سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر ہم اس کی اصلیت پر نظر غائر ڈالیں تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ مختلف زمانوں کے عیسائیوں میں جو تبدیلیٔ حالت ہوتی ہے وہ ایک ہی قسم کی ہے۔ تمام لوگ جو فضل الٰہی سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں ان میں ایک ہی قسم

http://www.Mypdfsite.com

کی پاکیزگیٔ نفس، شفقت اور ہمدردی پائی جاتی ہے۔ ایسے شخص کی باطنی کیفیت میں محبت اور عاجزی خاص طور پر نمایاں ہوتی ہے، خدا پر اس کو بے انتہا بھروسہ ہوتا ہے، وہ اپنے نفس پر سختی کرتا ہے لیکن دوسروں کے لئے وہ شفیق ہوتا ہے۔ روح کی اس حالت کے جو ثمرات ہیں ان کا مزا ہر جگہ یکساں ہے اگرچہ وہ مختلف ملکوں میں مختلف انداز میں ظہور پذیر ہوتے ہیں"۔ سینٹ بیوہ کے سامنے اصلاح نفس کی زیادہ شاندار مثالیں ہیں اور ہمارے لئے بھی یہی مثالیں زیادہ سبق آموز ہیں۔ ان دینداروں نے عام لوگوں سے اس قدر الگ راستہ اختیار کیا ہے کہ دنیا داری کے لحاظ سے اگر ہم ان پر نظر ڈالیں تو یہ لوگ ہمیں فطرت کے راستے سے بہت دور ہٹے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور خیال ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہایت غلط راہ پر پڑ گئے ہیں۔ ہم ایک عام نفسیاتی سوال سے آغاز کرتے ہیں: وہ کیا باطنی احوال ہیں جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے اس قدر مختلف سیرت کا حامل بنا دیتے ہیں؟

اس کا جواب میں فوراً ہی دوں گا کہ عقل کے امتیاز کو نظر انداز کرتے ہوئے سیرت کا جہاں تک تعلق ہے انسانوں کے اندر جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی زیادہ تر وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان میں جذباتی ہیجان اور اثر پذیری کم و بیش ہوتی ہے اسی لئے ان کے اندر جذباتی تحریکات اور موانع مختلف ہوتے ہیں۔ میں اس کی ذرا زیادہ وضاحت کرتا ہوں۔ عام طور پر ہمارا اخلاق اور عملی انداز کسی ایک وقت میں دو قسم کی قوتوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ایک تو کسی خاص عمل کے لئے تحریکات

http://www.Mypdfsite.com

ھیں اور دوسرے وہ رکاوٹیں ھیں جو ھمیں اس عمل سے باز رکھنا چاھتی ھیں۔ تحریک عمل یہ کہتی ھے کہ ھاں ھاں آگے بڑھو اور نفسی موانع پکارتے ھیں کہ نہیں نہیں رک جاؤ۔ جن لوگوں نے اپنی نفسی کیفیت پر بھی خاص طور پر غور نہیں کیا انہیں اس کا اندازہ نہیں ھو سکتا کہ اندرونی رکاوٹ کے عوامل کس طرح مسلسل ھم پر عمل کرتے رھتے ھیں اور کس طرح اپنے دباؤ سے ھمارے عمل کو اس طرح ڈھالتے رھتے ھیں گویا کہ ھم ایک سیال چیز ھیں اور ایک برتن ھمیں محدود کرکے اپنی شکل پر لے آتا ھے۔ رکاوٹوں کا عمل انسانی شعور پر اس قدر مسلسل ھے کہ وہ غیر شعوری بن جاتا ھے۔ مثلاً آپ لوگ جو اس وقت سامنے یا اپنی جگہ پر بیٹھے ھیں اپنے انداز نشست ھی میں سب کو کچھ نہ کچھ رکاوٹ اور پابندی محسوس ھو رھی ھے لیکن اس موقع کے زیر اثر کسی کو واضح طور پر اس رکاوٹ کا احساس نہیں ھے لیکن اگر آپ میں سے کوئی اس کمرے میں اکیلا رہ جائے تو وہ یقیناً غیر ارادی طور پر اپنے انداز نشست کو بدل دےگا اور زیادہ آزاد اور آسان طرز نشست اختیار کر لے گا۔ لیکن جب کوئی بڑا جذباتی ھیجان یک بیک پیدا ھو جائے تو تمام آداب اور تمام رکاوٹیں بہہ جاتی ھیں اور تکلفات کی زنجیریں مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ھو کر ٹوٹ جاتی ھیں۔ میں نے ایک بڑے بانکے چھبیلے شخص کو دیکھا کہ منہ پر حجامت کے صابن کی جھاگ ھے اور وہ بازار میں کھڑا ھے کیونکہ سڑک کے پار کے مکان میں آگ لگ گئی ھے۔ اسی طرح کسی عورت کو اگر اپنے بچے کی

http://www.Mypdfsite.com

جان بچانی ہو تو وہ اپنے رخت خواب میں اجنبی لوگوں کے درمیان دوڑتی نظر آئیگی ۔ کسی ایک آرام طلب عورت کی مثال لے لیجئے جو کسی قسم کی زحمت گوارا کرنا نہیں چاہتی ، وہ صبح دیر تک بستر سے نہیں اٹھتی ، جس نے چائے کا نشہ لگا لیا ہے اور رومائیڈ کھاتی رہتی ہے ، سردی کے ڈر سے گھر کے اندر ہی پڑی رہتی ہے غرضیکہ جہاں اس کو کوئی دقت یا رکاوٹ نظر آئے اس طرف کا رخ نہیں کرتی - یہی عورت جب ماں بن جاتی ہے تو پھر دیکھئے اس میں کیا انقلاب ہوتا ہے ۔ مادریت کا جذبہ طاری ہو جانے پر اب وہ رتجگا بھی برداشت کرتی ہے اور بغیر کسی عذر یا شکایت کے ہر قسم کی تکان اور مشقت کو قبول کرتی ہے ۔ پہلے وہ تکلیف سے دور بھاگتی تھی لیکن اب بچے کی پرورش کے جذبے نے تکلیف کے خیال کی رکاوٹ کو دور کر دیا ہے ۔ بچہ کی وجہ سے اب اس کو جو بے آرامی ہوتی ہے وہ اس کو عین لطف محسوس کرتی ہے بلکہ یہ بے آرامیاں ہی اس کے لطف کے احساس کو اور گہرا کر دیتی ہیں ۔

اس مثال سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ایک اعلیٰ جذبے میں کس قدر قوت دفع ہوتی ہے ، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ جذبہ اعلیٰ ہے یا ادنیٰ ۔ انقلاب کا انحصار اس پر ہے کہ اس جذبے کا ہیجان کس قدر قوی ہے ۔ ہنری ڈرمنڈ نے ہندوستان میں ایک جگہ سیلاب کا ذکر کیا ہے جس میں تمام علاقہ ڈوب گیا لیکن ایک ٹیلے پر پانی نہ پہنچ سکا جس پر ایک بنگلہ واقع تھا ۔ جنگل کے بہت سے وحشی اور رینگنے والے جانور اور انسان سب اس ٹیلے پر پناہ لینے کے لئے جمع ہو گئے ۔ بنگال کا

http://www.Mypdfsite.com

ایک شیر ببر تیرتا ہوا اس ٹیلے کی طرف آیا اور کتے کی طرح ہانپتا ہوا عین لوگوں کے درمیان زمین پر بیٹھ گیا ۔ وہ اس قدر خوف زدہ تھا کہ اسے گرد و پیش کا ہوش نہیں تھا ۔ ایک انگریز اطمینان سے رائفل لے کر اس کی طرف بڑھا اور اس کے سر پر گولی مار دی ۔ جذبۂ خوف کے غلبے سے شیر اپنی عادی درندگی بھول گیا تھا ۔ اس جذبے نے غالب ہو کر اس کی سیرت کو عارضی طور پر بدل دیا ۔ بعض اوقات کوئی ایک جذبہ غالب نہیں ہوتا بلکہ بہت سے متضاد جذبے بیک وقت طبیعت میں موجود ہوتے ہیں ۔ ایسی حالت میں کئی جذبے نفس کے اندر ہاں ہاں اور نہیں نہیں پکار رہے ہوتے ہیں اور ارادے کے سپرد یہ کام ہوتا ہے کہ وہ ان کی کشا کش کا فیصلہ کرے ۔ میدان جنگ میں ایک سپاہی کی حالت کی مثال لیجئے ۔ اس خوف سے کہ میں بزدل شمار نہ ہوں وہ آگے بڑھنا چاہتا ہے لیکن خوف اسے بھاگنے پر آمادہ کرتا ہے ۔ اس کے ساتھی جو طرز عمل اختیار کر رہے ہوتے ہیں ان کی تقلید کا میلان اس کو مختلف طرح کے طرز عمل کی طرف گھسیٹتا ہے ۔ اس حالت میں اس کے اندر بڑی کشا کش پیدا ہو جاتی ہے اور وہ کچھ عرصہ تردد اور تذبذب میں رہتا ہے کیونکہ کوئی ایک جذبہ پوری طرح غالب آ کر اس سے اپنے مطابق عمل نہیں کروا سکتا ۔ لیکن شدت کا ایک درجہ ہے جس پر پہنچ کر کوئی ایک جذبہ دوسروں پر پوری طرح غالب آ جاتا ہے اور اپنے مخالف جذبات اور ہر قسم کی نفسی رکاوٹوں کو یک قلم دور کر دیتا ہے ۔ اس کے ساتھی اگر غیر معمولی جوش سے

http://www.Mypdfsite.com

حملہ کریں گے تو یہ بھی اس کے اثر سے غیر معمولی شجاعت اپنے اندر سے نکالے گا لیکن اگر وہ افراتفری میں بھاگ کھڑے ہوں تو اس کے خوف میں وہ شدت پیدا ہو جائیگی جو دیگر تمام جذبات کو مغلوب کر لے گی۔ زبردست ہیجانات میں وہ باتیں جو عام طور پر کسی شخص کے لئے ممکن العمل نہیں ہوتیں ممکن ہو جاتی ہیں کیونکہ تمام قسم کی رکاوٹیں کسی ایک جذبے کے سیلاب میں بہہ جاتی ہیں۔ کسی رکاوٹ کی نہیں نہیں کی آواز اب نہیں آتی کیونکہ وہ رکاوٹ اب موجود ہی نہیں ہوتی۔ ایسی حالت میں رکاوٹیں کاغذ کی زنجیریں ہو جاتی ہیں جو ایک جھٹکے سے ٹوٹ جائیں۔ ندی چڑھکر اب کنارے کے اوپر بہہ گئی ہے۔ ایک جنگ میں جرمن سپاہی نے جب یہ سنا کہ اس کے شہنشاہ کو دشمنوں نے پکڑ لیا اس میں جوش انتقام اس قدر بھڑک اٹھا کہ وہ اپنی جان پر کھیلنے پر آمادہ ہوگیا۔ جب اس سے کسی نے کہا کہ تم مر جاؤگے تو تمہارے بیوی بچے بھوکے مریں گے تو وہ پکار اٹھا کہ جائیں بھیک مانگیں مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ ایسا بھی کبھی کبھی واقع ہوا ہے کہ ایک بھرے ہوئے تھیٹر میں آگ لگ گئی اور لوگ چاقو نکال کر ہجوم میں سے راستہ کاٹنے لگے۔ ایک مصنف لکھتا ہے کہ وہ عشق ہی نہیں جو عاشق کو جرم تک نہ لے جائے۔ عام طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی جذبہ کو حقیقی معنوں میں جذبہ ہی نہیں کہہ سکتے اگر اس کی وجہ سے آدمی جرم کا مرتکب ہونے پر آمادہ نہ ہوسکے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ بڑے جذبات کے سامنے ضمیر

http://www.Mypdfsite.com

کی تمام رکاوٹیں سوخت ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس مجرم لوگوں کے متعلق بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُن کی مجرمانہ تحریکات بھی کسی نہ کسی وقت کسی دوسرے جذبے سے مغلوب ہو سکتی ہیں جو انکی سیرت میں پہلے چھپا ہوا موجود تھا لیکن اب کسی وجہ سے اس کے اندر کافی شدت پیدا ہوگئی۔ مثلاً خوف کا جذبہ اگر شدید ہو جائے تو وہ مجرم کو جرم کے ارتکاب سے روک دے گا گویا اس حالت میں خوف کا جذبہ ضمیر کا کام کرے گا۔ جب کسی شخص کو خیال ہوتا ہے کہ وہ اب جلد مرنے والا ہے یا قیامت اور یوم الحساب قریب ہے تو وہ فوراً اپنی اخلاقی حالت درست کرنے لگتا ہے، اس کے لئے گناہ میں مطلقاً کوئی کشش نہیں رہتی۔ قدیم عیسائیت نے لوگوں کے دلوں میں جو دوزخ کے عذاب کا ڈر پیدا کیا اس نے بہت سے گنہگاروں سے توبہ کرائی اور انکی زندگیوں کو گناہ کے راستہ سے ہٹایا۔

قوی سیرت کی ترکیب میں جذباتی ہیجان پذیری کی ایک قسم ہے جو نہایت اہم ہے کیونکہ موانع کو تباہ کرنے میں اس کے اندر خاص تباہ کن قوت ہوتی ہے۔ بعض لوگوں میں غصہ جلدی مشتعل ہوتا ہے اور ان کے مزاج میں لڑاکا پن اور جنگجوئی ہوتی ہے۔ یہ جھگڑالو پن اس جذبہ کی ایک کثیف شکل ہے لیکن یہ جذبہ کچھ لطیف صورتیں بھی اختیار کرتا ہے۔ بے صبری، سختی، سنجیدگی، ہیبت ناکی، متانت، اور سیرت کی شدت بھی اسی قسم کی طبیعت کے انداز ہیں۔ غیر متزلزل سنجیدگی کے یہی معنی ہیں کہ ایک شخص

http://www.Mypdfsite.com

زور شور اور قوت کے ساتھ کسی مقصد کی پیروی کرتا ہے خواہ اسے تکلیف ہی میں مبتلا ہونا پڑے، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ اسے خود تکلیف ہوگی یا دوسروں کو، تکلیف کا خیال اسے روک نہیں سکتا۔ کسی سلسلے میں جب جوش عمل انسان پر طاری ہو جائے تو وہ ہر قسم کی رکاوٹوں کو ٹھکرا دینا چاہتا ہے خواہ وہ مزاحمت اس کی اپنی ذات میں ہو یا دوسروں کی طرف سے۔ راستہ کی رکاوٹوں کے توڑنے پھوڑنے میں سب سے زیادہ قوی جذبہ غصہ کا جذبہ ہے جیسا کہ جرمن سپہ سالار مولڈکے نے کہا ہے کہ جنگ کی اصلیت خالص تباہی ہے۔ لڑائی میں جو چیز سامنے آئے گی اس کو تباہ کر دیا جائے گا۔ غصہ کی اسی قوت کی وجہ سے وہ دوسرے جذبات کا بھی ایک مفید اور زبردست معاون بن جاتا ہے۔ اگر اعلیٰ مقاصد کے لئے کسی انسان میں غضب کا جذبہ پیدا ہو جائے تو وہ ان کے حصول میں اپنی بڑی سے بڑی لذتوں کو خوشی سے پامال کرنے پر تیار ہو جائے گا اگر وہ اس کے راستے میں حائل ہوں، وہ آسانی سے پرانے دوستوں کو چھوڑنے پر تیار ہو جائے گا۔ اور اپنے خاص امتیازی حقوق اور مال و متاع کو قربان کر دے گا، وہ میل جول کی زنجیریں توڑ ڈالے گا۔ اس قسم کی سختی اور توڑ پھوڑ میں اس کو ایک قسم کا شدت آمیز لطف آئے گا۔ جس چیز کو سیرت کی کمزوری کہتے ہیں اس کا یہی مطلب ہے کہ ایک شخص میں اس قسم کی قربانیوں کی صلاحیت نہیں ہے اور وہ اپنے ادنیٰ نفس کے تقاضوں اور اپنی راحتوں کو قربان نہیں کر سکتا۔

http://www.Mypdfsite.com

ابھی تک میں نے فقط یہی بیان کیا ھے کہ ایک شخص کی ذات میں جذباتی ھیجان سے کس قسم کے عارضی تغیرات پیدا ھو سکتے ھیں۔ لیکن مختلف شخصوں کی سیرتوں میں جو مقابلتاً معین اور پختہ فرق پائے جاتے ھیں اُن کی توجیہہ بھی ٹھیک اسی طریقے سے ھو سکتی ھے۔ جس شخص میں عادتاً ایک خاص جذبہ کا میلان ھو اس میں عام طور پر بطور عادت رکاوٹوں کے کئی سلسلے ناپید ھو جاتے ھیں جو دوسری قسم انسانوں میں مؤثر رھتے ھیں اور ان رکاوٹوں کی بجائے کوئی دوسری قسم کی رکاوٹیں ان کی جگہ لے لیتی ھیں۔ جب ایک شخص میں خلقی طور پر خاص قسم کے جذبات کا میلان ھو تو اس کی زندگی عام لوگوں سے بالکل مختلف ھو جاتی ھے کیونکہ عام لوگوں کی طبیعتوں میں جو رکاوٹیں ھوتی ھیں اس شخص کے جذبات کے سامنے ان کا کچھ وجود ھی نہیں رھتا۔ ایک قسم کے وہ لوگ ھیں جو عاشق یا مجاھد یا مصلح بننے کی محض اس لئے خواھش رکھتے ھیں کہ ان کو اس قسم کی سیرت پسندیدہ معلوم ھوتی ھے۔ لیکن جب کبھی ان کے سامنے وہ شخص نمودار ھو جس کے اندر فطرت نے اس قسم کی سیرت کا قوی جذبہ پیدا کیا ھو اس وقت مقابلے سے یہ پتہ چلتا ھے کہ قوی جذبے کے بغیر محض ارادہ یا خواھش کرنے والا آدمی کس قدر بے اثر اور بے قوت ھوتا ھے۔ کسی ایک انداز سیرت کو اچھا سمجھکر قوت ارادی سے اس کو حاصل کرنے کے لئے نفس کے ساتھ پیکار کرنی پڑتی ھے لیکن جس شخص میں جبلی طور پر اس قسم کی سیرت کا میلان ھے

http://www.Mypdfsite.com

اس کو کسی اندرونی کشا کش میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ جو چیزیں اس جذبے کے مخالف ہیں وہ اس کے مقابلے میں خس و خاشاک کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ ایسے شخص کی قوت خواہ مخواہ مخالف افکار اور جذبات سے کشتی کرنے میں صرف نہیں ہوتی ۔ فوکس ، گیری بالڈی ، جنرل بوتھ ، جون براؤن ، لوئیز مشل اور بریڈلا جیسے لوگ ان رکاوٹوں کو محسوس ہی نہیں کرتے جو دوسرے لوگوں کے لئے زبردست مزاحمت پیش کرتی ہیں ۔ اگر زیادہ تعداد میں لوگ ان رکاوٹوں کو اسی طرح بے حیثیت اور بے قوت محسوس کرتے تو نامور مصلحین اور ابطال کی تعداد بہت زیادہ ہوتی کیونکہ بلند نصب العینوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی خواہش تو بہت لوگوں میں ہوتی ہے لیکن عشق اور جذبے کا وہ جوش و خروش نہیں ہوتا جو رکاوٹوں کو تنکوں کی طرح بہا لیجائے ۔ کسی چیز کے متعلق جوش اور جذبے سے طبیعت میں شجاعت پیدا ہوجاتی ہے اور اسی شجاعت کے عنصر کی کمی بیشی انسانوں کے اندر سیرت کے فرق پیدا کرتی اور زندگیوں کو مختلف بناتی ہے ۔ مختلف قسم کے جذبے جرأت آفرین ہو سکتے ہیں ۔ قوی اُمید بھی یہ بات پیدا کر سکتی ہے اور کسی دوسرے شخص کی دلنشیں مثال بھی ہمت اور جرأت کا باعث ہو سکتی ہے ۔ عشق بھی بڑی بہادری کا سرچشمہ ہے اور غصہ کی فراوانی سے بھی بعض لوگوں میں پیدائشی طور پر شجاعت کا مادہ اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ کسی خطرے کے محض چھو جانے سے وہ بروئے کار آجاتا ہے

http://www.Mypdfsite.com

حالانکہ جرأت کی کمی والے شخص میں خطرہ قوت عمل کو مفلوج کر دیتا ہے ۔ جرأت والے شخصوں میں کسی مہم کا شوق ایک جذبۂ غالب بن جاتا ہے ۔ جرنیل سکو بلف کہتا ہے کہ میری بہادری کا مدار فقط اس جذبہ پر ہے کہ میں خطرے کو حقیر جانتا ہوں اور ساتھ ہی اس کو پسند بھی کرتا ہوں ۔ جس بات میں جان کا خطرہ ہو اس میں مجھے غیر معمولی لطف آتا ہے ۔ کسی خطرے پر غالب آنے کے لئے جس قدر میرے مددگار کم ہوں اسی قدر میں اس کو پسند کرتا ہوں ۔ اگر میرے جسم کو بھی اس خطرے میں شرکت کرنا ہو تو میری طبیعت اور زیادہ گرماتی ہے ۔ محض عقلی باتیں مجھے نہیں آکسا سکتیں لیکن جہاں رو برو اور دست بدست مقابلہ ہو اور خطرہ ایسا ہو کہ اس کے اندر میں سر کے بل گھس سکوں اس سے مجھے نشہ ہو جاتا ہے اور میں دیوانہ وار اس کی طرف لپکتا ہوں ۔ میں خطرے کی طرف اسی طرح کھچا جاتا ہوں جس طرح بعض لوگ عورتوں کی طرف کھچتے ہیں ۔

مصمم ارادہ کرنے میں اور محض خواہش کرنے میں بڑا فرق ہے ۔ ایک میں نصب العینوں کا وجود محض تمناؤں اور پشیمانیوں تک محدود ہوتا ہے اور دوسرے میں نصب العین تخلیقی قوت کو ابھارتے ہیں ۔ تخلیقی قوت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ کوئی جذبہ مستقل طور پر سیرت کو کسی خاص تصور کی طرف دھکیلے یا کسی حالت میں کسی تصور کے متعلق جوش و خروش پیدا ہو جائے ۔ عشق ، غضب ، فیاضی ، بلند حوصلگی، جذبۂ تحسین، وفاداری،

http://www.Mypdfsite.com

یا جذبۂ ایثار ان میں سے کوئی جذبہ بھی جب ایک مقدار شدت تک پیدا ہو جائے تو نتیجہ ہمیشہ یکساں ہوتا ہے ۔ بزدلانہ رکاوٹیں جو ایک دھیمے شخص کے لئے یا پست اور سست نفسی کیفیت میں عمل کے لئے سد سکندری بن جاتی ہیں وہ جذبے کی قوت کے سامنے غائب ہو جاتی ہیں ۔ رسمی تکلفات اور آداب و اطوار ، جھجک ، سستی ، بخل، حفظ مراتب، ضمانت کی طلب ، شبہات ، بزدلی ، یاس ، ان میں سے کسی کا وجود نظر نہیں آتا ۔ یہ سب رکاوٹیں تار عنکبوت یا حباب کی طرح پھٹ جاتی اور راستے سے ہٹ جاتی ہیں ۔ جذبے کا سیلاب ان کو تنکوں کی طرح بہائے لئے جاتا ہے ۔ تمام زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں اور ان کی بجائے پر پرواز پیدا ہو جاتے ہیں ۔ نصب العین کی تخلیقی سطح پر بڑا انشراح محسوس ہوتا ہے ۔ جہاں جذبہ مذہبی ہو وہاں اس انشراح کا احساس بہت نمایاں ہوتا ہے ۔ ایک اطالوی صوفی کہتا ہے کہ سچے راہب کا سامان حیات بس ایک رباب ہے ، اس کو کسی اور ساز و سامان کی ضرورت نہیں ۔

نفسیات کے ان عام اصولوں کی بحث کے بعد اب ہم اصل مضمون کی طرف آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ مذہبی شعور کے ثمرات حیات کس قسم کے ہوتے ہیں ۔ جس شخص کی زندگی کا مرکز ایک مذہبی شعور ہے اس کی تمام قوتیں مرتکز ہیں اور اس کی سرگرمیاں تمامتر روحانی ہیں ، اس کا نفس واضح طور پر اس کے پہلے حیوانی نفس سے الگ قسم کا بن گیا ہے ۔ مذہبی جوش نے تمام ادنیٰ قسم کی رکاوٹیں دور کر دی ہیں اور وہ نفس امارہ کی تعدی سے محفوظ ہو گیا ہے ۔ وہ ایسا کریم النفس اور عالی ظرف ہو گیا ہے جو پہلے اس کے لئے ممکن نہیں تھا ۔ پابندیٔ رسوم اور ذلیل محرکات جو پہلے اس پر جابرانہ

http://www.Mypdfsite.com

حکمرانی کرتے تھے اب بے اثر رہ گئے ھیں۔ اس کے باطن کی سنگین دیوار ٹوٹ گئی ھے اور اس کے دل کی سختی ناپید ھو گئی ھے۔ ھم جیسے معمولی آدمیوں کو بھی تھوڑا سا تجربہ اس قسم کا کبھی کبھی ھو جاتا ھے۔ کبھی حقیقی زندگی کے مصائب اور کبھی کوئی ناٹک یا ناول ھمارے اندر رقت پیدا کر دیتے ھیں۔ خاص کر ایسی حالت میں جب ھمارے آنسو جاری ھو جاتے ھیں تو ایسا معلوم ھوتا ھے کہ آنسوؤں کے سیلاب نے ھمارے اندر کا بند توڑ دیا ھے اور تمام گناھگاریاں اور اخلاقی خطا کاریاں اس میں بہہ گئی ھیں۔ نفس دھل کر صاف ھو گیا ھے، دل نرم ھو گیا ھے اور روح اعلیٰ قسم کی ھدایت کو قبول کرنے پر آمادہ ھو گئی ھے۔ افسوس کی بات یہ ھے کہ عام انسانوں میں یہ کیفیت بہت عارضی ھوتی ھے اور دل اپنی پرانی سختی کی طرف عود کر آتے ھیں۔ مگر اولیاء میں یہ کیفیت عارضی نہیں ھوتی۔ ٹیریسا اور لویولا جیسے قوت عمل کے مالک اولیاء میں بھی فضل الٰہی کی وہ کیفیت مستقل طور پر پائی جاتی ھے جسے کلیسا کی اصطلاح میں خدا کا عطیۂ اشک کہتے ھیں۔ دوسرے بلند تاثرات کا بھی یہی حال ھے۔ طبیعت پر انسان کی حکمرانی بتدریج بھی قائم ھو سکتی ھے اور مفاجاتی بحران سے بھی، لیکن دونوں حالتوں میں وہ ایسی مستقل اور پائدار بن سکتی ھے کہ جزو حیات بن جائے۔

خطبۂ ما قبل کے آخر میں ھم دیکھ چکے ھیں کہ اگرچہ بعض حالات میں جذباتی ھیجان کے کم ھو جانے پر کسی شخص کی زندگی میں ادنیٰ محرکات پھر عارضی طور پر عمل کرنے لگتے ھیں اور انحراف واقع ھوتا ھے مگر حاصل شدہ اعلیٰ بصیرت کا عام غلبہ

http://www.Mypdfsite.com

باقی رهتا هے ۔ لیکن دوسری طرف بعض افراد ایسے بھی ملتے هیں جن کے اندر عادی فطرت کے مستقل تغیر سے ادنیٰ محرکات مطلقاً منسوخ بھی هو جاتے هیں ۔ ایسے مستقل انقلاب کی دستاویزی شہادت ملتی هے ۔ تجدید یافتہ سیرت کی عام تاریخ بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم هوتا هے کہ میں ایک دو مثالوں سے آپ کو اس کی حقیقت کا یقین دلا دوں ۔ اصلاح یافتہ شرابیوں کی مثالیں سب سے زیادہ ملتی هیں ۔ اس سے قبل بیان کردہ مسٹر هیڈلے کی مثال آپ کو یاد هوگی ۔ میک اولے کے واٹر اسٹریٹ مشن میں اس قسم کے واقعات کثرت سے پائے جاتے هیں ۔ آکسفورڈ کے اس گریجویٹ کا قصہ بھی آپ کو یاد هوگا جسے تین بجے سہ پہر ایک روحانی تجربہ هوا اور دوسرے هی روز وہ پھر نشہ میں مبتلا هو گیا لیکن اس کے بعد مستقل طور پر اس کی اصلاح هو گئی ۔ وہ بیان کرتا هے کہ ''اب شراب کی خواهش میرے دل سے محو هو گئی هے اور کوئی خطرہ باقی نہیں کہ میں اس میں پھر کبھی مبتلا هو سکوں ۔ تمبا کو نوشی کی عادت بھی یک بیک چھوٹ گئی اور پھر کبھی یہ خواهش پیدا نہیں هوئی ۔ اسی طرح هر قسم کے گناہ سے مجھے نجات حاصل هوگئی هے اور هر گناہ سے میری رهائی پائدار اور مکمل هے ۔ رجوع الی اللہ کے بعد میرے اندر گناہ کی کوئی ترغیب و تحریص باقی نہیں ۔''

اسٹار بک کے قلمی نسخے میں سے اس قسم کی ایک اور مثال آپ کے سامنے پیش کرتا هوں ۔ ایک شخص کا بیان هے : ''میں قدیم اڈلفی تھیٹر کے اندر گیا جہاں ایک اجتماع تقدیس تھا ۔ میں کہنے لگا : 'اے خدا! اے خدا! مجھے یہ برکت ضرور ملنی چاهئے'۔ اس کے

http://www.Mypdfsite.com

بعد مجھے یہ آواز سنائی دی کہ کیا تم سب کچھ خدا کے لئے ترک کرنے کو تیار ہو؟ اسی طرح کئی سوالات مجھ سے کئے گئے اور میں جواب دیتا گیا: 'ہاں میرے رب! ہاں میرے رب!' پھر مجھ سے پوچھا گیا کہ اسی وقت کیوں اس کو قبول نہیں کرتے؟ میں نے جواب دیا: 'ہاں اس وقت سے یہ فیصلہ منظور ہے'۔ اس وقت مجھے کوئی خاص مسرت محسوس نہیں ہوئی، صرف ایک اعتماد طبیعت میں موجود تھا۔ اس کے بعد یہ جلسہ ختم ہو گیا اور میں باہر چلا گیا۔ بازار میں ایک شخص کو دیکھا کہ ایک بہت اعلیٰ درجے کا سگار پی رہا ہے۔ اس کے دھوئیں کی ایک لپٹ میرے منہ پر آئی۔ ایک گہری سانس کے ساتھ وہ دھواں میرے اندر گیا مگر خدا کا شکر ہے کہ تمباکو کی اشتہا میرے اندر سے غائب ہو گئی۔ اس کے بعد جب میں شراب خانوں کے سامنے سے گزرا اور شراب کی بو میں نے سونگھی تو اس خبیث شے کی خواہش بھی طبیعت سے یک قلم محو ہو گئی۔ جل جلالہ۔ اس کے بعد بارہ برس تک میں دشت طلب میں گھومتا رہا اور اس کے نشیب و فراز کا تجربہ مجھے ہوتا رہا لیکن شراب خوری کی خواہش کبھی واپس نہیں آئی۔''

فوری انقلابات میں کرنیل گارڈنر کا کیس بہت مشہور اور مستند ہے کہ کس طرح اس کو جنسی شہوت سے ایک ہی گھنٹے کے اندر نجات مل گئی۔ گارڈنر نے مسٹر پیرز سے بیان کیا: ''میرے اندر یہ خواہش ایسی زبردست تھی کہ اس کا کوئی علاج ممکن معلوم نہیں ہوتا تھا سوائے اس کے کہ میں اپنے مغز میں گولی مار لوں۔ یہ خواہش مجھ سے یک بیک اس طرح غائب ہوئی کہ گویا میں ایک شیر خوار معصوم بچہ بن گیا اور پھر آج تک کبھی

http://www.Mypdfsite.com

اس نے عود نہیں کیا''۔ کرنیل گارڈنر نے ویبسٹر سے بیان کیا کہ ''مذھب سے آشنا ھونے سے پہلے میں بدکاری میں بری طرح مبتلا تھا لیکن جب خدا نے مجھے ھدایت دی تو میں نے محسوس کیا کہ روح القدس نے میری فطرت کو ایسے مکمل طور پر بدلا ھے کہ اس معاملے میں میرا تزکیہ دوسرے امور کے مقابلے میں بہت زیادہ حیرت انگیز ھے''۔ عادی میلانات اور محرکات کا اس قدر سرعت کے ساتھ رفع ھو جانا ھمارے خیال کو اس طرف لے آتا ھے کہ یہ واقعات تنویمی خیال انگیزی (Hypnotic Suggestion) سے بہت مشابہ ھیں اور اس بات کو یقین نہ کرنا دشوار ھو جاتا ھے کہ دلوں کی ان مفاجاتی تبدیلیوں میں ھپناٹزم کی طرح تحت الشعوری عوامل کار فرما ھیں۔ خیال انگیزی کے طریق علاج میں اس قسم کی صحت یابی کی بہت مثالیں ملتی ھیں کہ بڑی راسخ بد عادتیں جو معمولی اخلاق اور طبیعی طریقوں سے نہ اکھڑ سکتی تھیں وہ چند نشستوں کے بعد بالکل ناپید ھو گئیں۔ شرابخوری اور زنا کاری کی عادتیں اس طریق علاج سے رفع ھو گئیں جس سے معلوم ھوتا ھے کہ تحت الشعوری عوامل بعض افراد میں مقابلتاً پائدار تبدیلی پیدا کر سکتے ھیں۔ اگر خدا کا فضل بطریق معجزہ عمل کرتا ھے تو وہ غالباً تحت الشعور کے دروازے سے داخل ھوتا ھے لیکن ابھی تک یہ اچھی طرح سمجھ میں نہیں آ سکا کہ شعور کی تہ میں جو کچھ عمل ھوتا ھے وہ کس طرح ھوتا ھے۔ ابھی تک یہ ایک نفسیاتی اور دینیاتی معمہ ھے۔ اس حل نا شدہ مسئلے کو ھم یہیں چھوڑ دیتے ھیں اور مذھبی شعور کے ثمرات کی طرف اپنی توجہ منعطف کرتے ھیں خواہ وہ کسی ذریعے سے حاصل ھوں۔

http://www.Mypdfsite.com

سیرت کے اندر مذہب کے ان پختہ ثمرات کا نام ولایت یا درویشی ہے۔ ولی منش شخص وہ ہے جس کے اندر عادتاً روحانی جذبات محور عمل ہوتے ہیں۔ ایسے اشخاص تمام مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی صورت کے نقوش جو بہت کچھ ملتے جلتے ہیں اور جو آسانی کے ساتھ نظر آتے ہیں مفصلہ ذیل ہیں :

۱ ۔ اس دنیا کی ادنیٰ اغراض کی خود پرست زندگی کے مقابلے میں ان کو ایک وسیع تر زندگی کا احساس ہوتا ہے اور ان کو ایک اعلیٰ قوت کے وجود کا صرف ذہنی ہی نہیں بلکہ ایک طرح سے حسی ادراک ہوتا ہے۔ عیسوی ولایت میں اس قوت کو ہمیشہ خدا کی ذات سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن مجرد اخلاقی نصب العین، شہریت یا حب الوطنی کے تصورات عالیہ اور راستی یا تقدس کی ذاتی تعبیریں بھی بعض انسانوں کی زندگی پر اسی طرح کی حکمرانی حاصل کرتی اور اس کو وسعت دے سکتی ہیں جیسا کہ میں غیب کی حقیقت کے خطبے میں بیان کر چکا ہوں۔

۲ ۔ اس نصب العینی قوت کے ساتھ ولی کا محبانہ رابطہ اور اس کے سامنے خوشی سے سر تسلیم خم کرنا اور اپنے تئیں اس کے حوالے کر دینا۔

۳ ۔ محدود خودی کی دیواروں کے گر جانے کے بعد بے انتہا انبساط اور آزادی کا احساس۔

۴ ۔ اپنی ذات سے خارج میں جو کچھ ہے اس کے متعلق محبت اور ہم آہنگی کے جذبات، اور نفی سے ہٹ کر اثبات کی جانب مرکز جذبات کا سرکنا۔

ڈین انج اپنے خطبہ 'عیسوی تصوف' میں کہتا ہے کہ اکابر

http://www.Mypdfsite.com

صوفیاء کے بیانات میں بہت یکسانی پائی جاتی ہے۔ سب اولیا یہی کہتے ہیں کہ استدلال سے نہیں بلکہ براہ راست وجدان سے ان کو یہ غیر متزلزل یقین حاصل ہوتا ہے کہ روح الٰہی کے ساتھ روح انسانی کا میل جول ہو سکتا ہے۔ خدا تمام خیر، صداقت اور جمال کا سرچشمہ ہے۔ فطرت کے اندر ہر جگہ اس کے نقش پا دکھائی دیتے ہیں۔ انسان اس کو اپنے اندر بطور جان جاں محسوس کرتا ہے اور جس قدر انسان اپنی اصلیت سے قریب ہوتا ہے اسی قدر وہ خدا کے قریب ہوتا ہے۔ ان سب کا متفقہ بیان ہے کہ خدا اور سعادت ازلی سے جو چیزیں ہم کو روکتی ہیں وہ خود غرضی اور ہر قسم کے نفسانی اور (حیوانی) شہوانی جذبات ہیں۔ خود پرستی اور شہوات ہم کو ظلمات اور موت کی طرف لے جاتے ہیں اور وجہ اللہ کو ہم سے چھپا دیتے ہیں۔ عدل اور بے غرضی کا راستہ ایک منور راستہ ہے جو ہمیں نور کامل تک لے جاتا ہے۔ باطن کی ایسی کیفیتیں کچھ عملی نتائج پیدا کرتی ہیں جو مفصلہ ذیل ہیں:—

۱۔ **نفس کشی**۔ تسلیم و رضا میں ایسی سرگرمی پیدا ہو سکتی ہے کہ انسان کو ایثار اور نفس کشی میں لذت آنے لگے اور وہ لذتوں سے گریز کرنے اور تکلیفوں کو خوش آمدید کہنے کو خدا کے ساتھ وفاداری کا پیمانہ بنا لے۔

۲۔ توسیع حیات کا احساس ایسا علو کوش اور روح افزا ہو سکتا ہے کہ ذاتی خواہش کی تحریکیں اور رکاوٹیں جو عام طور سے انسان پر حکومت کرتی ہیں ایسی کمزور اور بے حیثیت ہو جائیں کہ انسان ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے اور صبر و شجاعت کی نئی بلندیوں پر پہنچ جائے، ہر قسم کا خوف اور

http://www.Mypdfsite.com

اندیشہ رفع ہو جائے اور سعادت آمیز سکون اس کی جگہ لے لے۔ لذت یا کلفت، جنت یا دوزخ جو کچھ بھی اس کے راستے میں آئے وہ اس کے لئے برابر ہو۔

ایسے لوگ جس قسم کا عہد کرتے ہیں اس کا نمونہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ ”ہر دلعزیزی کی خواہش اور عزت و اقتدار کی تمنا کو ہم اپنے لئے ممنوع قرار دیتے ہیں۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم ہر قسم کے جھوٹ سے پرہیز کریں گے۔ ہم اپنے قول و فعل سے کسی قسم کے دھوکے پیدا نہیں کریں گے اور لوگوں کو مغالطے میں نہیں ڈالیں گے۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ کامل راستی برتیں گے۔ ہم کوشش کریں گے کہ ہم سچائی کو صاف طور پر دیکھ سکیں اور اس کو بے دریغ بیان کریں۔ ہم کوشش کریں گے کہ ہم فیشن کے سیلاب میں نہ بہہ جائیں۔ عوام کے دلوں میں پیدا شدہ جھوٹے جوش اور جھوٹے خطرات سے ہم مغلوب نہیں ہونگے۔ ہم کسی قسم کی کمزوری اور خدشے کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیں گے۔ ہم طعن و طنز سے کام نہیں لیں گے۔ سنجیدہ امور کے متعلق ہم سنجیدگی سے بات کریں گے اور مخول اور ٹھٹھے سے بچیں گے۔ خوش دلی کے سنجیدہ طریقے بھی پائے جاتے ہیں۔ ہم دنیا کے سامنے اسی طرح پیش ہوں گے جیسے کہ ہم حقیقت میں ہیں۔ ہم جھوٹی عاجزی اور علم کی نمائش نہیں کریں گے۔ غرور اور بناوٹ ہم میں نہیں ہوگی۔“

۳۔ پاکیزگی۔ مرکز جذبات کی درستگی سے سب سے پہلے پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ روحانی ناسازی اور بے آہنگی کے لئے انسان حساس ہو جاتا ہے، جسمانی شہوات اور بہیمانہ اطوار سے دل کو

http://www.Mypdfsite.com

پاک رکھنا لازمی ہو جاتا ہے - ایسے مواقع سے پرہیز کیا جاتا ہے جہاں انسان کو ان عناصر سے دو چار ہونا پڑتا ہے - درویشانہ زندگی میں روحانی موافقت کو استوار کرنا پڑتا ہے اور دنیا کی آلائشوں سے بچنا ضروری ہوتا ہے - بعض طبیعتوں کی پاکیزگی کی خواہش راہبانہ سختی اختیار کر لیتی ہے اور جسمانی کمزوریوں کو شدت کے ساتھ پامال کیا جاتا ہے -

۴- رحم دلی - جذبات کے مرکزی انقلاب سے انسان میں رحم و رافت کا اضافہ ہو جاتا ہے - انسانوں کے اندر عام طور پر بعض لوگوں سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور تھوڑے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ انسان محبت اور نرم دلی سے پیش آتا ہے لیکن درویش کی محبت ہر کس و نا کس کے لئے عام ہو جاتی ہے - درویش دشمنوں سے بھی محبت کرتا ہے اور گھناؤنے بھکاریوں کے ساتھ بھی بھائیوں کا سا سلوک کرتا ہے -

اب میں شجر تقدیس کے ثمرات کی کچھ مثالیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اگرچہ مثالوں کی کثرت کی وجہ سے ان میں سے انتخاب کرنا مشکل ہے -

چونکہ ایک اعلیٰ اور دوستانہ قوت کے حضور کا احساس روحانی زندگی کا ایک اساسی عنصر معلوم ہوتا ہے اس لئے میں اس کی مثالوں سے آغاز کرتا ہوں - انقلاب نفس کے قصوں میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ روحانی انقلاب کے بعد کس طرح ایک شخص کو دنیا حسین و جمیل معلوم ہونے لگتی ہے - خاص مذہبی جذبات کی عدم موجودگی میں بھی ہم جیسے معمولی لوگوں کی زندگیوں میں بھی ایسے لمحے آتے ہیں جب ہم اپنے تئیں حیات کلی کی

http://www.Mypdfsite.com

محبت آگیں آغوش میں پاتے ہیں - شباب و صحت میں ، موسم بہار میں، دشت و کہسار میں، اور بعض ایام میں موسم سرور و سکون سے لبریز معلوم ہوتا ہے - جب ہستی سراپا حسن و خیر محسوس ہوتی ہے اور ہم گوش دل سے امن عالم کا نغمہ سنتے ہیں - تھورو لکھتا ہے :

" ایک مرتبہ جب مجھے جنگل میں رہتے ہوئے کچھ ہفتے گزرے تھے تو میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ شاید پر صحت اور پر سکون زندگی کے لئے انسانوں کا قرب بھی لازمی ہے - تنہائی کس قدر ناگوار معلوم ہوتی تھی - یہ ابھی خیالات ذہن میں چکر لگا رہے تھے کہ ہلکی ہلکی بوندیں پڑنے لگیں اور مجھے یک بیک فطرت کی سہانی صحبت کا احساس ہوا - بوندوں کی ٹپ ٹپ میں اور گھر کے گرد و پیش ہر منظر اور ہر آواز میں مجھے ایک بے انتہا محبانہ صحبت کا احساس ہوا اور میں فطرت کی اس روح افزا فضا میں اس طرح سانس لینے لگا کہ انسانی قرب کے متصورہ فائدے مجھے بے حقیقت معلوم ہونے لگے - اس کے بعد سے پھر میں نے کبھی انسانوں کی صحبت کی تمنا نہیں کی - مجھے ہر برگ و بار سے دوستی اور ہمدردی کی خوشبو آنے لگی - مجھے اپنی طرح کی ایک ہستی کے حضور کا ایسا گہرا احساس ہوا کہ میں نے کہا کہ اب میں کسی جگہ تنہائی اور اجنبیت محسوس نہیں کرونگا -"

عیسوی شعور کے اندر ایسی محیط کل محبت اور یگانگت کا احساس نہایت شخصی اور معین صورت اختیار کر لیتا ہے - ایک جرمن مصنف لکھتا ہے کہ " انفرادی خودی اور آزادی جس کو کوئی شخص آسانی سے ترک کرنا نہیں چاہتا ، اگرچہ زائل ہو جاتی ہے

http://www.Mypdfsite.com

لیکن اس نقصان کی بہت اچھی طرح تلافی ہو جاتی ہے ۔ انسان کو ہر قسم کے خوف سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے اور ایک ناقابل بیان اطمینان اور سلامتی محسوس ہوتی ہے جسے تجربہ کرنے سے ہی ہم جان سکتے ہیں لیکن ایک مرتبہ اس کا تجربہ ہونے کے بعد اسے بھول نہیں سکتے ۔

مسٹر ووسی کے ایک وعظ میں اس حالت کا نہایت عمدہ بیان ملتا ہے ۔ ”بے شمار مومن افراد کا تجربہ ہے کہ بیٹھتے ، اٹھتے ، آتے جاتے ، شام سویرے ، خدا کے حضور کا احساس ان کے لئے کامل اطمینان و سکون کا باعث ہوتا ہے ۔ ہر قسم کی آفت کا خوف ان کے دل سے نکل جاتا ہے ۔ خدا کے قرب کا احساس دہشت اور خدشے کے خلاف ایک مسلسل ضمانت بن جاتا ہے ۔ یہ نہیں ہے کہ جسمانی ضرر سے ایسا شخص اپنے تئیں مصئون سمجھتا ہے یا یہ کہ خدا کی محبت جو دوسروں کو حاصل نہیں وہ اسے خاص طور پر آفتوں سے بچا رہی ہے بلکہ یہ ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ انسان نفع و ضرر دونوں کے لئے بخوشی آمادہ ہوتا ہے اور اسکو یقین کامل ہوتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور خدا کو اپنا محافظ سمجھ کر وہ اس کو خوشی سے پرداشت کرتا ہے ۔ اگر ضرر خدا کی طرف سے ہو تو وہ اسے عین راحت سمجھتا ہے ۔ ان معنوں میں خدا پر بھروسا کرنے والا ضرر سے محفوظ ہے ۔ میں خود بھی اگرچہ کوئی سخت جان آدمی نہیں ہوں مگر نفس کے اس انداز عمل سے پوری طرح مطمئن ہوں ، اسی لئے خطرے اور آفت سے کسی دوسری قسم کی حفاظت نہیں چاہتا ۔ جسمانی تکلیف کا مجھ پر بھی ویسا ہی شدید اثر ہوتا

http://www.Mypdfsite.com

ہے جیسا کہ کسی حساس شخص پر ہو سکتا ہے لیکن اس خیال سے اس پر فتح حاصل ہو جاتی ہے کہ خدا میرا بے خواب محافظ ہے اور اس کی مرضی کے بغیر کوئی چیز مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی - اس یقین کے ساتھ بڑی سے بڑی تکلیف میں سے نیش نکل جاتا ہے -"

مذہبی ادبیات میں اس حالت کے بہت سے پر جوش بیانات ملتے ہیں - اگر میں زیادہ بیان کروں تو آپ سنتے سنتے تھک جائیں - مفصلہ ذیل بیان مسز جونیتھن ایڈورڈز کا ہے :

"گذشتہ رات میری زندگی کی مسرور ترین رات تھی - میری روح کبھی اس سے قبل اتنی طویل مدت تک الٰہی نور و سرور سے لذت اندوز نہیں ہوئی جس قدر کہ شب گزشتہ ہوئی - لیکن اس میں جسمانی ہیجان قطعی نہیں تھا - میں رات کا ایک حصہ جاگتی رہی ، کبھی سو جاتی تھی اور کبھی سونے اور جاگنے کی درمیانی حالت رہتی تھی - تمام رات مجھے مسیح کی آسمانی اور لاثانی محبت کا احساس ہوتا رہا - میں اس کا قرب اور اس کا پیار محسوس کرتی رہی - اس سرور و سکون میں مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسیح کے قلب سے آسمانی محبت کی شعائیں نکل کر میرے دل میں داخل ہوتی ہیں - اسی طرح میرے دل کے اندر بھی مسیح کے لئے محبت چھلک رہی ہے - ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر آسمانی محبت کا ایک امڈتا ہوا سیلاب تھا جس پر میں تیر رہی تھی جس طرح ذرے سورج کی کرنوں پر رقص کرتے ہیں - اس کیفیت کا ہر لمحہ تمام عمر میں حاصل شدہ آرام اور لذت سے زیادہ مسرت آگیں تھا ، یہ

http://www.Mypdfsite.com

نوش بے نیش تھا۔ میری روح اس شیرینی کے اندر ڈوب گئی، میری کمزور جان اس سے زیادہ کو برداشت نہ کر سکتی۔ اس کیفیت کے لحاظ سے سونے اور جاگنے میں کوئی فرق نہ تھا اور اگر کچھ فرق تھا تو نیند کی حالت میں جاگنے کے مقابلے میں زیادہ لذت تھی۔ جب صبح سویرے میں جاگی تو میں نے محسوس کیا کہ میری پہلی زندگی ختم ہو گئی ہے۔ میں اپنی پہلی ذات سے ایسے ہی بے تعلق ہو گئی جیسے کسی ایسے شخص کے متعلق جس کو میں کبھی جانتی ہی نہ تھی۔ میں اپنے متعلق دنیا والوں کی مدح و ذم سے بے نیاز ہو گئی۔ میری تمام ذاتی خواہشیں جمال الٰہی کے سمندر میں ڈوب گئیں۔ کسی قدر آرام کرنے اور سو لینے کے بعد جب میں جاگی تو سوچنے لگی کہ خدائے رحیم نے مجھ پر کس قدر کرم کیا کہ پہلے مجھے موت کے لئے تیار کیا اور پھر اس کے بعد زندہ رہنے کا ارادہ استوار کیا تا کہ میں اس کی خاطر زندگی بسر کروں اور سب کچھ برداشت کروں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے میرے اندر تسلیم و رضا کی وہ حالت پیدا کر دی کہ وہ جس قسم کی موت سے مجھے مارنا چاہے میں اس کے لئے تیار ہوں۔ میں اس پر راضی تھی کہ خدا کی مرضی کو پورا کرتے ہوئے خواہ میرے اعضا کو شکنجے میں توڑا جائے، خواہ مجھے جلا ڈالا جائے اور خواہ میری موت ظلمت کے اندر واقع ہو۔ اس سے قبل مجھے انسان کی عمر طبیعی سے زیادہ مدت تک زندہ رہنے کا خیال نہیں تھا۔ اب میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ کیا تم زیادہ عرصے تک اس دنیا میں جنت سے خارج رہنا

http://www.Mypdfsite.com

چاھتی ھو ؟ میرے دل نے جواب دیا کہ اگر خدا نے چاھا تو ھزار سال تک اور بے انتہا درد و کرب میں جسے لوگ دیکھ بھی نہ سکیں - میں نے دیکھا کہ میری روح نہایت اطمینان اور مستعدی کے ساتھ خدا کے جلال کے لئے اس پر آمادہ ھے - اب میرے دل میں نہ کوئی شک تھا نہ کوئی تامل اور نہ کسی قسم کا اندھیرا - جمال الٰہی نے ھر قسم کی تکلیف کے خیال کو بے حقیقت بنا دیا تھا - یہ کیفیت تسلیم و رضا تمام رات اور دوسرے دن اور اس کے بعد کی رات اور پیر کے روز قبل دوپہر تک جاری رھی -''

کیتھولک لوگوں میں کشف و کرامت کے سلسلے میں اس سے زیادہ جذبیلے بیانات بھی ملتے ھیں - راھبہ سیرا فیک پر عشق الٰہی کا ایسا حملہ ھوتا تھا کہ اس کی حالت موت کے قریب پہنچ جاتی تھی - وہ نرم لہجے میں خدا سے اس کی شکایت بھی کرتی تھی - وہ کہتی تھی : ''اے خدا ! میری کمزوری پر رحم کر ، میں اسے برداشت نہیں کر سکتی ، میں تیری محبت کی شدت سے فنا ھو جاؤں گی -''

اب میں انسانی ھمدردی اور برادرانہ محبت کی طرف آتا ھوں جو ولایت کا ایک عام ثمرہ ھے اور جو دینیاتی فضائل میں لازماً داخل ھے خواہ اس بارے میں کوئی دینیات معمولی خدمات پر ھی اکتفا کرے -

انسانوں سے برادرانہ محبت اس احساس کا لازمی نتیجہ ھے کہ خدائے رحیم ھم سب کا باپ ھے اور سب کے ساتھ اس کا محبت کا رابطہ ھے - جب حضرت مسیح یہ تلقین فرماتے ھیں کہ ''اپنے دشمنوں

http://www.Mypdfsite.com

سے محبت کرو، جو تم پر لعنت کریں تم ان کے لئے برکت طلب کرو، جو تم سے نفرت کریں اور تمہیں آزار پہنچائیں تم ان کی بھلائی چاہو اور ان کے لئے دعا کرو" تو اس کی وجہ بھی موجود ہے کہ تم اپنے آسمانی باپ کی اولاد بنو جس کا سورج نیکوں اور بدوں دونوں پر چمکتا ہے اور عادل و غیر عادل دونوں پر اس کا مینہ برستا ہے۔ اپنی نسبت عاجزی اور دوسروں کی محبت اور خیر اندیشی جو روحانی جذبے کی امتیازی خصوصیت ہیں ایسے خدا پر ایمان کا لازمی نتیجہ ہیں جو سب سے برابر محبت کرتا ہے اور جس کے لئے سب برابر ہیں۔ لیکن یہ تاثرات توحید کے عقیدے کے علاوہ اور قسم کے عقائد سے بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ رواقیت، ہندو دھرم اور بدھ مت میں اس بارے میں بلند ترین مدارج پائے جاتے ہیں۔ پدرانہ توحید سے یہ نہایت خوبصورتی کے ساتھ ہم آہنگ ہوتے ہیں لیکن یہ ان عقائد کے ساتھ بھی وابستہ ہو سکتے ہیں جن کی رو سے انسانی زندگی عام علتوں کے ماتحت عمل کرتی ہے۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس روحانی کیفیت سے اخذ کردہ نتیجہ نہیں بلکہ اس کے عناصر ترکیبی میں سے ہیں۔ مذہبی جوش و مستی، اخلاقی سرگرمی، کُنہ ہستی کے متعلق حیرت، کائناتی جذبہ نفس کے اندر ہم آہنگی پیدا کرنے والی کیفیتیں ہیں جن کے اندر خودی کے خس و خاشاک بھسم ہو جاتے ہیں اور طبیعت میں ملائمت اور ملاطفت پیدا ہو جاتی ہے۔ بہترین طریقہ یہ ہوگا کہ اس کیفیت کو جو انسان پر طاری ہو سکتی ہے مجموعی طور پر بطور ایک مربوط وحدت کے سمجھا جائے جس کے اندر انسان سکون اور اطمینان محسوس کرتا ہے اور تاثر کا ایک دریا ہے جس پر

http://www.Mypdfsite.com

وہ تیرتا ہے۔ اس میں یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ کونسی موجیں کن دوسری موجوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ عشق یا خوف کی طرح یقین و ایمان کی حالت ایک فطری شعوری کیفیت ہے انسانی ہمدردی اور رحمدلی جس کا ایک طبعی جزو ہے۔ مسرت ایک انشراحی تاثر ہے اور تمام انشراحی اور انبساطی تاثرات میں خود فراموش بے غرض محبت پائی جاتی ہے۔

امراضی اسباب سے اگر ایسے تاثرات پیدا ہوں تو ان کے اندر بھی یہی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اپنی حکمت آموز تصنیف 'لطف و الم' میں جارج ڈوماس جنون کی بدلتی ہوئی کیفیتوں کا ذکر کرتا ہے کہ ایک شخص پر ایک حالت میں غمگینی طاری ہوتی ہے اور دوسری حالت میں مسرت و انبساط۔ وہ کہتا ہے کہ افسردگی میں وہ شخص خود غرض ہو جاتا ہے اور مسرت میں اس کے اندر فیاضانہ جذبہ کام کرتا ہے۔ ایک عورت مریم نامی کی جنونی کیفیت یہ تھی کہ افسردگی میں وہ نہایت بخیل ہوتی تھی اور کسی کے کام نہیں آتی تھی لیکن جہاں اس کے جنوں نے انبساط کی طرف پلٹا کھایا وہ نہایت ہمدرد اور مہربان ہو جاتی تھی، صرف ارادے ہی میں نہیں بلکہ عمل میں بھی وہ نہایت خیر خواہی کا اظہار کرتی تھی اور اس کا یہ جذبہ ہر ایک کے لئے عام ہوتا تھا۔ ایسی حالت میں وہ دوسرے مریضوں کی صحت کے متعلق فکر کرتی تھی اور چاہتی تھی کہ وہ جلد اچھے ہو جائیں۔ وہ کوشش کرتی تھی کہ اس کو مریضوں کے لئے موزے بننے کے واسطے اون مل جائے۔ جب تک وہ میرے زیر مشاہدہ رہی میں نے یہی دیکھا کہ وہ اپنے دور انبساط میں سب کے لئے اچھی

http://www.Mypdfsite.com

ھی رائے رکھتی تھی ۔ اس کے بعد ڈاکٹر ڈوماس ایسی مسرور حالتوں کے متعلق بیان کرتا ھے کہ ان کے اندر بے غرضی کے جذبات ھوتے ھیں اور انسانوں کے لئے رحم و لطف پایا جاتا ھے ۔ ایسے شخص کے نفس میں حسد ، نفرت اور انتقام کے جذبات داخل ھی نہیں ھو سکتے ۔ تمام جذبات فیاضی، تلطف اور رحم میں بدل جاتے ھیں ۔''

اس سے معلوم ھوتا ھے کہ مسرت اور نرم دلی میں ایک لازمی رابطہ پایا جاتا ھے ، اس لئے درویشانہ زندگی میں ان دونوں کا یکجا پایا جانا تعجب خیز نہیں ھونا چاھئے ۔ انقلاب کے بیانات میں آپ دیکھیں گے کہ مسرت اور رحمدلی یکجا پائے جاتے ھیں اور جس طرح مسرت میں اضافہ ھوتا ھے اسی طرح نرم دلی میں بھی ترقی ھوتی ھے ۔ پروفیسر سٹار بک نے جو بیانات جمع کئے ھیں ان میں آپ کو اکثر ایسے فقرے ملینگے کہ میں اپنے گھر والوں اور دوستوں سے زیادہ محبت کرنے لگا ۔ مسز ایڈورڈز بیان کرتی ھے ''کہ یوم سبت میں جب میں صبح اٹھی تو تمام نوع انسان کے لئے میں نے اپنے اندر محبت محسوس کی اور اس محبت کے اندر ایسی شدت اور شیرینی تھی جو میں نے اس سے قبل کبھی محسوس نہیں کی تھی ۔ اس محبت کی قوت ناقابل بیان معلوم ھوتی تھی ۔ ایسی حالت میں میں نے سوچا کہ اگر مجھے سب طرف سے دشمن گھیر لیں جو اپنا بغض مجھ پر نکال رھے ھوں اور مجھے اذیت دے رھے ھوں تو بھی میں ان کے لئے محبت اور رحم ھی محسوس کروں گی اور دل سے ان کی فلاح و بہبود چاھوں گی ۔ دوسروں کے افعال پر

http://www.Mypdfsite.com

نکتہ چینی اور ان پر الزام لگانا میری طبیعت کے پاس نہیں پھٹک سکتا ۔ میں نے غیر معمولی طور پر نہایت وضاحت سے اب یہ اندازہ کیا کہ عیسائیت کا کس قدر زیادہ حصہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرنے سے تعلق رکھتا ہے ۔ یہی لطف کا احساس تمام دن میری طبیعت میں رہا ۔ میرا دل خدا اور تمام انسانوں کی محبت سے لبریز تھا ۔"

اس رحمدلی کا باعث خواہ کچھ ہی ہو اس کا نتیجہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ انسانوں کے درمیان جو من و تو کی دیواریں حائل ہیں وہ ہٹ جاتی ہیں ۔ یہ رحمدلی صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ جانوروں سے بھی انسان محبت کا سلوک کرنے لگتا ہے ۔ ٹوویانسکی پولستان کا ایک مشہور محب وطن اور صوفی بیان کرتا ہے کہ ایک روز بارش میں میرے ایک دوست نے مجھے دیکھا کہ میں ایک بڑے سے کتے کو پیار کر رہا ہوں جو مجھ پر کود رہا ہے اور مجھے کیچڑ میں لت پت کر رہا ہے ۔ میرے دوست نے کہا کہ اس کتے کو ہٹاتے کیوں نہیں ۔ میں نے جواب دیا کہ یہ کتا جسے میں پہلی مرتبہ ملا ہوں میرے ساتھ دوستی کا اظہار کر رہا ہے اور میں اس کی دوستی قبول کر رہا ہوں ۔ وہ اس پر بے حد خوش ہو رہا ہے ۔ اگر میں اس کو دھتکار دوں تو اس کے جذبات کو بہت ٹھیس لگے گی اور میں اسے اخلاقی نقصان پہنچاؤں گا ۔ میری بد سلوکی نہ صرف اس کے خلاف بلکہ ان تمام ارواح کے ساتھ جرم ہو گا جو دوسری دنیا میں ہیں اور اسی کے انداز کے ہیں ۔ اگر میں اس کی

http://www.Mypdfsite.com

دوستی کے اظہار پر بے رخی برتوں تو اس کو اس سے کہیں زیادہ نقصان پہنچے گا بہ نسبت اس کے کہ میرا کوٹ اس سے کچھ خراب ہو جائے ۔ اس نے کہا کہ ہمارا فرض ہے کہ جہاں تک ہو سکے ہم جانوروں کو تکلیف سے بچائیں اور اپنے اندر تمام ارواح کے اتحاد کیلئے کوشش کریں جس کو مسیح کی قربانی نے ممکن بنا دیا ہے ۔

عیسوی عدم مقاومت کی ایک مثال میں ریچرڈ دی ویور کے خود نوشتہ سوانح میں سے لیتا ہوں ۔ ویور کوئلہ کا کام کرتا تھا اور جوانی کے زمانے میں نیم پیشہ ور مکا باز تھا ۔ اس کے بعد وہ بہت ہر دلعزیز پادری بن گیا ۔ ایک بڑا گناہ جس کا وہ عادی تھا یہ تھا کہ وہ شراب پی لینے کے بعد لوگوں سے لڑائی کرتا تھا ۔ اپنے باطنی انقلاب کے بعد بھی وہ پھر اس بری عادت کا شکار ہوا اور ایک آدمی کا اس نے خوب کچومر کیا جس نے ایک لڑکی کی بے عزتی کی تھی ۔ اس پر اس کو خیال ہوا کہ اب جبکہ گناہ کا مرتکب ہو ہی گیا ہوں تو پھر تھوڑا کیا اور زیادہ کیا ۔ وہ گیا اور اس نے خوب شراب پی ۔ پھر گیا اور مکا مار کر ایک ایسے آدمی کا جبڑا توڑ دیا جو اس کو لڑائی کے لئے اکساتا رہتا تھا اور اس کو طعنہ دیتا تھا کہ اب عیسائی بن کر اپنی بزدلی کو چھپاتا ہے ۔ میں نے یہ قصہ اس لئے بیان کیا ہے تاکہ اس کے بعد کے واقعات سے آپ پر یہ روشن ہو جائے کہ اس کے دل میں کیا حقیقی انقلاب واقع ہوا ۔ ”میں نے دیکھا کہ ایک لڑکا رو رہا ہے کیونکہ اس کے ساتھ کام کرنے والا

http://www.Mypdfsite.com

ایک شخص زبردستی اس کی گاڑی اس سے چھین رہا ہے۔ میں نے اس چھیننے والے سے کہا، ٹوم تمہیں یہ گاڑی نہیں چھیننی چاہئے۔ اس پر وہ مجھے برا بھلا کہنے لگا اور مجھے گالی دی کہ تو ایک میتھوڈسٹ شیطان ہے۔ میں نے اسے یہ کہا کہ خدا نے مجھے یہ حکم نہیں دیا کہ میں تمہیں اپنا مال لوٹ لینے کی اجازت دوں۔ اس نے پھر گالی گلوچ شروع کی اور دھمکی دی کہ وہ گاڑی میرے اوپر دھکیل دے گا۔ میں نے کہا اچھا دیکھیں کہ تو اور تیرا شیطان زیادہ قوی ہے یا میں اور میرا خدا۔ میں اور میرا خدا اس شخص اور اس کے شیطان سے زیادہ قوی ثابت ہوئے اور وہ سامنے سے ہٹ گیا ورنہ گاڑی اس کے اوپر دھکیلی گئی تھی۔ میں نے گاڑی لڑکے کو دے دی اور ٹوم نے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ تمہارے منہ پر ایک تھپڑ رسید کروں۔ میں نے جواب دیا کہ اگر تم کو اس سے کچھ حاصل ہو تو تمہیں اجازت ہے۔ اس پر اس نے میرے منہ پر تھپڑ مارا۔ میں نے دوسرا گال اس کے سامنے کر دیا اور کہا کہ لو اور مارو۔ اس طرح اس نے پانچ تھپڑ میرے منہ پر مارے۔ میں نے چھٹی دفعہ پھر گال اس کے سامنے کیا لیکن وہ برا بھلا کہتے ہوئے ہٹ گیا۔ میں نے کہا کہ خدا تجھے معاف کرے کیونکہ میں نے تمہیں معاف کیا اور خدا تجھے نجات دے۔ یہ ہفتے کے روز کا واقعہ ہے۔ جب میں کوئلے کی کان سے گھر واپس گیا تو میری بیوی نے دیکھا کہ میرا منہ سوجا ہوا ہے۔ اس نے پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے ایک آدمی سے مکے بازی کی ہے اور اس کو خوب پیٹا ہے۔

http://www.Mypdfsite.com

یہ سن کر وہ رونے لگی اور کہنے لگی کہ ریچرڈ تم نے ایسا کیوں کیا۔ پھر میں نے اس کو اصل بات بتائی اور اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میں نے بدلے میں اس شخص کو نہیں مارا۔ لیکن خدا نے اپنی زد لگائی اور اس کی مار انسان کی مار سے زیادہ کارگر ہوتی ہے۔ پیر کا روز آیا، شیطان نے میرے اندر یہ وسوسہ ڈالا کہ دیکھو لوگ تم پر ہنسیں گے کہ تم نے ٹوم سے اپنے آپ کو پٹوایا۔ میں نے کہا کہ 'ہٹ دور ہو شیطان' اور کان میں کام کرنے کے لئے چلا گیا۔ وہاں سب سے پہلے ٹوم ہی سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اس کو سلام کیا مگر اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ کان میں پہلے اتر گیا۔ اس کے بعد جب میں اترا تو میں یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ وہ گاڑیوں کی سڑک پر بیٹھا میرا انتظار کر رہا ہے۔ میں جب اس کے قریب ہوا تو وہ رونے لگا اور کہنے لگا کہ ریچرڈ تم مجھے معاف کرو۔ میں نے اس سے کہا کہ میں تمہیں معاف کر چکا ہوں، اب تم خدا سے معافی مانگو، خدا تم پر اپنا رحم کرے۔ میں نے اسے اپنا ہاتھ دیا اور ہم اپنے اپنے کام پر چلے گئے۔"

حضرت مسیح نے تلقین کی کہ اپنے دشمنوں سے محبت کرو۔ اس پر غور کیجئے کہ صرف ان سے محبت کرنے کو نہیں کہا کہ جو تمہارے دوست نہیں ہیں بلکہ ان سے جو تمہارے دشمن ہیں اور تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ یہ نصیحت یا تو محض ایک مشرقی غلو ہے اور مبالغہ آمیز الفاظ میں محض یہ نصیحت کی گئی ہے کہ ہم دشمنوں کے ساتھ دشمنی کی شدت کو کم کریں یا ایک سچی نصیحت ہے جو لفظاً اور معناً درست ہے۔ افراد کے باہمی گہرے تعلقات کے باہر لوگوں نے شاذو نادر ہی اس نصیحت کو

http://www.Mypdfsite.com

لفظاً درست سمجھا ھے۔ لیکن ایک سوال پیدا ھوتا ھے کہ کیا انسان میں دوسروں سے اتحاد پیدا کرنے والا کوئی ایسا جذبہ ھو سکتا ھے جو انسانوں کے باھمی اختلافات کو اس طرح محو کر دے کہ کسی کی دشمنی بھی محبت کے جذبات کو مانع نہ ھو سکے ؟ اگر دوسروں کی خیر خواھی کا جذبہ اس حد تک ترقی کر جائے تو ایسا شخص ھمیں فوق الانسان ھستی معلوم ھوگا، اس کی اخلاقی زندگی دوسرے انسانوں سے بالکل الگ قسم کی ھوگی۔ ھماری مذھبی کتابوں میں ایسے لوگوں کی مثالیں بہت کم ملتی ھیں اور بدھ مت والوں کے قصے اکثر فرضی داستانیں ھیں اس لئے کسی پکے ثبوت اور تجربے کی عدم موجودگی میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اگر ایسے لوگ موجود ھوں تو اھل عالم پر اس کا کیا اثر پڑے۔ غالباً دنیا کی کایا پلٹ جائے۔ از روئے نفسیات اور اصولاً اس نصیحت کے اندر کوئی باطنی تناقض نہیں پایا جاتا کہ دشمن دشمن بھی ھو اور اس سے محبت کی جائے۔ یہ اس فیاضی کی ایک انتہائی حد ھے جس سے ھم واقف ھیں کہ بعض اوقات انسان اپنے اوپر ظلم کرنے والے شخص کے ساتھ رحیمانہ رواداری برتتا ھے۔ لیکن اس جذبے کی انتہائی صورت ھماری عام جبلت سے اور دنیا کے موجودہ انتظامات سے اس قدر مختلف ھوگی کہ انسان ایک عالم سے دوسرے عالم میں عبور کر جائے گا۔ مذھبی جذبہ میں انسان کو یہ احساس ھوتا ھے کہ وہ دوسرا عالم ھم سے بہت قریب ھے اور ھماری رسائی اس تک ھو سکتی ھے۔ صرف دشمنوں سے محبت کرنے کے لئے ھی جبلی نفرت پر غالب آنے کی ضرورت نہیں بلکہ جبلی نفرت پر غالب آنے کی وھاں بھی ضرورت ھوتی ھے جہاں کسی شخص کی جسمانی کثافت

http://www.Mypdfsite.com

یا بیماری سے فطری نفرت ہو ۔ درویشی کے قصوں میں کئی محرکات مل کر یہ نتیجہ پیدا کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کہ درویش کس طرح نفرت انگیز جسمانی کیفیتوں پر غلبہ پا لیتا ہے ۔ اس میں نفس کشی کو بھی دخل حاصل ہے اور رحم دلی کے ساتھ ساتھ عاجزی کا جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے جس میں انسان غلیظ سے غلیظ اور بیمار سے بیمار شخص سے بھی اپنے آپ کو ممتاز رکھنا نہیں چاہتا اور اس پر اپنا تفوق نہیں جتاتا ۔ فقر کی داستانوں میں محرکات کا ایک مجموعہ پایا جاتا ہے جو مل کر اس سمت میں عمل کرتے ہیں ۔ ایک حصہ اس میں نفس کشی کا ہے اور خالص رحمدلی کے ساتھ ساتھ عاجزی کا احساس بھی ہے جو دوسروں سے کسی قسم کا امتیاز نہیں چاہتی اور خدا کے سامنے سب کے ساتھ ایک مشترک سطح پر رہنا چاہتی ہے ۔ جب فرانسس اسیسی اور اگناٹیس لویولہ اپنا لباس گندے بھکاریوں کے ساتھ بدل لیتے ہیں تو اس میں یہ تینوں اصول کار فرما معلوم ہوتے ہیں ۔ اسی طرح جب مذہبی لوگ کوڑھیوں کی دیکھ بھال کے لئے زندگیاں وقف کر دیتے ہیں یا نفرت انگیز بیماریوں میں خوشی سے لوگوں کی تیمارداری کرتے ہیں وہاں بھی یہ تینوں اصول بطور محرکات عمل کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔ بیماروں کی تیمارداری کا کام مذہبی لوگوں کو خاص طور پر اپنی طرف کھینچتا ہے علاوہ اس کے کہ یہ کلیسا کی روایات میں بھی داخل ہے ۔ اس قسم کی انسانی ہمدردی کے قصوں میں عقیدت کے عجیب و غریب مناظر دکھائی دیتے ہیں جن کی توجیہہ فقط یہی ہو سکتی ہے کہ نفس کشی کا جذبہ جنون کی حد تک پہنچ گیا ہے ۔

http://www.Mypdfsite.com

فرانسس اسیسی کوڑھیوں کو چومتا تھا۔ مارگرٹ میری الکوک، فرانس زیویر اور سینٹ جون آف گوڈ اور بعض اوروں کے متعلق بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ بیماروں کے زخم اور ناسور کو اپنی زبانوں سے چاٹتے تھے۔ ہنگری کی الزبتھ اور مادام واشانتال کے قصوں میں ہسپتال کے اندر پیپ سے آلودہ ہونے کی ایسی داستانیں ملتی ہیں کہ ان کو پڑھنے سے گھن آتی ہے۔ ان قصوں سے طبیعت کے اندر ان لوگوں کی تعریف کے ساتھ ساتھ لرزہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

مذکورہ صدر بیانات سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ ایمان کی حالت میں انسانی محبت کس حد تک ترقی کر سکتی ہے اب ہم ان دوسری خوبیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں جو حالت ایمانی سے بطور نتیجہ پیدا ہوتی ہیں مثلاً سکون قلب۔ تسلیم و رضا۔ دلیری اور صبر۔

ایمان کا عام نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باطن میں سکون، شانتی اور آنند کی ایک جنت موجود ہو جاتی ہے۔ ایک انسان کیلئے دیندار ہونے کے بغیر بھی اس امر کا سمجھنا دشوار نہیں۔ اس سے کچھ قبل میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ خدا کے حضور کا احساس کس طرح ایک شخص کے اندر امن اور حفاظت کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ اس سے لازمی طور پر اعصاب میں سکون پیدا ہو گا، اضطراب رفع ہو جائے گا، طبیعت کا پیچ و تاب محو ہو جائے گا۔ کیونکہ اس قسم کے شخص کو یہ پختہ یقین ہوتا ہے کہ اس کو خواہ کسی قسم کی مشکلات پیش آئیں اس کی زندگی بحیثیت مجموعی ایک ایسی قوت کی حفاظت میں ہے جس پر کامل طور پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ گہری مذہبی زندگی والے لوگوں میں یہ بات ہوتی ہے کہ وہ ایک

http://www.Mypdfsite.com

جذبے کے ساتھ اپنے نفس کو اس قوت کے سپرد کر دیتے ھیں۔ جو شخص فقط منہ سے ھی نہیں کہتا کہ اے خدا تیری مرضی پوری ھو بلکہ اس کو دل و جان سے محسوس کرتا ھے اس کا دل ھر قسم کی کمزوری کے خلاف مضبوط ھو جاتا ھے - شہیدوں ، مبلغوں اور مذھبی مصلحین میں کثرت سے ایسے لوگ ملتے ھیں جن کی زندگیاں اس کی شہادت دیتی ھیں کہ اضطراب انگیز حالات میں انہوں نے کس طرح اپنے سکون قلب کو قائم رکھا اور یہ سب کچھ اسی لئے تھا کہ انہوں نے اپنے نفس کو پوری طرح خدا کے حوالے کر دیا تھا -

سکون قلب کی حالت سنجیدہ مزاج لوگوں میں اور رنگ کی ھوتی ھے اور طبعا خوش مزاج لوگوں میں اور انداز کی - سنجیدہ مزاج لوگوں میں تسلیم و رضا اور صبر و قناعت کی کیفیت پائی جاتی ھے اور خوش مزاج لوگوں میں پر لطف رضامندی کا ظہور ھوتا ھے - سنجیدگی کی ایک مثال میں آپ کے سامنے پیش کرتا ھوں۔ پروفیسر لاگنو ایک معزز معلم فلسفہ تھے جن کا انتقال حال ھی میں ھوا ھے۔ مفصلہ ذیل اقتباس ان کے ایک خط کا ھے - وہ فرماتے ھیں: ''میری زندگی کے لئے آپ نے اچھی تمناؤں کا اظہار کیا ھے لیکن یہ زندگی وھی ھے جو کچھ کہ ھو سکتی ھے - میں اپنی طرف سے اس سے کچھ طلب نہیں کرتا اور اس سے کسی بات کا متوقع نہیں - کئی سال سے میں جو کچھ سوچتا یا عمل کرتا ھوں اور جو کچھ میری قدر و قیمت ھے اس سب کا باعث وہ یاس ھے جو میری زندگی کی اساس اور مصدر قوت ھے - میری دعا ھے کہ میری ان آخری آزمائشوں میں اس یاس کی بدولت عمل کی قوت باقی رھے - میں

http://www.Mypdfsite.com

اس ہستی سے جو تمام قوت کا منبع ہے اس سے زیادہ کچھ طلب نہیں کرتا اور اگر یہ مجھے میسر ہو جائے تو سمجھ لو کہ میرے لئے آپ کی جو نیک خواہشیں ہیں وہ پوری ہو گئیں۔"

یہ بیان تقدیر پرستانہ اور درد انگیز معلوم ہوتا ہے لیکن زندگی کے صدمات کا مقابلہ کرنے کی قوت اس انداز طبیعت میں نمایاں ہے۔ پاسکال ایک دوسرا فرانسیسی ہے جو فطرتاً قنوطی ہے۔ اس کے بیان میں جو میں اب آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں تسلیم و رضا کا انداز اور زیادہ وضاحت کے ساتھ ملتا ہے۔ اپنی دعاؤں میں وہ کہتا ہے: "اے خدا! میرے اندر سے وہ غمگینی نکال دے جو میرے اپنے نفس کی محبت اور میری ذاتی تکلیف سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے بجائے وہ غمگینی میرے اندر ڈال دے جو خود تیری ذات میں موجود ہے۔ میری دعا ہے کہ میری تکلیفیں تیرے غصے کو ٹھنڈا کر دیں۔ ان تکلیفوں کو میرے انقلاب نفس اور نجات کا باعث بنا دے۔ میں تجھ سے نہ صحت کا طلبگار ہوں اور نہ بیماری کا، نہ زندگی کا خواہشمند ہوں اور نہ موت کا، میں فقط یہ چاہتا ہوں کہ تو میری صحت اور میری بیماری، میری زندگی اور میری موت کو اپنی عظمت اور میرے نجات کے کام میں لا اور اس کو کیسا اور اپنے اولیا کی خدمت کے لئے استعمال کر جن کے ساتھ میں تمہارے فضل سے شامل ہونا چاہتا ہوں۔ اس کا علم فقط تجھ ہی کو ہے کہ میرے لئے کیا بات اچھی ہے۔ تو ہی مالک مطلق ہے۔ میرے ساتھ وہی سلوک کر جو تیری مرضی ہے، جو چاہے مجھ کو دے دے اور جو چاہے مجھ سے لے لے۔ میری خواہش صرف یہ ہے

http://www.Mypdfsite.com

کہ تو میری مرضی کو اپنی مرضی کے مطابق کر لے ۔ اے خدا میں بس ایک ہی بات جانتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تیری اطاعت اچھی ہے اور تجھے ناراض کرنا بری بات ہے ۔ اس کے علاوہ مجھے اور کسی چیز کی برائی اور بھلائی کا علم نہیں ۔ میں نہیں جانتا کہ میرے لئے صحت مفید ہے یا بیماری ۔ دولت مفید ہے یا ناداری، اور نہ میں دنیا کی بھلائی برائی سے ہی واقف ہوں ۔ اصلی برائی بھلائی کا علم انسانوں اور فرشتوں کے ادراک سے باہر ہے ۔ یہ تیری ربوبیت کے اسرار ہیں جن کے سامنے میں سر جھکاتا ہوں لیکن ان کی کنہ کو پہنچنے کی کوشش نہیں کرتا ۔ ''

جب ہم امید پرور طبیعتوں کیطرف آتے ہیں تو تسلیم و رضا کے اندر انفعال کا پہلو کم پایا جاتا ہے ۔ تاریخ کے اندر اس کی مثالیں اس کثرت سے ملتی ہیں کہ کسی حوالے کیضرورت معلوم نہیں ہوتی ۔ اس وقت جو مثال فوراً میرے ذہن میں آتی ہے وہی میں آپ کے سامنے پیش کر دیتا ہوں ۔ مادام گیونیوں ایک نحیف عورت تھی لیکن فطرتاً نہایت خوش مزاج تھی ۔ وہ بہت سی مصیبتوں میں سے گزری لیکن قابل تعریف طریقے سے اپنی روح کے سکون کو قائم رکھا ۔ جب الحاد کے جرم میں اس کو قید کر دیا گیا اس وقت وہ لکھتی ہے : ''میرے بعض احباب نے جب سنا تو وہ بہت روئے لیکن میری تسلیم و رضا کی یہ حالت تھی کہ یہ مصیبت بھی میری آنکھوں میں کوئی آنسو پیدا نہ کر سکی ۔ اپنی ذات کے متعلق میں اس قدر بے پرواہ تھی کہ میرے ذاتی اغراض میرے اندر لذت یا تکلیف کا کوئی احساس پیدا نہیں کر سکتے تھے ۔ اپنے متعلق میری خواہش اور میرا ارادہ خدا کی مرضی کے علاوہ اور

http://www.Mypdfsite.com

کچھ نہیں تھا۔ جو خدا چاھے وہ مجھے دل و جان سے منظور تھا اور اپنی طرف سے میں کسی چیز کی طالب نہیں تھی"۔ ایک اور جگہ وہ لکھتی ھے: "ھم کو ایک ندی عبور کرنی پڑی جس میں اس قدر پانی تھا کہ ھم سب کے سب اس میں ڈوبنے کے قریب تھے۔ ھماری گاڑی ندی کی ریت میں دھنس گئی۔ دوسرے لوگ جو ھمارے ساتھ تھے ڈر کے مارے اس میں سے کود گئے لیکن میرا نفس خدا میں اس قدر محو تھا کہ مجھے کسی خطرے کا احساس ھی نہیں تھا۔ یہ صحیح ھے کہ ڈوبنے کا خیال میرے دل میں سے گزرا لیکن اس خیال سے میرے اندر فقط یہی احساس پیدا ھوا کہ اگر خدا کی یہی مرضی ھے تو میں اطمینان سے ڈوبنے کیلئے تیار ھوں"۔ جہاز میں جینیوا جاتے ھوئے طوفان کی وجہ سے گیارہ روز تک اسے سمندر ھی میں تھپیڑے کھانے پڑے۔ اس کے متعلق وہ لکھتی ھے: "جب ھمیں موجوں کے تھپیڑے لگ رھے تھے تو مجھے اپنے اندر بڑی تسکین محسوس ھو رھی تھی۔ مجھے یہ خیال اچھا معلوم ھو رھا تھا کہ یہ طوفانی موجیں خدا کے حکم کے ماتحت پانی میں میری قبر بنا دینگی۔ مجھے یہ اطمینان تھا کہ خدا جو کچھ کرتا ھے اچھا ھی کرتا ھے اس لئے اس کے ھر عمل سے خوش ھونا چاھئے۔ شاید میں نے جائز حد سے کسی قدر زیادہ لذت محسوس کی کہ میں سمندر کی موجوں میں تھپیڑے کھاتے ھوئے غرق ھو رھی ھوں۔ میرے ھمراھیوں نے میری اس بے خوفی اور اطمینان کو محسوس کیا۔"

مذھبی جوش میں خوف سے بے نیازی کے اندر اس سے بھی زیادہ خوش دلی پائی جاتی ھے۔ فرینک بلن نے حال ھی میں جو دلچسپ خود نوشتہ سوانح حیات شائع کئے ھیں اور جن کا عنوان

http://www.Mypdfsite.com

"سمندر میں مسیح کی سنگت" ہے اس میں سے ایک مثال میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ جہاز پر جو انقلاب نفس اس کے اندر ہو چکا تھا یہ واقعہ اس سے دو روز بعد کا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"ہوا بہت تیز چل رہی تھی اور ہم کوشش کر رہے تھے کہ جہاز کو اس طوفانی موسم سے بچا کر شمال کیطرف لے جائیں۔ میں بادبان کو اتارنے کیلئے کوشش کر رہا تھا کہ وہ میرے ہاتھ سے نکل گیا اور میں الٹا ہو کر گرا۔ میرا ایک پاؤں اٹک گیا اور میں اسی طرح کچھ لمحوں تک لٹکا رہا۔ اب موت یقینی تھی لیکن وہ مجھے ابدی زندگی محسوس ہو رہی تھی۔ موت اور میرے درمیان ایک بال کا فاصلہ تھا لیکن میری روح سرور سے لبریز تھی۔ اس کے بعد میرے جسم نے ایک کوشش کی اور بڑی زور آزمائی کیساتھ میں پھر ایک محفوظ انداز میں آ گیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں نے بادبان کو کس طرح لپیٹا۔ میں بڑے زور سے خدا کی حمد گا رہا تھا اور میری آواز سمندر میں دور تک جا رہی تھی۔"

مذہبی سکون قلب کی خاص نمایاں مثالیں تو شہیدوں کے حالات میں ہی ملتی ہیں۔ لوئی چہاردھم کے زمانے کا ایک واقعہ ہے۔ ایک مظلوم کو ہیوگونوٹ عقائد کیوجہ سے ایذا پہنچائی جا رہی تھی۔ بلانش گامو لکھتا ہے: "تمام دروازے بند کر دئے گئے اور میں نے دیکھا کہ چھ عورتیں بہت موٹے موٹے بید لئے کھڑی ہیں جو گز گز بھر لمبے ہیں۔ مجھے حکم دیا گیا کہ کپڑے اتار دو اور میں نے ایسا ہی کیا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ابھی تم نے قمیص نہیں اتاری اس کو بھی اتارو۔ وہ ایسے بے صبر تھے کہ بغیر انتظار کئے انہوں نے خود ہی میری قمیص بھی اتار دی اور مجھے اوپر کمرے میں

http://www.Mypdfsite.com

(برهنه) کر دیا ۔ اس کے بعد وہ ایک رسا لائیں اور مجھے باورچی خانے میں ایک شہتیر کے ساتھ باندھ دیا ۔ رسا انہوں نے بڑے زور سے کسا اور پھر مجھ سے پوچھا کہ تمہیں درد ہوتا ہے کہ نہیں ۔ اس کے بعد انہوں نے بڑے زور سے مجھے مارنا شروع کیا اور ساتھ ساتھ کہتی جاتی تھیں کہ اب اپنے خدا سے دعا مانگو ۔ یہ رولت کی عورت تھی جو یہ کہہ رہی تھی لیکن اس وقت مجھ کو اعلیٰ درجہ کی تسکین حاصل ہوئی جس سے زیادہ کی توقع میں زندگی میں نہیں رکھ سکتی تھی ، کیونکہ میں اس میں بڑی عزت محسوس کر رہی تھی کہ مجھے مسیح کے نام کی خاطر کوڑے پڑ رہے ہیں ۔ میں مسیح کے رحم اور اس کی تسکین کو محسوس کر رہی تھی ۔ اپنے باطن میں جو ناقابل بیان سکون اور اثرات میں نے محسوس کئے ان کو بیان کرنے کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں ۔ ان کیفیتوں کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ ایک انسان خود ان میں سے گزرا ہو ۔ مجھے اس حالت میں بے انتہا لطف محسوس ہوا کیونکہ جس قدر مصائب کی کثرت اور شدت ہوتی ہے اسی قدر خدا کا فضل بھی فراواں ہوتا ہے ۔ مارنے والی عورتیں پکارنے لگیں کہ شاید ہم اچھی طرح مار نہیں رہیں کیونکہ یہ درد ہی محسوس نہیں کر رہی ، نہ یہ چیختی ہے نہ پکارتی ہے ۔ میں بھلا کیوں چیختی اور پکارتی کیونکہ میں اپنے دل میں سرور سے مست ہو رہی تھی ۔ ”

یہ بڑی حیرت انگیز چیز ہے کہ کسطرح ایک انسان کے اندر باطنی تناؤ فکر اور غم ، سکون اور اطمینان میں بدل جاتے ہیں ، اس میں ایک نئے انداز کا باطنی توازن پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی تمام نفسی قوت ایک نئے مرکز پر آ جاتی ہے ۔ اس تبدیلی میں خاص

http://www.Mypdfsite.com

حیران کن بات یہ ہے کہ یہ کسی کوشش اور عمل سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ اپنا بوجھ پھینک دینے اور اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دینے سے ظہور میں آتی ہے۔ اخلاقی عمل اس معاملے میں مذہبی جذبے سے بالکل الگ قسم کی چیز ہے۔

اخلاقی عمل میں انسان شدید ذمہ داری سے عمل کرتا ہے لیکن مذہبی جذبے میں وہ ذمہ داری کو بالکل ترک کر کے تسلیم و رضا اختیار کرتا ہے۔ مذہبی جذبہ ایک کامل سپردگی کا عمل ہے۔ اس کیفیت کا ظہور کسی خاص دینی عقیدے یا کسی خاص فلسفہ کے ساتھ وابستہ نہیں۔ نفسی معالجہ، تھیئو سوفی، رواقیت، اعصابی علاج، سب اس پر اتنا ہی زور دیتے ہیں جتنا کہ عیسائیت زور دیتی ہے اور یہ کیفیت مختلف قسم کے عقائد کے ساتھ وابستہ ہو سکتی ہے۔ جن عیسائیوں میں یہ کیفیت شدت کے ساتھ پائی جاتی ہے ان کو مستقبل کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی اور نہ یہ بے چینی ہی ہوتی ہے کہ کسی معاملے کا کیا نتیجہ ہو گا۔ وہ بس اپنے حال میں مست ہوتے ہیں۔ جینیوا کی سینٹ کیتھرائن کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کو بس انہی چیزوں کا احساس ہوتا تھا جو لمحہ بہ لمحہ اس کے سامنے آتی تھیں اور کسی بارے میں اس کے لئے نہ ماضی کا غم تھا اور نہ مستقبل کی فکر۔ اس کی مقدس روح کیلئے حال کا لمحہ ہی الٰہی لمحہ ہوتا تھا اور جب اس حال کے لمحے کا تقاضا پورا ہو چکتا تھا تو وہ اس کے نفس سے محو ہو جاتا تھا اور دوسرا لمحہ اور اس کا تقاضا اس کی جگہ لے لیتا تھا۔ ہندو مذہب نفسی علاج اور تھیوسوفی سب اس پر زور دیتے ہیں کہ شعور کو موجودہ لمحے پر مرتکز کیا جائے۔

http://www.Mypdfsite.com

مذھبی شعور کی ایک اور علامت زندگی کی پاکیزگی ھے ۔ فقر کی زندگی والا شخص باطنی کشاکش کے متعلق بے حد حساس ھو جاتا ھے اور یہ اضطراب اور پیکار اس کے لئے ناقابل برداشت ھو جاتی ھے ۔ وہ اب اپنے تمام معاملات اور مشاغل کو خاص روحانی جذبے کے ماتحت منظم کر لینے پر مجبور ھوتا ھے ۔ جو بات روحانیت کے خلاف ھو وہ روح کے صاف پانی کو گندا کر دیتی ھے اس لئے وہ ایسی چیزوں سے بہت بچتا ھے ۔ اخلاق احساس کی ترقی کے ساتھ اس میں جذبہ ایثار بھی ھوتا ھے کہ جو چیز خدا کے رابطہ کے شایان شان نہیں اس کو پاس پھٹکنے نہ دیا جائے ۔

بعض اوقات روحانی جوش ایسا محیط ھوتا ھے کہ یک دم پاکیزگیٔ نفس پیدا ھو جاتی ھے جس کی مثالیں اس سے پہلے بیان ھو چکی ھیں ۔ لیکن عام طور پر یہ تزکیہ بتدریج حاصل ھوتا ھے ۔ بلی برے نے جو تمباکو نوشی کو ترک کرنے کا بیان لکھا ھے وہ تدریجی تزکیہ کی ایک اچھی مثال ھے ۔ ''میں تمباکو نوش بھی تھا اور شرابی بھی ۔ تمباکو سے مجھے ایسا ھی عشق تھا جیسے گوشت کھانے سے ۔ مجھے کھانے کی اتنی پرواہ نہ تھی جتنا کہ اپنے پائپ کی ۔ قدیم زمانے میں خدا اپنے نبیوں کے ذریعہ سے انسانوں کو ھدایت کرتا تھا اب وہ اپنے بیٹے کی روح کے ذریعہ سے ھم سے بات کرتا ھے ۔ میرے اندر صرف مذھبی احساس ھی نہیں تھا بلکہ اپنے باطن میں ایک ھلکی آواز بھی سنائی دیتی تھی ۔ جب میں نے پائپ پینے کیلئے اٹھایا تو میرے باطن سے آواز آئی 'یہ بت ھے اور نفسانی خواھش ھے ۔ پاکیزہ دھن کے ساتھ خدا کی عبادت کرو' ۔ میں نے محسوس کیا کہ تمباکو نوشی اچھی چیز نہیں ھے ۔ مجھے یقین دلانے

http://www.Mypdfsite.com

کیلئے خدا نے ایک عورت کو بھی میرے پاس بھیجا۔ ایک روز میں ایک گھر میں تھا۔ میں نے جلانے کیلئے اپنا پائپ نکالا تو ایک عورت نے جس کا نام میری ہوک ہے مجھ سے کہا کہ کیا تم یہ محسوس نہیں کرتے کہ تمباکو نوشی بری چیز ہے ؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں میرے باطن میں سے یہ آواز آ رہی ہے کہ یہ ایک بت اور نفسانی خواہش ہے۔ اس نے کہا کہ یہ خدا کی آواز ہے۔ میں نے سوچا کہ اب اسے ضرور ترک کر دینا چاہئے ، اندر سے خدا پکا رہا ہے اور باہر سے یہ عورت کہہ رہی ہے ، اب تمباکو کو مجھے چھوڑ دینا چاہئے خواہ وہ مجھے کتنا ہی پسند ہو۔ اس وقت میں نے جیب سے تمباکو نکالا اور اسے آگ میں پھینک دیا اور پائپ کو اپنے پاؤں کے نیچے روند ڈالا ، یہ کہتے ہوئے کہ راکھ راکھ میں مل جائے اور خاک خاک میں۔ اس کے بعد سے تمباکو آجتک میں نے نہیں پیا۔ پرانی عادتوں کو ترک کرنا میرے لئے کٹھن بات تھی لیکن میں خدا سے مدد چاہتا تھا اور وہ مجھے قوت عطا کرتا تھا کیونکہ خدا کا وعدہ ہے کہ مصیبت کے دن میں مجھے پکارو میں تمہیں نجات دوں گا۔

تمباکو نوشی ترک کرنے کے دوسرے ہی دن میرے دانتوں میں ایسا شدید درد ہوا کہ میں بے بس ہو گیا۔ میرے دل میں گزرا کہ شاید تمباکو کو ترک کرنے سے یہ حالت پیدا ہوئی ہے لیکن میں نے جی کڑا کر کے یہ فیصلہ کیا کہ اگر تمام دانت بھی نکال دینے پڑیں میں کبھی تمباکو نہیں پیوں گا۔ میں نے خدا سے کہا کہ تو نے کہا ہے کہ 'تیرا جوا ہلکا ہے اور تیرا بوجھ آسان ہے'۔ جونہی میں نے یہ کہا میرا تمام درد جاتا رہا۔ کسی

http://www.Mypdfsite.com

کسی وقت تمباکو کی شدید طلب ہوتی تھی لیکن خدا مجھے اس عادت کے مقابلہ کرنے کی قوت عطا کرتا تھا اس کا نام مبارک ہو۔ میں نے پھر کبھی تمباکو نہیں پیا"۔ برے کا سوانحہ نگار لکھتا ہے کہ تمباکو نوشی کو ترک کرنے کے بعد اس کو خیال ہوتا تھا کہ وہ تھوڑا چبا لیا کرے لیکن اس ۔ اس گندی عادت پر بھی غلبہ پا لیا۔ برے کہتا ہے "کہ ایک موقعہ پر دعا کی محفل میں میں نے خدا کی یہ آواز سنی کہ پاکیزہ دھن کے ساتھ میری عبادت کر۔ جب ہم دعا سے اٹھے تو میں نے تمباکو کو اپنے منہ سے نکال کر پھینکدیا لیکن پھر جب دعا کیلئے گھٹنے ٹیک دئے تو تمباکو کی ایک اور گولی میں نے منہ میں ڈال لی ۔ پھر خدا کی آواز سنائی دی کہ پاکیزہ دھن کے ساتھ میری عبادت کر۔ میں نے گولی منہ سے نکال دی اور کہا کہ اے خدا میں ایسا ہی کروں گا۔ اس کے بعد سے میں نے تمباکو پینا بھی چھوڑ دیا اور چبانا بھی اور اس بری عادت سے ہمیشہ کیلئے آزاد ہو گیا۔"

سچائی اور زندگی کی پاکیزگی کا جذبہ نفس کشی کی بعض درد انگیز کیفیتیں پیدا کرتا ہے ۔ ابتدائی زمانے کے کویکر عیسائی عیسائیت کی دنیا داری اور ریا کاری کے خلاف شدید جہاد کرتے تھے لیکن یہ شدید جہاد ان کو اپنے ساتھ کرنا پڑتا تھا کہ جماعتی زندگی میں خلوص اور سچائی پیدا ہو اور معاشرتی ریاکاری کا کوئی شائبہ نہ رہے ۔ وہ ایک دوسرے کو آپ کے بجائے تو کہہ کر پکارتے تھے ، سلام کرتے ہوئے ٹوپی نہیں اتارتے تھے اور نہ عزت کے الفاظ استعمال کرتے تھے ۔ جورج فوکس کے اندر یہ یقین پیدا ہوا کہ یہ رواج مکر اور فریب ہے ۔ اس کے تمام پیرؤں نے

http://www.Mypdfsite.com

ان طریقوں کو ترک کر دیا اور یہ قربانی سچائی کی خاطر کی تا کہ ان کی روح اور ان کے اعمال میں مطابقت پیدا ہو جائے۔

کویکروں کا امام فوکس اپنے روزنامچے میں لکھتا ہے: ''خدا نے جب مجھے دنیا میں بھیجا تو اس نے میرے لئے ممنوع قرار دیا کہ میں کسی بڑے یا چھوٹے انسان کے سامنے تعظیماً ٹوپی اتار دوں۔ اس نے مجھے یہ بھی حکم دیا کہ مردوں اور عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے 'تو' کا لفظ استعمال کرنا۔ 'تم' یا 'آپ' جو جمع کے صیغے ہیں ان کا استعمال ناجائز ہے کیونکہ ان سے تکبر کی بو آتی ہے۔ اس طرح لوگوں کو صبح بخیر اور شب بخیر کہہ کر سلام کرنا ناجائز ہے۔ لوگوں کے سامنے تعظیماً جھکنے سے بھی خدا نے منع کر دیا۔ میری اس غیر معمولی روش سے عیسائیوں کے تمام فرقے مجھ سے برافروختہ ہوگئے۔ پادری، مجسٹریٹ، پروفیسر سب کے سب بے انتہا برہم ہوئے۔ واحد مخاطب کے لئے ''تو'' کا استعمال انجیل کے عین مطابق تھا اور صرف و نحو کے لحاظ سے بھی درست تھا لیکن ان لوگوں کا غرور اس کو توہین محسوس کرتا تھا۔ جب میں سلام کو ٹوپی نہیں اتارتا تھا تو وہ بہت بھڑکتے تھے۔ ہمارے گرد و پیش غضب و نفرت کی آگ بھڑکنے لگی۔ ٹوپی نہ اتارنے سے ہمیں زد و کوب بھی کیا گیا اور ہم قید بھی کئے گئے۔ بعض اوقات لوگ ہماری ٹوپیاں اتار کر کہیں پھینک دیتے تھے اور وہ گم ہو جاتی تھیں۔ حامیان و مدعیان دین کی بد سلوکی یہاں تک پہنچی کہ ہمیں جان کے لالے پڑ گئے۔ ہماری روش میں کوئی جرم نہ تھا اور نہ کسی گناہ کا ارتکاب۔ مگر ہمارے خلاف عالموں اور پادریوں نے ایک ہنگامہ بپا کر دیا لیکن خدا کا شکر ہے کہ

http://www.Mypdfsite.com

انجام کار لوگوں کو اس کا احساس ہونے لگا کہ یہ ٹوپیاں اتارنا اور تعظیماً جھکنا اور دوسروں کو آپ آپ کہنا محض نخوت و نمود کا تقاضا ہے اور ہم لوگ جو اس کے خلاف احتجاج کرتے ہیں وہ حق پر ہیں۔"

ٹومس الوڈ ابتدائی دور کا ایک کویکر ہے۔ وہ کچھ عرصہ تک ملٹن کا سکرٹری بھی تھا۔ اپنے خود نوشتہ سوانح میں وہ بیان کرتا ہے کہ فوکس کی مقرر کردہ صداقت کی روش پر چلنے سے اس کو کیا کیا مصیبتیں پیش آئیں۔ اس کے بیان کردہ واقعات کا مفصل حوالہ بہت طویل ہو جائیگا اس لئے میں آپ کے سامنے فقط اس حصے کو پیش کرتا ہوں جس سے اس کی روحانی حس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

"خدا کے عطا کردہ نور ہدایت نے مجھ پر یہ واضح کر دیا کہ اگرچہ میں صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کا مرتکب نہیں ہوں اور اخلاقی گندگی سے میرا دامن آلودہ نہیں مگر خدا کے فضل اور اچھی تعلیم و تربیت کی بدولت میں اکثر چھوٹے بڑے گناہوں سے محفوظ رہا۔ لیکن بعض اعمال غیر صالح میری زندگی میں موجود تھے جنہیں گناہوں میں غرق دنیا دار شر نہیں سمجھتا لیکن حضرت مسیح کے نور نے ان کی ظلمت کو مجھ پر آشکار کر دیا اس لئے ان سے بچنا بھی میرے لئے لازم ہو گیا۔ مثلاً لباس میں خود نمائی کی بیہودہ کوشش بھی مجھے گناہ معلوم ہونے لگی حالانکہ اس سے قبل میں اس سے بہت لطف حاصل کرتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ جب تک اس خود نمائی کو ترک نہ کرونگا میرے اندر خلوص پیدا نہ ہوگا اور میں خدا کی جانب سے زیر عتاب رہونگا۔ اس کے بعد میں

http://www.Mypdfsite.com

نے اپنے لباس میں سے آرائش و زیبائش کے اضافے خارج کر دئے ، فالتو بٹن اور فیتے وغیرہ نکال دئے اور انگوٹھیاں پہننا چھوڑ دیں ۔ اسی طرح لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے جھوٹے القاب ترک کر دئے جو کسی حقیقی رابطے کو ظاہر نہ کرتے تھے ۔ اس قسم کی عبارت آرائی کی مجھے بد عادت تھی اور میں اس میں بڑی مہارت رکھتا تھا ۔ خدا نے مجھے یہ عادت چھڑوا دی ۔ اب میں تحریر یا تقریر میں لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے حضور ، جناب ، آقائے من ، بیگم صاحبہ وغیرہ استعمال نہیں کرتا تھا اور نہ میں کسی کو خط میں آخیر میں آپکا خادم کہکر اپنا نام لکھتا تھا جسکا خادم میں حقیقت میں نہ تھا ۔ اسکے علاوہ میں نے لوگوں کے سامنے جھکنا بھی بند کر دیا کیونکہ میں نے محسوس کیا کہ اس قسم کی تعظیم محض ریا کاری اور جھوٹ ہوتی ہے ۔ جھکنا صرف خدا کے سامنے چاہئے ، تعظیم کا جو اظہار انسان خدا کے سامنے کرتا ہے ویسا اظہار انسان کو انسان کے سامنے نہیں کرنا چاہئے ۔ چنانچہ اس لغو حرکت کو بھی میں نے ترک کر دیا ۔ ایک آدمی کو مخاطب کرتے ہوئے تو کے بجائے تم اور آپ کا استعمال بھی غلط تھا ، خدا انسان کو مخاطب کرے یا انسان خدا کو ۔ ایک شخص کیلئے واحد کا صیغہ اور ایک سے زیادہ کیلئے جمع کا صیغہ انجیل میں بھی استعمال ہوتا ہے اور گرامر کے لحاظ سے بھی صحیح ہے لیکن بد فطرت لوگوں نے خوشامد میں شخص واحد کیلئے جمع کا صیغہ برتنا شروع کر دیا ۔ اس حرکت سے زبان بھی غلط ہو گئی اور لوگوں کے اخلاق بھی بگڑ گئے ۔ جب مجھے خدا نے ہدایت دی تو اس معاملے میں میں راہ راست پر آ گیا ۔ یہ تمام حرکتیں اور بہت سی قبیح عادتیں

http://www.Mypdfsite.com

اور رسمیں جو گمراھی سے پیدا ھوئی تھیں ان سب سے میں نے چھٹگارا حاصل کر لیا۔"

یہ ابتدائی کویکر صحیح معنوں میں پیوریٹن یا متقی لوگ تھے، قول اور فعل یا عقیدہ و عمل کے درمیان ذرا سا تفاوت اور تناقض بھی انکی طبیعت میں خلجان پیدا کرتا تھا اور وہ عملاً اسکے خلاف احتجاج کرتے تھے۔ جون وولمین اپنے روز نامچے میں لکھتا ھے:

"میں اپنے سفروں کے دوران میں کئی ایسی جگھوں پر پہنچا ھوں جہاں کپڑوں کے رنگنے کا بہت رواج تھا۔ اس رنگریزی کو دیکھکر میرے دلمیں یہ خیال پیدا ھوا کہ لوگ اگر کپڑوں کو رنگنا چھوڑ دیں تو انکے ظاھر اور باطن دونو میں طہارت اور صفائی پیدا ھو جائے۔ کپڑے یا تو اسلئے رنگے جاتے ھیں کہ نظر کو خوشنما معلوم ھوں اور یا رنگنے کی غرض یہ ھوتی ھے کہ رنگ کیوجہ سے کپڑے کا میلا پن چھپا رھے۔ میل کو چھپانے کی خواھش پاکیزگی کے منافی ھے۔ جو شخص اپنے کپڑوں کی میل کو رنگ کے دھوکے میں چھپاتا ھے وہ اپنی روح کی غلاظت کو بھی چھپانے کی کوشش کریگا۔ طہارت حقیقی ھونی چاھئے، اس میں کسی قسم کے دھوکے کو دخل دینا گناہ ھے جو اس بات کا ثبوت ھے کہ ایسا کرنے والا انسان خلوص سے عاری ھے۔ بعض رنگ کپڑے کو خراب بھی کر دیتے ھیں اور رنگا ھوا کپڑا بعض رنگوں کی خرابی کیوجہ سے کمزور ھو جاتا ھے۔ رنگ کی قیمت، رنگنے کی اجرت، کپڑے کا نقصان سب کا حساب لگایا جائے تو اچھی خاصی رقم بنتی ھے۔ اسی رقم کو آدمی صاف اور سادہ کپڑے پہننے میں کیوں نہ صرف کرے۔ اسی ضمن میں میں نے سوچا کہ گرمی کے

http://www.Mypdfsite.com

موسم میں انسان جو کپڑے پہنتے ھیں ان میں سے اکثر غیر ضروری ھوتے ھیں۔ لوگ محض نمائش کی خاطر روپیہ ضائع کرتے ھیں۔ گرمی میں تو ایک آدھ ھلکا پھلکا لباس کافی ھو سکتا ھے ، فالتو کپڑے پہننا ایک احمقانہ فعل ھے۔ میں نے سوچا کہ لباس کے معاملے میں اگر عقل سے کام لوں تو میرا لباس میرے احباب سے اسقدر مختلف ھو جائیگا کہ وہ اس پر ھنسیں گے یا مجھے حقیر سمجھیں گے ، اسلئے محض اخلاقی جرات کی کمی کیوجہ سے میں کوئی نو مہینوں تک اس پر عمل نہ کرسکا۔ میں نے خیال کیا کہ ٹوپی کوئی ایسی پہنوں جسکی کھال خود رنگ یعنی اپنے قدرتی رنگ کی ھو اور اس پر کوئی رنگ نہ چڑھایا گیا ھو لیکن پھر احباب کے طعن کے خوف نے مجھے اس پر عمل نہ کرنے دیا۔ یہ اندرونی کشاکش اسوقت ختم ھوئی جب اپنی جماعت کے دعائی جلسے میں میں نے خدا سے ھمت کی التجا کی۔ خدا نے میری دعا قبول کی اور مجھ میں یہ جرات پیدا ھو گئی کہ میں بلا خوف بن رنگی ٹوپی پہنوں۔ جلسوں کے اندر یہ ٹوپی پہننا میرے لئے ایک عجیب ابتلا اور امتحان کا باعث ھوا کیونکہ میں نے دیکھا کہ بعض فیشن پرست لوگ بھی محض فیشن کی خاطر سفید ٹوپیاں پہننے لگے تھے۔ میرے اس انوکھے پن کو بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ دوسروں سے الگ روش اختیار کرنا میرے ذوق نمود کا ثبوت ھے۔ جو احباب مخلصانہ طور پر مجھسے پوچھتے تھے میں انہیں مختصراً یہی جواب دیتا تھا کہ یہ روش میں نے اپنی مرضی سے اختیار نہیں کی۔"

اخلاق تناقض سے بریت کی یہ خواھش اور پاکیزگی کی یہ کوشش اس حد تک پہنچ جاتی ھے کہ ایک شخص کیلئے دنیا سے

http://www.Mypdfsite.com

عام روابط قائم رکھنا دشوار ہو جاتا ہے وہ قدم قدم پر عام رسم و رواج سے ٹکراتا ہے اور اپنی زندگی کی وحدت اور ہم آہنگی کو محفوظ رکھنے اور اپنی روح کو آلائشوں سے بچانے کیلئے وہ دنیا سے گریز کا راستہ اختیار کرتا ہے ۔ ایک فنکار اس قانون پر عمل کرتا ہے کہ جو چیز اسکی تصویر یا اسکی موسیقی میں خلل انداز ہو ہم آہنگی کی خاطر اسکو ساقط کر دے۔ روحانی زندگی میں بھی اسی قانون پر عمل ہوتا ہے ۔ اسٹیون سن جو ایک فنکار ادیب ہے کہتا ہے کہ ''اچھے ادب کا سب سے بڑا گر غیر ضروری اجزا کو ساقط کرنا ہے ۔ حسن کے معاملے میں اگر مجھے یہ ہنر حاصل ہو جائے تو پھر کسی اور قاعدے کی ضرورت نہیں'' ۔ عام زندگی میں بھی ہم آہنگی اور توازن اسی اصول کے ماتحت پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک خاص قسم کی سیرت کو پیدا کرنے میں جو حالات اسباب اور عوامل مخل ہوں انکو بے دریغ بر طرف کر دیا جائے تا کہ نہ اس میں بد نظمی رہے نہ ڈھیلا پن اور نہ کوئی فالتو اور مبہم بات اس میں نظر آئے ۔ خانقاہوں میں لوگ اسی لئے چلے جاتے ہیں کہ وہاں زندگی میں ایک لگا بندھا ربط اور نظم ہوتا ہے ، وہاں اوامر و نواہی مقرر ہوتے ہیں ، قدم قدم پر وہ کشاکش نہیں ہوتی جو دنیا دار کو پیش آتی ہے ، اس لئے روح کے اندر سکون اور پاکیزگی پیدا ہو جاتی ہے ۔

تزکیہ باطن کی ایسی جد و جہد ایک غیر معقول انتہا تک بھی پہنچ سکتی ہے ۔ زہد و تقوے میں یہی کیفیت پیدا ہوتی ہے جسکی طرف اب ہم متوجہ ہوتے ہیں ۔ نفسیاتی لحاظ سے اس کی مختلف سطحیں ہیں ۔

http://www.Mypdfsite.com

۱ - زھد تن آسانی کے خلاف جسمانی سخت کوشی کا نام ھو سکتا ھے -

۲ - گوشت خوری اور شراب نوشی میں اعتدال یا پرھیز ، لباس میں سادگی ، حفظ عصمت ، جسمانی شھوات سے گریز ذوق تزکیہ کے اثمار کی حیثیت سے رونما ھوتے ھیں -

۳ - محبت بھی ایسے ایثار کا تقاضا کرسکتی ھے - اپنے معبود کی محبت سے بھی یہ نتائج پیدا ھو سکتے ھیں -

۴ - زاھدانہ نفس کشی انسانی نفس کے متعلق یاس انگیز زاویہ نگاہ سے بھی پیدا ھو سکتی ھے اگر انسان کا عقیدہ اسکا متقاضی ھو کہ نفس کی قربانی کے بغیر نجات حاصل نہیں ھو سکتی - ریاضت کوش انسان یہ محسوس کرتا ھے کہ وہ فدیہ ادا کر کے نجات خرید رھا ھے ، یا اس دنیا میں مصیبت جھیل کر آخرت کے شدید تر عذاب سے چھٹکارا حاصل کر رھا ھے -

۵ - نفس کشی اس سے بھی پیدا ھو سکتی ھے کہ ایک شخص نفسیاتی امراض میں مبتلا ھو گیا ھے اور یہ نامعقول خیال اسکی طبیعت میں گڑ گیا ھے کہ جب تک اپنے اوپر خاص سختی روا نہ رکھے تب تک اسکو سکون حاصل نہ ھو گا -

۶ - ایک شخص کی جسمانی حس کی تخریب سے بھی یہ صورت پیدا ھو سکتی ھے کہ اسکو جسمانی آزار سے ایک قسم کی لذت محسوس ھو -

اب میں ھر قسم کے متعلق کچھ مثالیں پیش کرونگا مگر اس امر کو مد نظر رکھنا چاھئے کہ مرتاضیت یا نفس کشی کی اکثر مثالوں میں کئی عوامل یکجا پائے جاتے ھیں - ایسی خالص مثال

http://www.Mypdfsite.com

ملنا آسان نہیں جسمیں سبب یا محرک ایک ہی قسم کا ہو - لیکن مثالیں پیش کرنے سے پہلے میں کچھ عام نفسیاتی امور بغرض غور بیان کرونگا جنکا اطلاق تمام اقسام پر ہوگا -

گذشتہ صدی میں مغربی دنیا کے اندر اخلاقی زاویہ نگاہ میں ایک عجیب تبدیلی نظر آتی ہے - جسمانی آزار کے متعلق ہم میں وہ بے پرواہی نہیں پائی جاتی جو اس سے پیشتر عام تھی - اب ہم یہ توقع نہیں رکھتے کہ انسان کے لئے تکلیفیں سہنا کوئی لازمی چیز ہے یا دوسروں کو تکلیف پہنچانا بھی کوئی ضروری بات ہے - درد و کرب کی جو داستانیں ہم پڑھتے یا سنتے ہیں ان سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ہمیں اخلاقاً بھی کرب و آزار مکروہ چیز نظر آتی ہے - ہمارے آبا و اجداد تمام قسم کی تکلیفوں کو زندگی کا ایک لازمی جزو سمجھتے تھے ، خود شدید تکلیفیں اٹھانا یا کسی وجہ سے دوسروں کو ان میں مبتلا کرنا انکے لئے زندگی کا ایک ناگزیر قانون تھا لیکن ہمیں انکی اس بے حسی سے بہت تعجب ہوتا ہے - اس انقلاب حس کا یہ نتیجہ ہے کہ اس کلیسا کے اندر بھی جہاں رہبانیت ایک مسلمہ روحانی کمال خیال کیا جاتا تھا اب نفس کشی اور جسم آزاری کی طرف پہلی سی رغبت نظر نہیں آتی - اب جو صاحب ایمان شخص اپنے ایمان اور عقیدے کی بدولت جسم کو طرح طرح کے آزار پہنچاتا ہے اسکی اس روش پر ہمیں حیرت ہوتی ہے یا خوف پیدا ہوتا ہے لیکن ہم اسے کوئی قابل رشک یا قابل تقلید مثال نہیں سمجھتے - اکثر کیتھولک مصنف کسی قدر افسوس کیساتھ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ زمانے کی نفسیات بدل گئی ہے اور اب اس پرانی قسم کی بہادرانہ بدن آزاری

http://www.Mypdfsite.com

کیطرف واپس جانا دشوار ہو گیا ہے اور اگر اب پھر وہی تلقین کیجائے تو اسکو غلو سمجھ کر لوگ اس پر کار بند نہ ہونگے۔

بادی النظر میں یہ ایک فطری بات معلوم ہوتی ہے کہ انسان سہولت اور مسرت کا طالب ہو اور سخت کوشی و آزار کی خواہش ایک انوکھی اور غیر فطری چیز دکھائی دیتی ہے۔ لیکن انسانی زندگی کو ذرا غور سے دیکھو تو یہ امر بھی فطری ہی ہے کہ کسی قدر اعتدال کے ساتھ انسان سخت کوشی کو بھی بالارادہ اختیار کرتا ہے۔ اس کے نفسیاتی وجوہ سرسری غور سے بھی واضح ہو سکتے ہیں۔ مشیت یا ارادہ کی ماہیت کو سمجھنے کے لئے مجرد تصورات سے قطع نظر کرکے اگر ارادی عمل کا تجزیہ کریں تو ہمیں دکھائی دیتا ہے کہ ارادہ مختلف قسم کے عناصر پر مشتمل ہوتا ہے، وہ کوئی بسیط اور سادہ حقیقت نہیں۔ اس کے اندر کچھ تحریک ہے، کچھ رکاوٹ۔ اس میں ایک فرد کی عادت کا بھی اثر ہے، وہ فکری تنقید سے بھی خالی نہیں اور عمل میں آنے کے بعد وہ کبھی خوشگوار معلوم ہوتا ہے اور کبھی ناگوار۔ کسی حسی تجربے میں جو براہ راست لذت محسوس ہو سکتی ہے ہمارا اخلاقی زاویہ نگاہ اس کی کیفیت کو بدل کر اس کو تسکین آور بھی بنا سکتا ہے اور ناگوار بھی۔ بعض لاابالی اور خوش باش لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے لئے زندگی سراپا سود و سرور ہی ہوتی ہے۔ ان کے ہاں کسی خواہش کو رد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خیر و شر یا رد و قبول کی کشاکش ان کی زندگی میں دکھائی نہیں دیتی۔ لیکن عام انسانوں کی یہ کیفیت

http://www.Mypdfsite.com

نہیں۔ اس قسم کی انفعالی لذت پرستی سے زندگی پھیکی اور ڈھیلی محسوس ہوتی ہے اور معمولی صالح طبائع بھی اسے گوارا نہیں کرتیں۔ انسان کسی قدر جفا طلبی بھی چاہتا ہے، موانع اور خطرات کا مقابلہ کرنا، جد و جہد سے مزاحمتوں پر غالب آنا، حرص و ہوس کے تقاضوں سے روگردانی کرنا، سیرت کی ساخت اور اس کی استواری کے لئے لازم معلوم ہوتا ہے۔ اس معاملے میں انسانی طبائع کے کئی مدارج ہیں۔ زندگی کا یہی تقاضا ہے کہ انسان بعض خواہشوں کو رد کرے اور بعض کو قبول کرے۔ اس رد و قبول میں ہر انسان کو خود ایک توازن پیدا کرنا پڑتا ہے۔ جب کوئی انسان فطری تقاضوں میں توازن و اعتدال قائم کر لیتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ میرے لئے یہی صراط مستقیم ہے اور یہی جادۂ عمل میرے لئے مناسب اور درست ہے۔ زندگی کی جد و جہد میں اس کو سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس جہاد کے بغیر روح کی قوتیں سلب ہو جائینگی۔

جس طرح ہر عضوی وجود اور ہر مشین کے درست عمل کے لئے کچھ شرائط و اسباب ہیں اسی طرح ہر روح کے لئے بھی ایک خاص انداز حیات ہے جس پر کاربند ہونے سے اس کو صلاح و فلاح کا احساس ہوتا ہے۔ مختلف اجسام کے لئے مختلف غذائیں صحت بخش ہوتی ہیں۔ اچھی سے اچھی غذا بھی لازمی نہیں کہ ہر شخص کیلئے صحت بخش ہو۔ بعض اجسام کو دوسروں کے مقابلے میں ورزش کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، بعض کے لئے سکون دوڑ دھوپ کے مقابلے میں زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ ارواح کا بھی یہی حال ہے۔ بعض سکون پسند ہیں اور بعض

http://www.Mypdfsite.com

کو دباؤ اور تناؤ میں ھی راحت محسوس ھوتی ھے اور اگر مسلسل ظاھری اور باطنی کشاکش اور جد و جھد نہ ھو تو وہ بے چین رھتی ھیں، ھر وقت کوئی مشکل حل طلب مسئلہ سامنے ھونا چاھئے۔ ایسی طبیعتیں بے سعی و ایثار حاصل کردہ مفاد سے کوئی لطف نہیں اٹھا سکتیں۔ ایسے لوگ جب مذھبی زندگی اختیار کریں تو اپنے نفس کے ساتھ شدید جہاد جاری رکھتے ھیں اور نفس کے اکثر تقاضوں کے خلاف وہ شمشیر بکف رھتے ھیں۔ زھد اسی زاویہ نگاہ کا نتیجہ ھے۔

پروفیسر ٹنڈل نے اپنے خطبات میں کارلائل کے متعلق لکھا ھے کہ برلن کی برفانی سردی میں وہ ھر صبح نہایت ٹھنڈے یخ نما پانی میں نہاتا تھا۔ اسے بھی آپ ایک ادنیٰ درجے کی زاھدانہ ریاضت سمجھ لیجئے۔ کارلائل کے علاوہ اور بھی بہت لوگ ملینگے جو ذرا جی کڑا کرکے اسی طرح کی ھمت آزمائی کرتے ھوں۔ ایک شخص نے مجھے ایک خط میں لکھا کہ سردی کی راتوں میں جب میں نرم و گرم بستر میں خواب استراحت سے لطف اندوز ھوتا ھوں تو بعض اوقات یک بیک میرے دل میں یہ خیال گزرتا ھے کہ ایسی تن پروری ایک شرمناک فعل ھے۔ یہ خیال آتے ھی رات کی کوئی ساعت بھی ھو میں بستر میں سے کود کر باھر نکل آتا ھوں اور اپنے لئے شجاعت اور مردانگی کے ثبوت مہیا کرنے کے لئے میں کچھ لمحوں کے لئے سرد ھوا کے تھپڑے کھاتا ھوں۔ اس ادنے سے زاھدانہ جذبے کا محرک تن آسانی کے خلاف جہاد ھے۔ اب میں

http://www.Mypdfsite.com

اسٹار بک کے مسودے سے ایک پروٹسٹنٹ کی مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جس میں زہد شہوات جسمانی کے خلاف جہاد اور تزکیہ نفس کی کوشش ہے اور بدن آزاری اور نفس کشی نے ایک منظم روش اختیار کرلی ہے۔

یہ پروٹسٹنٹ مراسلہ نگار لکھتا ہے:—

''میں نے بھوکا رہنا شروع کیا اور جسم کو ہر طرح آزار پہنچانے کی مشق کی۔ میں نے کھردرے پٹ من کی قمیص بنوائی اور اس کو اس طرح پہنتا تھا کہ زیادہ چبھنے والا حصہ اندر کی طرف ہو اور جسم کو لگتا رہے۔ جوتے کے اندر کنکر رکھ دئے تاکہ چلتے ہوئے وہ پاؤں کو کاٹتے رہیں۔ بغیر کچھ اوڑھے چت فرش پر لیٹے ہوئے میں نے کئی راتیں گزار دیں۔''

کلیسائے روما نے اس قسم کی بدن آزاری کو منظم کرکے اس کا نام حصول ثواب رکھا ہے۔ لیکن اس قسم کی جسمانی طلب کرب ہر ایک دین میں بعض افراد کے طبائع میں خود بخود پیدا ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ جب چیننگ موحد عیسائی فرقے کا پادری بنا تو اس نے بھی جسمانی آسائشوں کے خلاف اسی قسم کا جہاد شروع کر دیا۔ اس کے سوانح حیات میں سے مفصلہ ذیل اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

''اب اس نے نہایت سادہ زندگی اختیار کرلی اور کسی قسم کی جسمانی خواہش کے پورا کرنے کا خیال ہی جاتا رہا۔ گھر میں اس کو اچھا، روشن اور کشادہ کمرہ مل سکتا تھا مگر اس نے عمداً ایک چھوٹا سا کمرہ اپنے لئے منتخب کر لیا اور اپنی خوابگاہ کے لئے چھت کا ایک تنگ و تاریک کمرہ لے لیا جس میں اس کا

http://www.Mypdfsite.com

چھوٹا بھائی بھی ساتھ سوتا تھا۔ اس میں سامان بس ایسا ھی تھا جیسا کسی راھب کی کوٹھڑی میں ھو۔ معمولی سی چارپائی جس پر ایک سخت گدا بچھا تھا سادہ سخت کرسیاں اور میز اور فرش پر ایک معمولی سی چٹائی حالانکہ تمام عمر سردی کے معاملے میں وہ زیادہ حساس رھا تھا لیکن اب اس کی کوٹھڑی میں آگ نہیں جلتی تھی۔ اب وہ سردی کی شکایت بھی نہیں کرتا تھا۔ اس کا بھائی کہتا ھے کہ ایک شدید سردی کی رات کے بعد صبح وہ مجھ سے کہنے لگا کہ اگر میرے بستر کو میرا ملک فرض کرلو تو میں اس میں بوناپارٹ کی طرح ھوں، جس حصے پر میں سوتا ھوں وہ تو کسی قدر جسم کی گرمی سے گرم ھو جاتا ھے لیکن ذرا ادھر آدھر پہلو بدلوں تو باقی جگہ شدید سرد ھوتی ھے۔ بیمار ھوتا تھا تو کسی قدر آرام دہ کمرے میں چلا جاتا تھا۔ لباس بھی اب وہ نہایت ادنیٰ قسم کا پہنتا تھا اگرچہ عورتوں کی طرح اس کی صفائی کا خیال رکھتا تھا۔"

چیننگ کا یہ زھد سخت کوشی اور ذوق تزکیہ کا ایک مرکب تھا۔ اسکے اندر جمہوریت یا مساوات حقوق کا بھی عنصر تھا جس کے متعلق ھم مذھب فقر کے تحت آئندہ کچھ بیان کریں گے۔ اس کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے انداز حیات یا زاویہ نگاہ میں یاس یا قنوط کا کوئی پہلو تھا۔ اب جو میں ایک اور مثال پیش کرنے والا ھوں اس کے اندر یہ عنصر موجود ھے۔ جون مینک میتھوڈ ازم کا پہلا غیر کلیسائی پادری تھا۔ سنہ ۱۷۳۵ء میں وہ کسی گناہ کا مرتکب ھوا۔ اس کے بعد تائب ھونے کی جو کیفیت ھے اس کو یوں بیان کیا گیا ھے:

"اس نے گانے کو بھی خیر باد کہا اور تاش بازی بھی چھوڑ

http://www.Mypdfsite.com

دی اور تھیٹروں میں جانا بھی ترک کردیا۔ کبھی اس کو یہ خواھش پیدا ھوتی تھی کہ کسی پاپائی خانقاہ میں داخل ھو کر خلوت و عبادت میں زندگی بسر کردے۔ کبھی سوچتا تھا کہ کسی غار میں جا رھوں ، گرے ھوئے ، پتوں کو بستر بنا کر ان پر سوؤں اور جنگل کے پھلوں پر گزارہ کروں ۔ وہ اکثر لمبے لمبے فاقے کرتا تھا اور دن میں نو مرتبہ دعا میں مصروف ھوتا تھا ۔ وہ یہ خیال کرتا تھا کہ مجھ جیسے گنہگار کیلئے سوکھی روٹی کھانا بھی جائز نہیں ، اس لئے فقط آلو ، کیکڑے اور گھاس پات پر گزارہ کرتا تھا ۔ اکثر اس کو یہ خواھش ھوتی تھی کہ جنگل کی جڑی بوٹیوں پر ھی اکتفا کرے ۔ آخر کار ۱۷۳۷ء میں اس کو یہ یقین ھو گیا کہ خدا نے اس کا گناہ معاف کر دیا ھے اس لئے اپنے آپ کو مزید سزا دینے کی ضرورت نہیں ۔ اس کے بعد وہ خوش و خرم اپنی معمولی زندگی پر واپس آ گیا ۔''

اس غریب میں ھم کو مریضانہ یاس انگیزی و خوف نظر آتا ھے ۔ ایسی قربانیاں وہ اپنے آپ کو گناہ سے پاک کرنے کے لئے کر رھا تھا تا کہ اس کو سلامتی و نجات حاصل ھو جائے ۔ عیسوی عقائد نے انسانی جسم اور فطری تقاضوں کے متعلق ایسی مایوسی طاری کر دی ھے کہ انسان جسمانی تقاضوں سے خائف ھو کر نفس کشی اور جسم آزاری پر راضی ھو جاتا ھے ۔ یہ کہنا درست نہ ھوگا کہ ھر حالت میں ایسے لوگ اپنے ذاتی مفاد ھی کی خاطر یہ تکلیفیں جھیلتے ھیں ۔ تائب ھو کر جسمانی تکالیف کو برداشت کرنا اکثر اوقات خود بخود پیدا شدہ تقاضا بھی معلوم ھوتا ھے ۔ محبت کی بدولت بھی انسان اس قسم کی تکلیفیں برداشت

http://www.Mypdfsite.com

کر سکتا ہے اور ہر آسائش کی قربانی کے لئے تیار ہو سکتا ہے تا کہ اسے خدا کی رضا حاصل ہو۔ ایسی حالت میں شدید متقشف طریق زندگی ایک بلند رجائی دینی احساس کی پیداوار بھی ہو سکتا ہے۔

ویانی فرانس کا ایک دیہاتی پادری تھا جس کی زندگی تقدس کی ایک مثال تھی۔ اس کے سوانح حیات میں سے مفصلہ ذیل اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کس طرح اپنے باطن میں ایثار کی شدید ضرورت محسوس کرتا تھا:

"وہ کہتا ہے کہ اس راستہ پر پہلا قدم ہی دشوار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب انسان اس راستہ پر چل نکلتا ہے تو جسم آزاری میں ایک خاص مزا اور راحت محسوس ہونے لگتی ہے۔ لذت درد سے آشنا ہونے کے بعد اس کے بغیر زندگی بسر کرنا مشکل معلوم ہونے لگتا ہے۔ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنا اس کا متقاضی ہے کہ انسان میں اپنی کوئی ذاتی خواہش باقی نہ رہے، سپردگی مکمل ہونی چاہئے۔ اگر یہ سپردگی نا تمام ہو تو جو ذاتی خواہش باقی رہ جاتی ہے وہ روحانی آزار کا باعث ہوتی ہے۔ اس خیال نے اس کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ کبھی کوئی پھول نہ سونگھے، شدید پیاس میں بھی پانی نہ پیئے، منہ پر مکھی بیٹھی ہو تو اس کو نہ ہلائے، قابل نفرت چیز سے بھی نفرت نہ برتے، ذاتی آسائش کے متعلق کوئی شکایت نہ کرے، آرام سے نہ بیٹھے اور گھٹنا ٹیکتے ہوئے کسی چیز کا سہارا نہ لے۔ شدید سردی لگتی ہو تو بھی اس سے بچاؤ کا کوئی انتظام نہ کرے۔ اس کی حالت پر رحم کھا کر ایک شدید موسم سرما

http://www.Mypdfsite.com

میں اس کے ایک مشنری نے یہ چالاکی کی کہ اس کی کوٹھڑی میں ایک ایسا فرش لگا دیا جو نیچے سے گرم کیا جا سکتا تھا۔ یہ درویش سرما بھر گرم رہا اور کہتا تھا کہ خدا کی مجھ پر بڑی عنایت رہی کہ اس سال تمام موسم سرما میں میرے پاؤں ہمیشہ گرم ہی رہے۔"

یہ شخص اپنے خیال میں محض خدا کی محبت میں یہ نفس کشی کرتا تھا۔ بعض مفکرین کا خیال ہے کہ ایثار کا جذبہ ہی اصل مذہبی جذبہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مذہبی جذبے میں یہ بات عام اور نمایاں معلوم ہوتی ہے۔ نیو انگلینڈ کے ایک پادری کوٹن ماتھر کا حال سنئے۔ یہ شخص اپنی علمیت کی مضحکہ خیز نمود کے لئے مشہور ہے لیکن دیکھئے کہ اپنی بیوی کے مرتے ہوئے اس میں ایثار کا جذبہ کس انداز میں ابھرا۔ وہ کہتا ہے: "جب میں نے دیکھا کہ خدا مجھے کہاں تک تسلیم و رضا کا طالب پاتا ہے تو میں نے خدا کی مدد سے اس کی عظمت کو قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ اپنی محبوب رفیقۂ حیات کے مرنے سے دو گھنٹے قبل میں نے اس کے بستر کے پاس گھٹنے ٹیک دئے اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور خدا سے کہا کہ اب اس کو تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اس سپردگی کے ثبوت میں میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور مصمم ارادہ کیا کہ اب خدا کو سپرد کر دینے کے بعد پھر اس کو نہیں چھوؤنگا۔ اس ارادے کے لئے بڑی ہمت درکار تھی اور شاید اس سے زیادہ ہمت و شجاعت کا کام میں نے کبھی نہیں کیا۔ میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ میں نے تمہارے ارادے پر مہر کر دی ہے اگرچہ اس عہد

http://www.Mypdfsite.com

سے پہلے وہ مسلسل مجھے اپنے کے قریب آنے کے لئے پکارتی تھی لیکن اس کے بعد اس نے مجھے طلب نہیں کیا اور وہ خاموش ہو گئی۔ ،،

ویانی کا زہد جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے روحانی جوش و خروش کے ایک سیلاب کی پیداوار معلوم ہوتا ہے جس میں ایک روح اپنی ہمت کا امتحان کر رہی ہے۔ کلیسائے روما نے اپنے لاجواب انداز میں نفس کشی اور جسم آزاری کے مختلف محرکات اور طریقوں کو باقاعدہ ہدایت ناموں میں منضبط کر دیا ہے۔ یہاں جو خیال زیادہ غالب ہے وہ ایک سلبی تصور ہے کہ گناہوں سے بچکر نفس میں کمال پیدا کیا جائے۔ اس عقیدے کے مطابق کہ گناہ شہوات جسمانی کی پیداوار ہے، مال و جاہ کی خواہش، تمام قسم کی جسمانی خواہشیں، اور غرور اسی سے پیدا ہوتے ہیں، گناہ کے ان تمام ماخذوں کو بند کرنا لازمی ہے جس کے لئے ایک ضبط و نظم کے ساتھ نفس کشی ایک ضروری طریقہ ہے۔ ایسے ہدایت ناموں میں ان طریقوں کے متعلق مفصل ہدایتیں ملتی ہیں۔ لیکن جب کسی طریق عمل کو مفصل طور پر منظم اور منضبط کر دیا جائے تو اس میں سے روح غائب ہو جاتی ہے۔ اس لئے جسمانی خواہشات کے خلاف جہاد کے اگر خالص رہبانی نمونے دیکھنے ہوں تو ہمیں بعض زہاد کے خود نوشتہ سوانح حیات دیکھنے چاہئیں۔ ایسے زاہدوں نے اپنے معبود کے سامنے عقل کو بالائے طاق رکھ کر اپنے تمام محسوسات اور آرزوؤں کو قربان کر دیا۔

سینٹ جون آف دی کروس ایک ہسپانوی عیسائی صوفی ہے جو سولھویں صدی میں گزرا ہے۔

http://www.Mypdfsite.com

اس کے ھاں طریقت کا نسخہ مفصلہ ذیل ھے:

"سب سے پہلے یہ ضروری ھے کہ عادتاً جذبۂ محبت کے ساتھ ھر بات میں مسیح کی نقل اور پیروی کی جائے۔ کوئی چیز خواہ کتنی ھی خوشگوار معلوم ھو اگر وہ خدا کی عظمت کے منافی نظر آئے تو مسیح کی محبت میں اس سے کنارہ کشی کی جائے کیونکہ مسیح نے تمام عمر اپنے آسمانی باپ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کیا اور نہ کوئی خواھش ھی خدا کی مرضی کے منافی اس کے دل میں پیدا ھوئی۔ وہ خدا کی مرضی ھی کو اپنی غذا سمجھتا تھا۔ مثلاً اگر تم ایسی باتیں سننا چاھتے ھو جن کا خدا کی عظمت سے کوئی تعلق نہیں تو ایسی باتیں سننا یک قلم ترک کر دو۔ اگر تم ایسی چیزیں دیکھنا چاھتے ھو جو نفس کو خدا کی طرف راغب نہیں کرتیں تو ایسی چیزوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لو۔ تمام حواس کے متعلق یہی طریقہ اختیار کرو۔

لطف، امید، خوف اور غم ان چاروں کی قربانی قطعاً لازمی ھے۔ ان چاروں کو ایسا کر دو کہ ان کا کوئی موضوع نہ رھے۔

آسانی کی طرف نہ جاؤ بلکہ مشکل پسندی اختیار کرو، بد ذائقہ چیز کو خوش ذائقہ چیز پر ترجیح دو، خوشگوار کو چھوڑ کر ناگوار کو اختیار کرو۔

تسکین مت ڈھونڈو۔ غم و اندوہ اختیار کرو۔ آرام نہ ڈھونڈو۔ مشقت کی تلاش کرو۔ خواھشوں کو بڑھاؤ نہیں، کم کرو۔

بلند اور قیمتی مقاصد کی بجائے ادنے اور قابل نفرت امور کی تمنا کرو، ھر قسم کے ارادے کی نفی کر دو۔

http://www.Mypdfsite.com

بہترین چیزوں کا نہیں بلکہ بد ترین چیزوں کا انتخاب کرنا چاہئے تا کہ مسیح کی محبت میں تم کامل ناداری کی حد تک پہنچ جاؤ اور کمال ترک سے تم کو کامل فقر حاصل ہو۔ ان ہدایات پر عمل کرنے سے تم کو ناقابل بیان مسرت اور اطمینان قلب حاصل ہو گا۔ اپنے آپ سے نفرت کرو اور یہ تمنا کرو کہ دوسرے بھی تم سے نفرت کریں۔ بات اس طرح کرو کہ وہ تمہارے خلاف پڑتی ہو اور یہ خواہش کرو کہ دوسرے بھی تمہارے خلاف ہی باتیں کریں۔ اپنے متعلق نہایت خراب رائے قائم کرو اور یہ چاہو کہ دوسرے بھی تمہیں ذلیل ہی سمجھیں۔ کسی خاص چیز کے مزے کو دوسری چیزوں کے مزوں پر ترجیح نہ دو تا کہ سب مزے تمہارے لئے برابر ہو جائیں۔ سب کچھ جاننے کیلئے کامل نادانی کی کوشش کرو۔ سب چیزوں کے مالک بننے کیلئے کسی ایک چیز کی ملکیت کو پسند نہ کرو۔ سب کچھ ہو جانے کیلئے یہ ضروری ہے کہ تم خود صفر ہو جاؤ۔ جو چیزیں تمہیں ناگوار ہیں انکا تجربہ حاصل کرو تا کہ کوئی چیز تمہارے لئے گوارا یا ناگوار نہ رہے۔ جاہل رہنے کی کوشش کرو۔ اپنی ذات کی نفی کرنے کی کوشش کرو۔"

مذکورہ صدر ہدایات میں تناقض و تضاد کا ایک بھنور نظر آتا ہے۔ صوفیانہ بیانات میں ہر جگہ تضاد ہی سے کام لیا جاتا ہے اور تصوف کو یہی انداز بیان پسند ہے۔ اسکے بعد سینٹ جون خدا کے تصور سے گذر کر ہستیٔ کل کا فلسفیانہ تصور پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تم نے دل و دماغ

http://www.Mypdfsite.com

کو کسی ایک چیز پر اٹکا لیا تو پھر ہستیٔ کل کیطرف تمہارا راستہ بند ہو جائیگا۔ کل کیطرف جانے کیلئے ترک کل یا بے ہمہ ہونا لازمی ہے۔ تمنا کی نفی سے انسان کلیت کو حاصل کر لیتا ہے۔ اپنے آپ کو خالی کرو تو تم کلیت میں داخل ہو جاؤگے۔ اس قسم کی ناداری سے روح کو سکون اور طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ نفیٔ کل کے مقام پر پہنچکر تمہیں یہ بات حاصل ہو جائیگی کہ کوئی چیز تم پر مسلط نہ ہو سکیگی۔ آرزوئیں ہی تمام غموں کا سبب ہیں، انکے سوخت کر دینے سے نہ نیچے سے کسی چیز کا تصرف تم پر ہو سکیگا اور نہ اوپر سے کوئی چیز تم پر مسلط ہو سکیگی۔"

اب میں ایک ایسی مثال پیش کرتا ہوں جسمیں جسمانی آزار اور خواہشات کی نفی ایک مریضانہ صورت اختیار کر لیتی ہے۔ چودھویں صدی عیسوی کا مشہور المانی عیسائی صوفی اپنے خود نوشتہ سوانح میں اپنی کیفیت اسطرح بیان کرتا ہے کہ گویا وہ کسی دوسرے کا ذکر کر رہا ہے۔ اسکے بیان کا ایک اقتباس مفصلہ ذیل ہے:

"جوانی کے زمانے میں اسکے مزاج میں بڑی گرمی اور زندگی کا جوش تھا جسکی وجہ سے وہ اپنی حالت پر بہت افسوس کرتا تھا۔ جسمانی شہوات کو مغلوب کرنے کیلئے اسنے مختلف قسم کے طریقے اختیار کئے۔ وہ چبھنے والے بالوں کی قمیص پہنتا تھا اور ایسی زنجیروں میں اپنے آپ کو جکڑتا تھا کہ اسکے جسم سے خون جاری ہو جاتا تھا۔ اسنے ایک ایسی بنیان بنائی جسکے اندر چمڑے کے ٹکڑے سی دئے تھے۔ ان

http://www.Mypdfsite.com

ٹکڑوں میں ایک سو پچاس پیتل کی نوکیلی میخیں گڑی تھیں جو ہمیشہ اسکے جسم کو چبھتی رہتی تھیں۔ یہی بنیان پہنے ہوئے وہ رات کو سوتا تھا تا کہ اسکو آرام کی نیند نہ مل سکے۔ گرمی کے موسم میں جب وہ نہایت تھکا ماندہ ہوتا تھا مکھیاں اور مچھر وغیرہ اسکو کاٹتے تھے تو وہ سخت پیچ و تاب کھاتا تھا جسطرح کہ کسی کیڑے کو کوئی سویاں چبھوئے۔ اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا وہ چیونٹیوں کی ڈھیری پر لیٹا ہے اور ہزاروں چیونٹیاں اور کیڑے اسکو کاٹ رہے ہیں۔ ازمنۂ متوسط کے عیسائی صوفیوں کیلئے جوئیں بھی ولائت کی علامت تھیں۔ سینٹ فرانسس کے چمڑے کا کرتہ بھی جوؤں سے بھرپور رہتا تھا۔ وہ انکو کبھی ہٹانے کی کوشش نہیں کرتا تھا کیونکہ اس کے نزدیک جوئیں الٰہی ہوتی تھیں۔ کبھی کبھی وہ درد و کرب میں پکار کر کہتا تھا کہ الٰہی یہ کیسی موت ہے۔ جب کسی شخص کو قاتل قتل کرتے ہیں یا درندے اس کو پھاڑ کھاتے ہیں تو اس کی تکلیف چند لمحوں میں ختم ہو جاتی ہے مگر مجھے یہاں مسلسل ظالم کیڑے کاٹ رہے ہیں لیکن اس مرگ مسلسل میں بھی مجھ کو موت نہیں آتی۔ نہ وہ موسم سرما کی طویل راتوں میں اس شغل بدن آزاری کو چھوڑتا تھا اور نہ شدید گرمی میں اس کو ترک کرتا تھا۔ اپنے آپ کو آزار پہنچانے کی ترکیبیں سوچتا رہتا تھا، اپنے ہاتھوں کو چمڑے کی رسیوں سے کس کر باندھتا تھا اور پھر ان کو اپنے گلے کے ساتھ کس لیتا تھا۔ اگر اس کے حجرے میں آگ بھی لگ جاتی تو وہ اس جکڑ بند میں اپنے آپ کو بچا نہ

http://www.Mypdfsite.com

سکتا تھا ۔ اس نے چمڑے کے دستانے بنوائے اور ان میں بھی پیتل کی کیلیں جڑ دیں ۔ وہ رات کو یہی دستانے پہنکر سوتا تھا تا کہ نیند میں اگر جوؤں اور مچھروں کو ہٹانے کے لئے اس کے ہاتھ ، جسم یا منہ پر لگیں تو میخیں اس کے جسم میں چبھ جائیں ۔ ان میخوں کے دستانوں سے اس کا سینہ مجروح ہو جاتا تھا ۔ جب پہلے زخم بھرنے لگتے تھے تو وہ اپنے جسم پر نئے زخم پیدا کر لیتا تھا ۔ یہ ریاضتیں اس نے سولہ برس تک جاری رکھیں ۔ اس کے بعد جب اس کا خون ٹھنڈا ہو گیا اور جوش شہوات جاتا رہا تو اس نے رویا میں دیکھا کہ ایک فرشتہ خدا کی طرف سے اس کو یہ پیغام دے رہا ہے کہ اب تمہیں اس ریاضت اور جسم آزاری کی ضرورت نہیں ۔ یہ پیغام پا کر اس نے آزار بدن کے تمام سامان ایک ندی میں پھینک دئے ۔

" مسیح مصلوب کے درد و کرب کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے اس نے ایک صلیب بنوائی جس میں تیس سویاں اور میخیں گاڑ دیں ۔ وہ دن رات اس صلیب کو اپنی ننگی پیٹھ پر اٹھائے پھرتا تھا ۔ جب وہ بہت زیادہ زخمی ہونے لگا تو اس نے میخوں کی تیز نوکوں کو پتھر پر رگڑ کر ذرا کند کر دیا تا کہ جسم میں زیادہ نہ گھس سکیں لیکن بہت جلد اس کو بہت پشیمانی ہوئی کہ میں نے یہ بزدلی کیوں برتی ۔ اس لئے اس نے دوبارہ نوکوں کو تیز کر دیا جن سے ہڈیوں پر کا گوشت لہو لہان ہو جاتا تھا ۔ جب اس صلیب کو پیٹھ پر لادے وہ اٹھتا یا بیٹھتا تھا تو وہ خار پشت جانور کی طرح معلوم ہوتا تھا ۔ ذرا سا دھکا بھی اگر اس کو لگ جائے تو میخیں اس کے جسم میں گڑ جاتی تھیں ۔

http://www.Mypdfsite.com

اس کے علاوہ وہ اپنے آپ کو زور شور سے درے بھی مارتا تھا ۔ رات کو ایک ٹوٹے پھوٹے دروازوں کے پٹ پر ننگا سوتا تھا ۔ اس دروازے کی میخیں بھی اس کو چبھتی تھیں اور اس کے ہاتھ بھی جکڑے رہتے تھے ۔ ایسی حالت میں وہ خدا کو پکارتا اور آہ و فغاں کرتا رہتا تھا ۔ موسم سرما میں سردی سے اس کا برا حال ہوتا تھا ، اس کی ننگی ٹانگیں جم جاتی تھیں ، اس کے پاؤں میں زخم تھے ، ٹانگیں سوجی ہوئی تھیں، گھٹنے مجروح تھے، پیٹھ بالوں کی قمیص سے چھلی ہوئی تھی ، اس کا منہ پیاس سے سوکھا رہتا تھا اور ہاتھ کمزوری سے کانپتے تھے ۔ یہ سب مصیبت وہ اس لئے جھیلتا تھا کہ مسیح کے درد و کرب کا نمونہ اپنے اندر پیدا کرے ۔ کچھ عرصہ بعد اس نے شکستہ دروازے کے کواڑ پر تو سونا چھوڑ دیا اور ایک تنگ و تاریک حجرے میں ایک چھوٹی سی بنچ پر لیٹنے لگا جس کی چوڑائی و لمبائی اس کے جسم کے لئے ناکافی تھی ۔ وہ اس پر پاؤں پھیلا کر سو نہ سکتا تھا اور نہ پہلو ہی بدل سکتا تھا ۔ آٹھ برس اس نے اس طرح گذارے ۔ پچیس برس تک اس نے کبھی یہ بھی نہیں کیا کہ خانقاہ میں رہتے ہوئے شدت کی سردی میں بھی وہ کسی گرم کمرے میں چلا جائے ۔ عمر کے اس طویل عرصہ میں اس نے کبھی غسل بھی نہیں کیا اور نہ بدن کا پسینہ ہی پوچھنے کی کوشش کی ۔ جسم کی صفائی جسم کی آسائش طلبی تھی جو اس کے نزدیک بڑا گناہ تھا ۔ جہاں جسم کو آزار پہنچانا اور زخمی کرنا کار ثواب ہو وہاں جسم کی آسائش یا طہارت ضرور ایک گناہ بن جائیگا ۔ فقر کی اس نے ایسی مشق کی تھی کہ وہ کسی سے نہ ایک پیسہ لیتا تھا نہ پیسہ کو ہاتھ لگاتا تھا ۔ اس کے نزدیک پاکیزگی کا کمال یہ تھا

http://www.Mypdfsite.com

کہ جسم کے کسی حصے کو کھجلانے کے لئے بھی ھاتھ نہ لگایا جائے فقط ھاتھوں اور پاؤں کو چھو لینا جائز سمجھتا تھا۔"

اس ناگوار داستان کو میں اور طول دینا نہیں چاھتا اس لئے اس حصے کو ساقط کر دیتا ھوں جس میں اس نے پیاس کی جانکاہ تکلیفیں بیان کی ھیں۔ شکر ھے کہ چالیس برس کی عمر میں خدا نے مسلسل رویا میں اس کو یقین دلا دیا کہ اس نے گناہ سے آلودہ انسانی فطرت کی کمر توڑ دی ھے اس لئے اب مزید نفس کشی اور بدن آزاری کی ضرورت نہیں۔ اس کی کیفیت ایک امراضی کیفیت ھی ھے لیکن اس بچارے کو وہ جھوٹی لذت بھی حاصل نہ ھوئی جو بعض زاھدوں کو جسم آزاری سے حاصل ھوتی ھے۔ مثلاً سیکرڈ ھارٹ (قلب مقدس) کے فرقے کی بانی کے متعلق بیان کیا گیا ھے: "درد کرب سے اس کو بے انتہا عشق تھا۔ وہ کہتی تھی کہ میں قیامت تک زندہ رھنے کے لئے تیار ھوں بشرطیکہ تکلیفوں کی غذا مجھے مسلسل ملتی رھے۔ آسائش کا ایک دن بھی اس کے لئے نا قابل برداشت تھا۔ وہ کہتی تھی کہ دو چیزوں کی محبت میری رگ و پے میں سرائت کی ھوئی ھے، ایک عشائے ربانی اور دوسری تکلیف و تذلیل۔ وہ اپنے کئی خطوں میں لکھتی ھے کہ فقط تکلیف کی وجہ سے میں زندگی کو قابل برداشت سمجھتی ھوں۔

زھد کے جذبے کے ان انتہائی مظاھر کو بیان کرنے کے بعد میں اب ان تین صفات کا ذکر کرتا ھوں جنہیں کلیسا نے حصول کمال کے لئے لازم قرار دیا ھے: (۱) عفت (۲) اطاعت (۳) فقر۔ ایک راھب کو حلف اٹھانا پڑتا ھے کہ میں ان تینوں کی پابندی

http://www.Mypdfsite.com

کرونگا۔ پہلے میں اطاعت اور فقر کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

(۱) اطاعت۔ بیسویں صدی کے آغاز میں سیکیولر یعنی غیر دینی زندگی اس صفت کو کوئی بلند مقام عطا نہیں کرتی۔ معاصرانہ پروٹسنٹ عقائد کے مطابق فرد و جماعت کے روابط کے متعلق یہ زاویہ نگاہ پایا جاتا ہے کہ ایک فرد کو اپنا لائحہ عمل خود متعین کرنا چاہئے اور اس کے اچھے یا برے نتائج کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ کسی دوسرے کی تقلید یا غیر مشروط اطاعت اب طبائع کا تقاضا نہیں رہا۔ اب ہمارے تصور میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی کہ ایک شخص اپنی باطنی زندگی میں اپنے ارادوں اور خواہشوں کو کلیتاً کس طرح کسی دوسرے انسان کے حوالے کر سکتا ہے۔ خود میرے لئے بھی یہ ایک معما ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ بہت لوگ ایسے ہیں کہ ان کے باطن کا یہی تقاضا ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی کو کسی دوسرے انسان کی مرضی میں ختم کر دیں جس کو وہ ہادی یا اسوۂ حسنہ سمجھتے ہیں۔

ہمیں اس جذبہ تقلید کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ایک ادنیٰ سطح پر اطاعت کا تقاضا نظام کلیسا کی استواری کے لئے لازم تھا اسی لئے اس کو کار ثواب سمجھنا لازمی تھا۔ اس کے علاوہ انسانی زندگی کا تجربہ اس کا بھی شاہد ہے کہ بعض حالات میں انسان اپنی رائے کے مقابلے میں دوسروں کے مشورہ اور ہدایت کو قابل ترجیح قرار دیتا ہے۔ تھکے ہوئے اعصاب میں قوت فیصلہ نہایت کمزور ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں انسان چاہتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص ہمارے لئے فیصلہ کر دے۔ یہ بھی

http://www.Mypdfsite.com

واقعہ ہے کہ مخلص احباب ہمارے مصائب پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے ہمارے مقابلے میں کوئی بہتر حل پیش کر سکتے ہیں۔ ایک مسئلے کے وہ پہلو بھی ان کے سامنے ہوتے ہیں جو ہماری نظر سے اوجھل رہتے ہیں۔ ایک مریض اپنے آپ کو طبیب کے حوالے کر دیتا ہے۔ بعض اوقات اپنے شریک کار کا مشورہ انسب ہوتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کبھی بیوی کی رائے بھی ہمارے مقابلے میں زیادہ قرین صواب ہو۔

روحانی زندگی میں بھی یہی ہوتا ہے کہ بلند تر قوتوں کے مقابلے میں انسان عجز و انکسار سے تسلیم و رضا اور سپردگی اختیار کرتا ہے۔ اس سپردگی میں سلامتی اور نجات کا احساس ہوتا ہے۔ انسان کے اپنے کندھوں پر سے ایک نا قابل برداشت بوجھ اتر جاتا ہے۔ اس مفاد کے علاوہ یہ جذبہ تسلیم ایک مقدس جذبہ محسوس ہوتا ہے۔ جس طرح ایک انسان اپنے آپ کو الٰہی عقل کل کے حوالے کرتا ہے اسی طرح اسے بعض انسانوں کے حوالے کرنے پر بھی تیار ہو جاتا ہے جنہیں وہ مصئون عن الخطا اور غلط اندیشی سے مبرا نہیں سمجھتا۔ مایوسی اور نفس کشی بھی انسان کو اس طرف لے آتی ہے کہ انسان اپنے تئیں صفر سمجھ لے۔ ایسی حالت میں اطاعت محض عملی مفاد کے بغیر بھی گوارا ہو جاتی ہے۔

کیتھولک مصنفین کے نزدیک اطاعت ایک قربانی ہے۔ انسان اس کی بدولت اپنے آپ کو مذبح رضائے الٰہی پر بھینٹ چڑھاتا ہے۔ اس میں قربانی بھی وہ خود ہی ہے اور قربانی پیش کرنے والا پروہت بھی وہ آپ ہی ہے۔ فقر میں وہ محض مادی ملکیت اور

http://www.Mypdfsite.com

ظاھری مقبوضات کو سوخت کر دیتا ھے لیکن اپنی عقل اور اپنے ارادے کی قربانی سب سے بڑھکر ھے ۔ غیر مشروط اطاعت میں یہی قیمتی چیزیں قربان کی جاتی ھیں ۔ اس کے بعد خدا کی عظمت کے لئے انسان کی قربانی پایہ تکمیل کو پہنچ جاتی ھے ۔ کیتھولک انضباط عمل میں ھادی و مرشد کو مسیح کا نمائندہ قرار دے کر اس کی اطاعت کی جاتی ھے ۔ یہ اطاعت کسی شخص کی نہیں ھوتی بلکہ مسیح کی ھوتی ھے ، اس لئے اس زاویہ نگاہ سے ھادی کی اطاعت آسان ھو جاتی ھے ۔ عیسوی دینیات کی کتابوں میں جو وجوہ پیش کئے جاتے ھیں وہ ھمیں ایک عجیب قسم کا مرکب دکھائی دیتے ھیں ۔ ایک مستند جیسوئٹ لکھتا ھے : ”زھد و فقر کی زندگی میں ایک بڑی تسکین یہ ھوتی ھے کہ اطاعت مرشد میں ھم سے کوئی قصور سر زد نہیں ھو سکتا ۔ اگر مرشد اپنی ھدایت میں غلطی پر ھے تو وہ خدا کے سامنے جواب دہ ھوگا ۔ آپ کی ذمہ داری اطاعت کے ساتھ ختم ھو جاتی ھے ۔ خدا تم سے فقط یہی پوچھیگا کہ تم نے مرشد کی اطاعت کی یا نہیں ، تمہارے عمل کے صواب و خطا کے متعلق تم سے سوال نہیں کیا جائیگا ۔ اطاعت مرشد کے ساتھ ھی تمہارا حساب بیباق ھو جاتا ھے ۔ اب جو پرسش ھوگی وہ مرشد سے ھوگی ۔“ سینٹ جیروم اطاعت کے فوائد بیان کرتے ھوئے جوش مسرت میں پکار اٹھتا ھے : ”کامل آزادی مقدس سلامتی جو اطاعت سے حاصل ھوتی ھے کیا ھی اطمینان بخش کیفیت ھے جس میں انسان ھر قسم کے الزام سے بری ھو جاتا ھے“ ۔ ایک اور سینٹ کہتا ھے کہ اطاعت خدا کے روبرو ایک معقول عذر ھے ۔ اس کی مثال

http://www.Mypdfsite.com

یوں سمجھ لیجئے کہ ایک شخص کشتی میں سوار ہے۔ کشتی بھی اچھی ہے۔ اور ملاح بھی ماہر ہے۔ مسافر اطمینان سے سو رہتا ہے کیونکہ کشتی رانی اور نگرانی ایک دوسرے کے سپرد ہے جس پر اس کو اعتبار ہے۔ اسی طرح اطاعت مرشد میں انسان گویا سوتے سوتے بے کھٹکے زندگی کا سفر طے کرتے جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ طوفانوں میں کشتی کو سنبھالنا اس کا ذمہ نہیں اور اس لئے اس کو خائف ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک ثقہ فقیہ دین کہتا ہے کہ میں اطاعت کے اندر زندگی تنکے چنتے ہوئے گزارنا بہ نسبت اس کے افضل سمجھتا ہوں کہ اپنی ذمہ داری سے فلاح و بہبود انسانی کے لئے بلند ترین کام کروں کیونکہ فقط اطاعت کی راستی یقینی ہے۔ اطاعت کے اندر میں خدا کا حکم بجا لا رہا ہوں لیکن اپنے ارادہ سے کئے ہوئے بلند کاموں کے متعلق بھی شک ہو سکتا ہے کہ وہ درست ہیں یا نہیں۔

اگناٹیوس لویولا بھی اپنے طریقے کے اندر اطاعت پر بہت زور دیتا ہے۔ اس کا ایک سوانح نگار اس کی ہدایات کو اس طرح بیان کرتا ہے: ”طریقت میں داخل ہوتے ہی یہ لازم ہے کہ میں اپنے آپ کو پوری طرح خدا کے سپرد کر دوں۔ خدا نے جس کو اقتدار دیا ہے اپنے آپ کو اس کے حوالے کرنا بھی خدا کے حوالے ہونا ہے۔ میری خواہش یہ ہونی چاہئے کہ مرشد مجھے اس پر مجبور کرے کہ میں اپنی قوت فیصلہ کو بالائے طاق رکھ دوں۔ کلیسا نے جو ہادی مقرر کئے ہوں ان سب کی اطاعت میرے لئے لازمی ہے، ان میں فرق و امتیاز کرنا

http://www.Mypdfsite.com

درست نہیں کیونکہ یہ سب کے سب خدا کے نمائندے ھیں۔ ان میں فرق کرنے سے روح اطاعت کمزور ھو جاتی ھے۔ مرشد کے سامنے مجھے موم کی طرح ھونا چاھئے، وہ جدھر چاھے مجھے موڑے۔ لکھنا، پڑھنا، بولنا، چپ رھنا، کوئی کام کرنا اور نہ کرنا سب اس کی مرضی پر منحصر ھونا چاھئے۔ مجھے مرشد کے ھاتھوں میں ایسا ھونا چاھئے جیسے مردہ بدست زندہ یا عصا بدست پیر یا ایک بے جان مادی چیز جس کو جہاں چاھیں اٹھا کر رکھ دیں۔ اس کی مرضی کا اس حرکت میں کوئی دخل نہیں۔ طریق خانقاھی میں مرید کی اپنی کوئی مرضی نہیں ھوتی۔ مرید کو یہ بھی نہیں کہنا چاھئے کہ فلاں کام میرے سپرد کر دیجئے یا مجھے فلاں جگہ بھیج دیجئے۔ مرید کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ کسی چیز کو اپنی ملکیت سمجھے۔ اسے اپنے تئیں بے جان بت سمجھنا چاھئے۔"

پاپائے روما کی اطاعت کی نسبت روڈ ریگے کہتا ھے کہ اگر پاپائے مقدس حکم دے کہ فلاں بندرگاہ پر جو کشتی ملے اس پر سوار ھو جاؤ تو اگر اتفاق سے اس کشتی میں نہ بادبان ھو نہ لنگر اور نہ کوئی ضرورت اور حفاظت کا سامان تو بھی بخوشی اس میں قدم رکھنا چاھئے اور یہ کھٹکا دل میں پیدا نہ ھونا چاھئے کہ یہ کشتی تو سمندر میں تھپیڑے کھاتی ھوئی جلد ڈوب جائیگی۔

اطاعت کی کافی مبالغہ آمیز مثالیں بیان ھو چکیں۔ اب ھم فقر کی طرف آتے ھیں جسے ھر زمانے میں ھر مذھب نے ولی کی زندگی کے لئے ایک لازمی اور اعلیٰ صفت قرار دیا ھے۔ انسان کے اندر

http://www.Mypdfsite.com

ملکیت کا جذبہ فطری اور جبلی ہے لیکن زاھدانہ زندگی اس جبلت کے منافی ہے۔ اس اٹل سی جبلت کے خلاف انسان کس طرح عمل کر سکتا ہے اسے ازروئے نفسیات سمجھنا دشوار نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اعلیٰ جذبات اور محرکات ادنیٰ خواھشوں کو سوخت کر دیتے ہیں اور ادنیٰ حرصیں اور ھوسیں ان کے سامنے معدوم ھو جاتی ہیں۔ اب میں دوبارہ روڈ ریگے کا ایک حوالہ پیش کرتا ھوں۔ وہ راھبوں کے لئے ھدایات مرتب کرتا ہے اور مسیح کے اس قول کو عملی جامہ پہنانا چاھتا ہے کہ مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنی روح میں مسکین ہیں۔

"اگر کوئی شخص اپنا امتحان کرنا چاھے کہ مجھ میں فقر یا مسکینی موجود ہے یا نہیں تو اسے دیکھنا چاھئے کہ فقیری سے جو نتائج سرزد ھوتے ہیں وہ ان کو بخوشی قبول کرتا ہے یا نہیں۔ بے نوا انسان کو بھوک اور پیاس، سردی اور گرمی، مشقت اور تکان اور اسی قسم کی دوسری تکلیفیں پہنچیگی۔ اسے سوچنا چاھئے کہ پیوند لگے ھوئے کپڑے اس کو گوارا ہیں یا نہیں، کھانے پینے کے متعلق وہ بے نیاز ہے یا نہیں۔ اگر اس کا حجرہ شکستہ ہے تو اس کو برا تو نہیں لگتا۔ اگر وہ یہ تمام تکلیفیں صرف برداشت ھی نہیں کرتا بلکہ ان کو خوشی سے قبول کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ درویشی میں کامل ھو گیا ہے۔ اگر اس کو ذرا سا بھی رنج محسوس ھوتا ہے تو ابھی وہ ناقص ہے۔ درویش کو چاھئے کہ کسی چیز کو بھی استعمال کرتے ھوئے اپنے آپ کو اس کا مالک نہ سمجھے۔ کپڑوں کی نسبت اس کو ایک بت کی طرح ھونا چاھئے جسے کوئی کپڑا پہنا دے تو

http://www.Mypdfsite.com

وہ خوش نہیں ہوتا اور اگر اس کے کپڑے اتار دو تو وہ ناراض نہیں ہوتا۔ کپڑے ہوں یا کتابیں یا اپنا حجرہ اور اس کا سامان سب کے متعلق انسان کو بے تعلق ہونا چاہئے۔ یہ سب کچھ درویش سے لے لیا جائے یا بدل دیا جائے تو اس کو کچھ محسوس نہ ہو۔ اگر طبیعت کو ذرا بھی برا لگے تو درویشی ناقص ہے۔ اسی لئے ہمارے مسلک کا بانی راہبوں کا امتحان کرتا تھا جس طرح خدا نے ابراہیم کا امتحان کیا کہ وہ اطاعت میں کامل ہے یا نہیں۔ جہاں ایک راہب کو ایک حجرے میں آسائش محسوس ہونے لگی مرشد اس کو وہاں سے نکال دیتا تھا کیونکہ اس کے نفس کو اس سے لگاؤ پیدا ہو گیا ہے اور یہ تعلق ایک روحانی خطرہ ہے۔ جہاں ذاتی ملکیت اور جسمانی آسائش ذرا بھی طبیعت میں جاگزیں ہوئی وہیں درویشی کے حصار کی دیواروں میں شگاف آ گیا۔ ایک راہب نے جو خانقاہ میں مریضوں کی دیکھ بھال کرتا تھا اپنے لئے نہیں بلکہ مریضوں کی دوا و غذا و علاج کی خاطر امام خانقاہ سے ایک چاقو طلب کیا تو اس کو جواب ملا کہ اچھا اب چاقو میں تمہارا دل اٹک گیا ہے۔ اب تم مسیح کی بجائے چاقو پر بھروسا کرنے لگے ہو، چونکہ تمہارا دل چاقو کو بہت چاہنے لگا ہے اس لئے وہ تمہیں نہیں ملیگا۔ اس کے بعد مرید نے پھر کبھی چاقو کو نہیں چھوا۔ راہب کے حجرے میں اشد ضروری سامان کے علاوہ کچھ نہ ہونا چاہئے، ایک بستر، ایک میز، ایک بنچ، ایک موم بتی ان کے علاوہ کچھ درکار نہیں۔ دری، پردے، تصویریں، کتابیں سب فضول اضافے اور آرائشیں ہیں۔ کھانے پینے کی کوئی چیز بھی حجرے میں نہ ہو

http://www.Mypdfsite.com

نہ اپنے لئے اور نہ کسی آنے والے کے لئے - پیاس لگے تو اجازت لے کر باہر جا کر پانی پی آئے - لکھنے پڑھنے کا سامان بھی بے کار ہے - فالتو سامان انسان کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے - اس سے خوش ہونا ، اس کی دیکھ بھال کرنا ، اس میں اضافے کی خواہش کرنا روح کے لئے مایہ آزار ہے - کسی دنیا دار کو بھی راہب کے حجرے میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہونی چاہئے - دنیا دار سے میل جول دنیا کی ہوسیں دل میں ابھارتا ہے اور درویش پر ان کا سایہ پڑ جاتا ہے جس سے اس کے فقر میں خلل آ جاتا ہے - ''

خواہ ہندو فقیر ہوں اور خواہ بدھ مت کے بھکشو یا مسلمان درویش سب کے سب جیسوئٹ اور فرانسکن راہبوں کی طرح فقر کے حامی ہیں اور اس کو روحانیت کا لازمہ قرار دیتے ہیں - دیکھنا چاہئے کہ یہ بے نوائی کا تقاضا جو غیر فطری معلوم ہوتا ہے درویشوں کو اس قدر کیوں ضروری معلوم ہوتا ہے - پہلے ہم عام سطح پر اس نفسیات کا جائزہ لیتے ہیں -

کوئی انسان کیا کچھ رکھتا ہے یا وہ خود کیا کچھ ہے یہ دو الگ الگ اور ایک دوسرے کے منافی معیار ہیں - قدیم زمانے میں جاگیر دار جو شرفا کہلاتے تھے ان کے نزدیک شریف یا جنٹلمین کا ایک تصور تھا - اگرچہ ان لوگوں کی زمینداریاں اور دولتیں لوٹ مار اور نا جائز استحصال ہی کا نتیجہ تھیں لیکن وہ اپنے مال اور سامان پر اتنا فخر نہ کرتے تھے جتنا کہ ان امتیازی صفات پر جو ان کے طبقے کے ساتھ مخصوص تھیں یا جن کی توقع ان سے کی جاتی تھیں مثلاً شجاعت ، فیاضی یا ذاتی اور خاندانی

http://www.Mypdfsite.com

افتخار جو ان کا پیدائشی حق شمار ہوتا تھا۔ ایسا شخص اپنے متعلق یقین رکھتا تھا اور خدا کا شکر ادا کرتا تھا کہ میں کوئی کمینہ حرکت نہیں کر سکتا اور اگر انقلاب روزگار سے مال و منال اور جائداد اس کے ہاتھ سے نکل جائے تو بھی بہادری اور ہمت سے اسباب سے آزاد ہو کر وہ ایک اعلیٰ زندگی بسر کر سکتا ہے۔ لیسنگ ایک اس قسم کے ہیرو کی زبان سے کہتا ہے کہ اے خدا! اے خدا! مال اسباب تو کچھ نہیں رہا لیکن شکر ہے کہ اپنی خودی اور خود داری موجود ہے۔ اونچے نسب کا بے نوا خود دار اور شریف انسان نائٹ ہڈ یا بطلیت کا نصب العین تھا۔ اگرچہ یہ نصب العین غلط صفات کی لغزش سے بہت کچھ بگڑ گیا ہے لیکن جذباتی طور پر عسکری اور امرائی زاویہ نگاہ میں اب تک موجود ہے۔ ایک سپاہی کو ہم اسی قسم کا مجاہد سمجھتے ہیں کہ اس کے پاس اپنی جان کے سوا اور کچھ نہیں لیکن کسی بلند مقصد کے حصول میں وہ اس کو بھی قربان کرنے پر تیار ہے۔ وہ اپنی بے نوائی میں حریت کا مجسمہ ہے۔ روزانہ مشقت سے حلال کی روزی کمانے والا مزدور جو مستقبل کے لئے کچھ جمع نہیں کر سکتا اس کو بھی دولت سے بے تعلق ہی سمجھنا چاہئے۔ مشقت سے نان شبینہ حاصل کرنا بھی ایک طرح سے نصب العینی زندگی ہی ہے۔ وہ ہاتھ کا سرہانا بنا کر زمین پر آرام سے سو جاتا ہے اور اپنے سادہ اور با ہمت زاویہ نگاہ سے جب وہ مال و اسباب میں پھنسے اور دھسے ہوئے امیر کی زندگی کو دیکھتا ہے تو اس پر رشک کرنے کی بجائے اس کو حرص و ہوس کے پھندے میں گرفتار سمجھتا ہے۔ اشیا

http://www.Mypdfsite.com

کی محبت اور مال و اسباب سے وابستگی انسان کی خودی کو کمزور کر دیتی ہیں۔ اس کی روح سامان کی رہین ہو جاتی ہے۔ روح کے پر و بازو میں جب حب مال کے پتھر آویزاں ہوں تو وہ عرش کی طرف پرواز نہیں کر سکتی۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی (اقبال)

وہائٹ فیلڈ لکھتا ہے کہ مجھے ہر شے سے یہ آواز آتی ہے کہ اٹھ اور مسیح کا پیغام لوگوں کو پہنچا۔ دنیا میں راہ خدا کا مسافر ہو کر زندگی بسر کر۔ تیرے پاس نہ کوئی سامان ہو نہ کوئی مکان۔ میرا دل اس کے جواب میں کہتا ہے کہ اے مسیح ! مجھے توفیق عطا کر کہ میں تیری مرضی کے مطابق زندگی بسر کروں۔ اگر تو دیکھے کہ میں اپنے کاشانے میں آسائش میں مست ہو رہا ہوں تو تو میرے گھونسلے میں کانٹے بچھا دے اور مجھے تن آسانی کا شکار ہونے سے بچا لے۔

دور حاضر میں مزدوروں کے اندر سرمایہ اور سرمایہ دار کے خلاف جو نفرت کے جذبات روز افزوں ترقی پذیر ہیں ان کا ایک باعث یہی ہے کہ سرمایہ داروں کی زندگیاں انہیں بلند صفات سے معرا نظر آتی ہیں۔ جن کے پاس بہت کچھ ہے وہ لوگ صفات محمودہ اور سیرت کے لحاظ سے خود کچھ نہیں۔ بہت کچھ رکھنے سے خود کچھ ہونا بدرجہا افضل ہے۔ ایک انارکسٹ نراجی شاعر کہتا ہے :

مال جمع کرنے سے نہیں بلکہ دے ڈالنے سے انسان کی سیرت میں جمال پیدا ہوتا ہے۔ جسم پر کپڑے غلاف در غلاف چڑھانے

http://www.Mypdfsite.com

رھنے سے نہیں بلکہ اتار دینے سے جسم تندرست رھتا ھے۔ ایک سپاھی محاذ جنگ پر جاتے ھوئے فالتو بوجھ اپنی پیٹھ پر نہیں لادتا، جو کچھ چھوڑ سکے اس کو الگ کر دیتا ھے۔ ھر فالتو چیز جنبش اعضا اور نقل و حرکت میں رکاوٹ پیدا کرتی ھے۔ سامان میں اضافہ زندگی کے کندھوں پر ایک غیر ضروری بوجھ ڈال دیتا ھے۔ ملکیت کے بوجھ میں دبی ھوئی زندگی اس زندگی کے مقابلے میں کم آزاد ھے جس کا معیار خوبیٔ عمل اور حسن سیرت ھے۔ اپنے عمل کو آزاد رکھنے کے لئے روحانی حس رکھنے والے مال و اسباب کی جکڑ بند سے رھائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ھیں۔ ذاتی اغراض و حوائج سے آزاد ھو کر ھی انسان کسی بلند نصب العین کی پیروی کر سکتا ھے۔ ھر روپیہ جسے انسان جمع کرکے اس کا محافظ بنتا ھے روح کو سست اور ڈرپوک بناتا ھے۔ ایک نو آموز مرید نے سینٹ فرانسس سے درخواست کی کہ مجھے مذھبی گانوں کی کتاب رکھنے کی اجازت دی جائے۔ سینٹ نے جواب دیا کہ اب یہ کتاب مانگتے ھو، اس کے بعد کہوگے کہ دعاؤں کی کتاب بھی دلوا دیجئے، پھر تم بڑی شان کے پادری بن کر بیٹھ جاؤگے اور کسی دوسرے راھب بھائی کو کہوگے کہ جاؤ ذرا میری کتاب اٹھا لاؤ۔ کتابوں اور معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ نیکی کے کاموں میں انہماک پیدا کرو۔ سینٹ فرانسس اس قسم کی درخواستوں کو رد کر دیتا تھا اور کہتا تھا کہ علم بس اتنا ھی درکار ھے جتنا کہ عمل میں آ سکے، ایک راھب کے اعمال ھی اصل واعظ ھیں، درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ھے۔

http://www.Mypdfsite.com

احتیاج اور اسباب کی کمی سے حسن عمل اور تعمیر سیرت میں جو مدد ملتی ہے اس کے علاوہ مذہبی انسان میں فقر کا ایک اور عمیق تر محرک بھی ہوتا ہے۔ اس کو تسلیم و رضا، توکل اور کامل سپردگی سے گہری تسکین حاصل ہوتی ہے۔ اپنے آپ کو پوری طرح خدا کے سپرد کر دینے کے بعد اشیاء و اسباب کی ہوس باقی نہیں رہ سکتی۔ جب تک کوئی شخص کسی دنیاوی سہارے کا طالب ہے اور مال و اسباب کو سلامتی کا ضامن سمجھتا ہے تب تک وہ تسلیم و رضا اور توکل میں ناقص ہے اور جان و مال کے نقصان سے خوف زدہ ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ ابھی خدا پر پوری طرح بھروسا نہیں رکھتا۔ ابھی تک ایسے انسان کی کشتی حیات میں دو لنگر ہیں، کچھ بھروسا خدا پر رکھتا ہے اور کچھ اپنے مال اور اپنی تدبیر پر۔ بعض نشوں میں گرفتار لوگوں کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہوتا ہے۔ ایک طرف تو وہ طبیب کی طرف رجوع کرتا ہے کہ جس طرح ہو سکے مجھے اس لعنت سے نجات دلوائیے اور دوسری طرف شراب یا افیون یا کوکین کو تلف نہیں کرتا بلکہ کہیں کپڑوں میں چھپائے ہوئے ہوتا ہے اور اس کا انتظام بھی رکھتا ہے۔ کہ ضرورت کے وقت چوری سے اس کو مہیا ہو سکے۔ ایسا شخص "ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں" کا مصداق ہوتا ہے ہر ضعیف ایمان والے انسان اور کمزور طالب اصلاح کا یہی حال ہے۔ وہ اپنی تدبیروں اور ترکیبوں سے کنارہ کش نہیں ہوتا۔ وہ زر و مال اپنے پاس اس طرح رکھتا ہے جس طرح بے خوابی سے خائف شخص خواب آور گولیاں پلنگ کے قریب

http://www.Mypdfsite.com

رکھتا ھے کہ اگر نیند خود بخود نہ آئی تو پھر ان سے مدد حاصل کروں گا۔ وہ کہتا ھے کہ میں خدا پر بھروسا رکھتا ھوں مگر اس کے دل میں یہ کھٹکا ھوتا ھے کہ ممکن ھے کہ اس اعتماد سے کچھ حاصل نہ ھو ، اگر یہ صورت پیش آئی تو پھر روپے سے کام نکل آئیگا۔ شرابی کی باتیں سنیں تو معلوم ھوتا ھے کہ وہ اپنے آپ کو سچے دل سے ملامت کر رھا ھے اور پکی طرح توبہ کر رھا ھے۔ ترک مے کا ارادہ مصمم معلوم ھوتا ھے لیکن قطعاً اور ھر حالت میں شراب سے کلیتاً گریز اس کے ارادوں کی تہ میں ناپید ھوتا ھے ، اس لئے ذرا سا بہانہ بھی اس کے لئے توبہ شکن ھو جاتا ھے۔ مصمم طور پر کسی عادت یا طریق زندگی کو ترک کرنا اور قلب کی گہرائیوں میں یقین واثق سے زندگی کا رخ پلٹنا کسی غیر معمولی نفسی انقلاب کی بدولت پیدا ھوتا ھے جس کی مثالیں ھم اس عنوان کے تحت پیش کر چکے ھیں۔ ایسی حالت میں زندگی کی کایا پوری طرح پلٹ جاتی ھے اور اس کے بعد وہ جس محور کے گرد گھومتی ھے اس میں یہ بات لازماً داخل ھوتی ھے کہ انسان سب سہاروں کو بالائے طاق رکھ کر ھر قسم کے سامان اور اسباب کو تیاگ دینے پر آمادہ اور دامن جھٹک کر دنیا کی ھر چیز سے الگ ھو جاتا ھے۔ اس طرح اختیار کردہ فقر کی مثالیں اولیا کے سوانح میں اکثر ملتی ھیں۔ تقاضا یہ ھوتا ھے کہ غیر مشروط طور پر خدا کی ربوبیت پر بھروسا کر کے اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دو ، کل کی فکر نہ کرو ، جو کچھ تمہارے پاس ھے وہ غریبوں کو دے ڈالو ، جب یہ قربانی انتہا کو پہنچیگی تو تم کو ایک بلند تر سطح پر سلامتی حاصل

http://www.Mypdfsite.com

ہوگی۔ انتوانت بورنیون کے سوانح حیات میں سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔ یہ بہت اچھی عورت تھی لیکن پروٹسٹنٹوں اور کیتھولیکوں دونوں سے اس کو اذیت پہنچی محض اس لئے کہ وہ اپنے باطنی تجربے پر یقین رکھتے ہوئے محض تقلیداً دوسروں کے عقائد کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ جب وہ اپنے باپ کے گھر میں کنواری لڑکی تھی اس وقت اس کی یہ کیفیت تھی کہ

"رات بھر دعاؤں میں بسر کر دیتی تھی اور خدا سے پوچھتی تھی کہ الٰہی تو مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ ایک رات بڑے خشوع و خضوع سے وہ پکارنے لگی اے خدا تیری رضا کے لئے میں کیا کروں۔ مجھے کوئی بتانے والا نہیں تو ہی میری روح کو مخاطب کر وہ سن کر اس پر عمل کریگی۔ اب فوراً اس نے باطن میں یہ آواز سنی اس انداز سے کہ گویا کوئی دوسرا اس سے کہ رہا ہے کہ تمام دنیاوی چیزوں کو ترک کر دے، مخلوقات کی محبت سے الگ ہو جا اور اپنی تمام تمناؤں کی نفی کر۔ وہ حیرت زدہ ہو گئی اور اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ اس کے کیا معنی ہیں اور ان تین چیزوں کو کس طرح ترک کرنا ہے۔ وہ سوچتی رہی کہ انسان اپنی ذات کی محبت، دوسروں کی محبت اور دنیاوی اشیا کی محبت کو کس طرح چھوڑ سکتا ہے۔ کچھ نہ سمجھنے پر بھی اس نے کہا کہ اے خدا تیرے فضل سے میں ایسا ہی کرونگی۔ لیکن جب اس وعدے کے ایفا کا وقت آیا تو وہ پھر سوچنے لگی کہ اس ترک کا کہاں سے آغاز کیا جائے۔ اس نے خانقاہوں کے متعلق سنا تھا کہ ان میں راہب

http://www.Mypdfsite.com

مرد اور عورتیں دنیا کے علائق سے کنارہ کش ہو کر رہتے ہیں جہاں وہ اپنی تمام خواہشوں کی نفی کرتے ہیں۔ اس نے باپ سے اجازت چاہی کہ میں برہنہ پا راہبوں کی خانقاہ میں داخل ہو جاؤں۔ باپ نے اجازت نہ دی اور کہا کہ میں اس کو ترجیح دونگا کہ تو قبر میں دفن ہو جائے بہ نسبت اس کے کہ خانقاہ میں زندہ درگور رہو۔ اس نے خیال کیا کہ باپ بہت سنگدلی برت رہا ہے۔ اس بیچاری کا خیال تھا کہ سچے عیسائی خانقاہوں ہی میں رہتے ہیں لیکن بعد میں اس کو معلوم ہو گیا کہ اس کا باپ خانقاہوں کی اصلیت سے زیادہ واقف تھا۔ باپ نے کہا کہ میں خانقاہ میں داخلے کے لئے تمہیں کوئی رقم نہ دونگا۔ وہ سوچنے لگی کہ خانقاہ میں داخلے کے لئے رقم کا کیا سوال ہے۔ وہ خانقاہ کے ناظم بڑے راہب کے پاس گئی اور خود داخلے کی درخواست کی اور کہا کہ میں خانقاہ میں خادمہ کی طرح ہر قسم کی خدمت انجام دونگی اور خدمت سے روٹی کما کر کھاؤنگی، سادہ روٹی کے علاوہ اور کچھ طلب نہ کرونگی۔ راہب ناظم نے مسکرا کہا کہ یہاں مفلس لڑکیوں کا داخلہ نہیں ہو سکتا، ہمیں تعمیر کے لئے رقم کی ضرورت ہے، بے زر لڑکیوں کو ہم داخل نہیں کر سکتے۔ جو روپیہ ساتھ نہ لائے اس کے لئے داخلہ بند ہے۔

اس کو اس قسم کے جواب سے بے حد تعجب ہوا کہ خانقاہوں میں ترک دنیا کے لئے بھی روپیہ چاہئے۔ اب وہ سب سے الگ ہو کر رہنے لگی اور اس بات کی منتظر رہی کہ خدا اس کو صحیح راستہ بتائے۔ وہ خدا سے پوچھتی تھی کہ میں

http://www.Mypdfsite.com

کب پوری طرح تیری ہو جاؤنگی۔ اسے محسوس ہوا کہ یہ جواب مل رہا ہے کہ جب تیرے پاس کچھ نہ رہیگا اور تیری تمام آرزوئیں فنا ہو جائینگی۔ پھر اس نے پوچھا کہ یہ مرگ پیش از مرگ کہاں وارد ہوگی، تو جواب ملا کہ دشت میں۔ اس کا اس کی روح پر گہرا اثر ہوا اور وہ اس پر آمادہ ہو گئی لیکن اٹھارہ سال کی دوشیزہ ہونے کی وجہ سے گھبراتی تھی کہ تنہا بیابان میں خدا جانے کیا آفتیں پیش آئیں۔ اس نے کبھی سفر بھی نہ کیا تھا اور اسے کوئی راستہ بھی معلوم نہ تھا۔ آخرکار اس نے تمام شکوک کو برطرف کر کے اپنے آپ کو خدا کے حوالے کیا اور کہا کہ ”تو ہی میرا رہنما بن اور بتا کہ میں کدھر جاؤں۔ اب میں لڑکیوں کا لباس اتار کر راہبوں کا لباس پہنتی ہوں تاکہ میں پہچانی نہ جاؤں۔ اس کا باپ اس کی شادی ایک امیر فرانسیسی تاجر سے کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ لڑکی اس کو ٹالتی رہی۔ ایسٹر کی ایک شام کو اس نے بال کٹوا دئے، راہبوں کا لباس پہنا، تھوڑا سا سو لیا اور رات کو چار بجے اٹھ کر روٹی کے لئے ایک آنہ جیب میں ڈال کر گھر سے جنگل کی راہ لی۔ نکلتے ہوئے اس کو آواز آئی کہ تیرا ایمان کہاں گیا؟ خدائے رازق کی بجائے ایک آنے پر بھروسا کر لیا ہے۔ اس نے خدا سے معافی چاہی اور آنے کو پھینک دیا۔ دنیا کی عمدہ چیزیں اور دنیا کے افکار کا بار کندھوں سے پھینک کر اس کو ایسی تسکین ہوئی کہ کسی چیز کی آرزو نہ رہی۔ فقط یہ کھٹکا باقی تھا کہ کوئی اسے ڈھونڈ کر اور پہچان کر واپس نہ لے جائے۔ اب وہ اس بے نوائی سے ایسی خوش تھی کہ کبھی

http://www.Mypdfsite.com

دنیا کی لذتوں سے ایسی راحت محسوس نہ کی تھی۔"

آپ نے دیکھا کہ ایک ادنیٰ سا سکہ بھی فقر میں خلل انداز ہو کر روحانی زندگی کا توازن بگاڑ سکتا ہے۔ تسلیم و رضا کے اس سر عظیم کے علاوہ فقر میں اور بھی روحانی اسرار ہیں۔ جس نے پہلے یہ کہا کہ میں دنیا میں برہنہ آیا، اس کے اندر یہی سر موجود تھا۔ اس کو سر صداقت کہ سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے تمام جھوٹی آرائش و زیبائش سے کنارہ کش ہو کر جہاد حیات میں شریک ہونا ہے، مال و اسباب میری نجات کا باعث نہیں بن سکتے۔ فقر کے اندر جمہوریت کا جوہر بھی موجود ہے کہ حسب و نسب اور دولت و افلاس سب عارضی اور بے بنیاد چیزیں ہیں، بنیادی طور پر خدا کے سامنے سب انسان برابر ہیں۔ مساوات کا یہ میلان اور جذبہ عیسائیوں کے مقابلے میں مسلمانوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس جذبے سے انسانوں کی زر طلبی کی کچھ نفی ہو جاتی ہے اور حصول دولت کی ہوس میں زیادہ شدت نہیں رہتی۔ جن انسانوں میں یہ جذبہ کار فرما ہوتا ہے وہ جاہ و مال اور جھوٹی عزت کو ٹھکرا دیتے ہیں اور خدا کے سامنے خاکساری کی سطح پر اتر کر خوش رہتے ہیں۔ اس کو محض عجز و انکسار کہنے کی بجائے جذبۂ انسانیت کہنا چاہئے اگرچہ عملاً وہ عجز و انکسار ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس انسانیت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ انسان ان لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے آمادہ نہ ہو جس میں دوسرے شریک نہ ہو سکیں۔

اسٹار بک نے ایک اور شخص کا بیان درج کیا ہے کہ اس

http://www.Mypdfsite.com

نے ایک مذھبی اجلاس میں ایک مزدور کو کہا کہ تمہارے پاس جو چار سو ڈالر ھیں وہ خدا کی راہ میں خیرات کر دینے کو تیار ھو - اس نے جواب دیا کہ ھاں تیار ھوں اور اس نے یہ رقم دوسروں کو دے ڈالی - اس پر مجھے خیال پیدا ھوا کہ میں نے تو کبھی اپنے آپ کو اور اپنے مال کو خدا کے حوالے نہیں کیا ، میں تو اپنے منشا کے مطابق مذھبی زندگی بسر کرتا ھوں ، خدا کے منشا کے مطابق نہیں کرتا - اب میں نے اپنے دل سے کہا کہ فیصلہ کرو یا سب کچھ رکھ کر خدا کو چھوڑ دو اور یا خدا کے ھو کر سب مال سے ھاتھ اٹھا لو - میں نے فیصلہ کر لیا کہ خدا کو اختیار کرتا ھوں اور باقی سب کچھ اس پر قربان کرتا ھوں - اس پر مجھے ایسی مسرت حاصل ھوئی کہ بیان نہیں ھو سکتی - میں اس خیال میں تھا کہ دوسرے بھی میری داستان سن کر اسی طرح مسرور ھونگے مگر مجھے تعجب ھوا کہ جس سے بھی اس کا ذکر کرتا ھوں وہ مجھے احمق یا پاگل سمجھتا ھے - دنیاداروں کو تو چھوڑئے ، خود پادریوں کا یہ حال تھا کہ وہ بھی میری اس قربانی اور مسرت روحانی کو جنون یا نادانی سمجھتے تھے اور دوسروں سے کہتے تھے کہ اس قسم کے لوگوں سے دور رھنا چاھئے - خود میرے گھر کے لوگ بھی میرے مخالف ھو گئے -

ایک گہری اخلاقیت والا شخص مسیح کے اس قول کی کہ 'اگر میرے پیرو بننا چاھو تو پہلے سب کچھ بیچ کر خیرات کر ڈالو' مفصلہ ذیل تشریح کرتا ھے :

مسیح کا مطلب اس سے یہ ھو سکتا ھے کہ اگر تم پوری

http://www.Mypdfsite.com

طرح انسانوں سے محبت کرو تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ تم مال و اسباب کے خواہاں نہ رہوگے لیکن کسی خیال کو محض فطری طور پر درست سمجھنا اور بات ہے اور اس کی صداقت کو عملاً جانچنا کچھ اور ۔ اگر تم مسیح کی طرح انسانوں سے کامل محبت کرنے لگو تو تم دیکھوگے کہ اس سے اپنے لئے فقر لازم آتا ہے ۔ دوسروں سے محبت کرنے والے کے پاس اپنی ذات کے لئے کیا چیز رہ سکتی ہے ؟ ایسی محبت میں تم بھی سب کچھ دے ڈالوگے اور کوئی نقصان محسوس نہ کروگے ۔ مسیح اور مسیح جیسی انسانی محبت رکھنے والے کے لئے تو یہ ہدایت فقر لفظاً اور معناً درست ہے لیکن ادنیٰ فطرت کے لوگ اس ہدایت کو محض ایک تمثیلی بات سمجھتے ہیں ۔ سب کچھ سچ مچ دے ڈالنا ان کو بے معنی اور ناگوار معلوم ہوتا ہے ۔ یہ بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ کوئی شخص ولی اللہ بننے کی غرض سے نہیں بلکہ فلاح و بہبود انسانی کے لئے اپنی ہمت اور اپنے مال کا کچھ حصہ صرف کرتا ہے لیکن جوں جوں محبت انسانی کے تقاضے بڑھتے جاتے ہیں وہ بے ارادہ کشاں کشاں اسی طرف آ جاتا ہے جو مسیح نے تلقین کی تھی ۔ اس کی زندگی میں غیر شعوری طور پر انقلاب پیدا ہو جاتا ہے ، پرانا طرز زندگی خود بخود ترک ہو جاتا ہے اور اس ترک و ایثار سے اس کو ذرا سی بھی ٹھیس نہیں لگتی ۔ یہ تبدیلی اس تسہیل و تدریج سے ہوتی ہے کہ اس کو کسی انقلاب کا احساس بھی نہیں ہوتا ۔ تعیش کو ترک کر کے زاہدانہ زندگی اختیار کرنا محبت انسانی کی ترقی کا ایک لازمی نتیجہ ہوتا ہے ۔ یہ قطعاً نا ممکن

http://www.Mypdfsite.com

ہے کہ ایک شخص سچے دل سے انسانوں سے محبت بھی رکھتا ہو اور دوسروں کی محتاجی اور تکلیف کو دیکھتے ہوئے بھی دولت جمع کرتا رہے اور دوسروں کی حاجت روائی نہ کرے۔ اس کا طرز عمل اس کے دعوۂ الفت کو سر بسر غلط ثابت کرتا ہے۔

مگر یہ محض علم و عقیدہ کا معاملہ نہیں، اس کا تعلق ذاتی تجربہ اور گہرے احساس سے ہے۔ ایک انسان کا موضوع وفا دوسرے کی سمجھ میں آسانی سے نہیں آسکتا یا یوں کہئے کہ ہر کس بخیال خویش خبطے دارد۔ برطانیہ کے ایک باشندے کو اپنے بادشاہ سے جو پاس وفا ہے یا جرمنوں کو اپنے شہنشاہ سے (یہ پہلی جنگ عظیم سے قبل کی بات ہے۔ مترجم) وہ کسی امریکی کی سمجھ میں نہیں آسکتا اور نہ کوئی انگریز یا جرمن اس طمانیت قلب کو ہی محسوس کر سکتا ہے جو ایک امریکی کو اس خیال سے حاصل ہوتی ہے کہ اس کے اور اس کے خدا کے درمیان کوئی بادشاہ یا شہنشاہ یا کوئی اور لغویت حائل نہیں۔ اگر اس قسم کے سادہ جذبات بھی اختلاف حال کی وجہ سے مختلف انسانی جماعتوں کے لئے معما بن سکتے ہیں تو کیا تعجب ہے کہ زیادہ لطیف روحانی کیفیتیں ان لوگوں کے لئے قابل فہم نہ ہوں جو اس کوچے سے نابلد ہیں؟ جو جذبہ خود کسی شخص پر طاری نہیں ہوا اور جو حال اس پر وارد نہیں ہوا اس کو محض خارج سے دیکھ کر اس کی کیفیت کا اندازہ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ محض خارج سے دیکھنے اور سمجھنے والے کی رائے اس بارے میں مستند نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر

http://www.Mypdfsite.com

وہ کیفیت طاری ہو جائے تو پھر وہ کوئی مسئلہ یا معما نہیں رہتی - انسان علم الیقین سے گزر کر عین الیقین اور حق الیقین تک پہنچ جاتا ہے - ہر جذبے کی ایک اپنی مخصوص منطق ہوتی ہے جو مخصوص مقدمات سے مخصوص نتائج کی طرف لاتی ہے - ایک جذبے کی منطق کا اطلاق دوسرے جذبے کی منطق پر نہیں ہوتا - پارسائی اور رحم کا عالم دنیا دار کے امید و بیم اور شہوات کے عالم سے الگ ہے اور ان کی قوتوں کا ماخذ اور مرکز بھی جداگانہ ہے - کسی ایک بڑے غم کے طاری ہونے پر ادنیٰ درجے کی تکلیفیں دل آزار نہیں رہتیں - شدید محبت میں ایثار نقصان کی بجائے نفع معلوم ہوتا ہے - اسی طرح کوئی شخص اگر خدا پر کامل بھروسا رکھتا ہو تو عام تحفظات اور مصلحت اندیشیاں نقص ایمان ہونے کی وجہ سے قابل نفرت ہو جاتی ہیں - ایک اعلیٰ جذبے کی شدت اتنی فیاضی اور فراخدلی پیدا کر دیتی ہے کہ اپنے مال اور سامان کی بابت جذبۂ ملکیت کا شائبہ بھی کمینہ پن دکھائی دیتا ہے -

[اسباب روزگار بہ مے ساز در گرو
کز مرد راہ باز نماند است ہیچ شے —حافظ]

اگر کسی کیفیت کے ناظر پر خود وہ کیفیت طاری نہیں تو وہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہے کہ خارج سے ہی پوری طرح اس کا مشاہدہ اور معائنہ کرے اور جو حال دیکھا ہے اس کو بے تعصب بیان کر دے - میں نے اس کتاب میں دوسروں کے احوال نفسی بیان کرتے ہوئے اسی قسم کی کوشش کی ہے -

http://www.Mypdfsite.com

چودھواں اور پندرھواں خطبہ

زھد و ولایت کی قدر و قیمت

گذشتہ ابواب میں ھم نے ان مظاھر کا جائزہ لیا ھے جو زھد و روحانیت کا ثمر ھیں۔ ان ابواب میں ھم نے فقط بیان پر اکتفا کیا ھے۔ اب ھم تثمین و تقدیر کی طرف آتے ھیں اور اندازہ کرتے ھیں کہ ان مظاھر کی قدر و قیمت انسانی زندگی کے لئے کیسی اور کتنی ھے اور مذھبی وجدانات انسانی زندگی میں کیا قابل قدر اضافہ کرتے ھیں۔ اگر میں اصطلاح سازی میں کانٹ کی نقل کروں تو یوں کہونگا کہ میں اس تنقید ولایت خالص کی طرف متوجہ ھوتا ھوں۔

اگر ھم کیتھولک فقیہوں کا انداز اختیار کر سکتے جن کے ھاں انسان اور خدا کے متعلق معین تصورات و عقائد موجود ھیں تو ھمارا کام بہت آسان ھو جاتا۔ ھم سیدھی طرح یہ کہہ دیتے کہ انسان کو تکمیل مقصد حیات سے کمال حاصل ھوتا ھے اور یہ مقصد اپنے خالق کے ساتھ اتحاد پیدا کرنا ھے۔ ان کے لگے بندھے قواعد کے مطابق اس اتحاد کے حصول کے تین راستے ھیں۔ عمل، تزکیہ اور تفکر۔ ان راستوں پر چل کر ترقی کے منازل بھی ان فقہا کے ھاں مقررہ اصول کے مطابق قابل تعین ھیں۔ ان کے ھاں اخلاق و عقائد کے غیر متبدل سانچے موجود ھیں۔ کسی روحانی تجربے کی قدر و قیمت ان مقررہ قواعد کی بنا پر اسی وثوق سے معلوم ھو سکتی ھے جس اتفاق سے کوئی ریاضی کا مسئلہ حل کیا جاتا ھے۔

لیکن سہولت فہم ھمارا مقصد نہیں۔ بے تنقید حل کی آسانی ھمیں اس طریق تحقیق سے ھٹا دیگی جس کو ھم نے شروع ھی

http://www.Mypdfsite.com

میں اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ہمارا طریق خالص تجربی ہونا چاہئے، عقائد مقررہ کی عینک سے تجربات روحانی کو دیکھنا ہمارے مقصد کے منافی ہے۔ معینہ عقائد سے پیدا شدہ معیارات آسانی تو ضرور پیدا کرتے ہیں لیکن ان سے ذوق حکمت کی تسکین نہیں ہوتی۔ ہم تجربات کا مشاہدہ کر کے ان کی ماہیت و قیمت کا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس انداز تحقیق سے ہم جن نتائج پر پہنچینگے ان میں وہ تیقن اور منطقیانہ صفائی نہ ہوگی جو معینہ عقائد کی بدولت پیدا ہوتی ہے لیکن حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ بے لاگ تنقید و تحقیق کے بغیر محض از روئے تقلید کسی عقیدے کو قبول نہ کیا جائے۔ ہم انسان کی حیوانیت اور اس کی عقلیت کو دو بالکل جدا گانہ خانوں میں نہیں رکھ سکتے۔ جسمانی اور عقلی زندگی کے درمیان کوئی دیوار آہنی حائل نہیں۔ ہم یہ بھی نہیں کر سکتے کہ فطری اور فوق الفطرت احوال و اثرات کو ایک دوسرے سے بین طور پر علیحدہ کر سکیں اور فوق الفطری خوارق میں ہمارے لئے یہ کہنا بھی دشوار ہے کہ ان میں کون سے فیضان الٰہی کا نتیجہ ہیں اور کون سے وحئی شیطانی اور تلبیس ابلیس ہیں۔ ہمارا مقصود کسی دینیاتی عقیدے کے بغیر ہر قسم کے مذہبی احوال کو جمع کرنا اور ہر ایک کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنا ہے۔ اگرچہ اس سے گریز نہیں کہ اس تقدیر و تثمین و تحسین میں ہمارے عام فلسفیانہ رجحانات، ہماری جبلت اور ہماری عقل سلیم کو ضرور دخل ہوگا۔ ہمارے نتائج میں راسخ العقیدہ لوگوں کی طرح قطعیت اور مطلقیت نہ ہوگی۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہ سکینگے کہ فلاں قسم کا

http://www.Mypdfsite.com

مذھب بحیثیت مجموعی اپنے نتائج و اثار کے لحاظ سے قابل تحسین اور فلاں قسم کا مذھب قابل مذمت ھے۔ فلسفے اور مذھب میں صاف ستھرے منظم و منضبط نظامات فکر کو ھارا ”بحیثیت مجموعی“ ایک ڈھیلا سا معاملہ معلوم ھوگا لیکن عملی انسان اور تجربی فلسفی کو اس کے بغیر چارہ نہیں۔

اس قسم کے اقرار کے بعد آپ میں سے بعض کو یہ خیال ھوگا کہ تحقیق کی اس کشتی رانی میں کوئی آلۂ سمت نما نہ ھوگا اور اس کی ملاحی تلون کے سپرد ھو جائیگی۔ آپ سمجھینگے کہ کسی معین غایت کا فقدان بےراہ روی اور تشکیک کا باعث ھوگا۔ آپ کے اس خدشہ کو رفع کرنے کے لئے یہ ضروری معلوم ھوتا ھے کہ میں اپنے تجربی اصولوں کی کچھ مزید تشریح و توضیح آپ کے سامنے پیش کروں۔

نظری حیثیت سے یہ بات معقول معلوم نہیں ھوتی کہ مذھبی تجربے کے روحانی اثمار کو محض انسانی اقدار کے معیار پر پرکھا جائے۔ آپ کہینگے کہ ان احوال کی صحت اور قیمت کا اندازہ اس حقیقت کا فیصلہ کئے بغیر نہیں لگایا جا سکتا کہ جو خدائے معبود ان کا سرچشمہ اور موضوع ھے اس کا وجود بھی حقیقی ھے یا نہیں۔ اگر اس کا وجود ھے تو جو انسانی اعمال اس کے تقاضوں کو پورا کرتے اور اس کے احکام کو بجا لاتے ھیں وہ لازماً معقول ھونگے اور اگر خدا کا وجود ھی نہیں تو وہ سب کے سب بے معنی اور نا معقول ھونگے۔ خاص قسم کے معبود خاص قسم کی عبادت کا تقاضا کرتے ھیں، جیسا معبود ھوتا ھے ویسا ھی اس کا عابد اور اس کی عبادت

http://www.Mypdfsite.com

ہوتی ہے۔ یہ دونوں پہلو لازم و ملزوم ہیں۔ مثلاً اگر آپ انسانی قربانیوں کے متقاضی مذہب کو اپنے ذاتی جذبات کی بنا پر ملعون و مردود قرار دیں اور ایسا تقاضا کرنے والا خدا حقیقت میں موجود ہو تو تمہارا خیال غلط ہو گا کیونکہ تمہاری تردید و نفرت کی بنا یہ تھی کہ کوئی ایسا معبود موجود نہیں۔ تمہاری تمام دینیات کی بنیاد ایسے معبود کے انکار پر مبنی ہوگی۔ میں نے کہا تھا کہ تحقیق کا آغاز کسی خاص انداز کے معبود کے عقیدے سے نہیں ہونا چاہئے لیکن اب میں اس اقرار کو بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ بعض نا معقول قسم کے ظالم معبود ایسے ہیں کہ ان کے منکر ہونے کے بغیر چارہ نہیں۔ اگر یہ انکار بھی انسان کو دینیاتی بنا دیتا ہے تو ہم سب اس زمرے میں داخل ہیں۔ ہماری جبلت اور عقل سلیم اور انسانیت کے عام تقاضے بعض عقائد سے گریز کرتے ہیں۔ اس نفرت و انکار کو بھی اگر آپ عقیدہ قرار دیں تو اس سے کسی کو بھی گریز نہیں۔

لیکن اس امر کو فراموش نہ کرنا چاہئے کہ ہمارے موجودہ میلانات اور تاثرات بھی ارتقا کی پیداوار ہیں۔ موجودہ دور میں مہذب انسانوں کا مذہبی اور اخلاقی مزاج پہلے زمانے کے مقابلے میں بے حد متغیر ہو گیا ہے۔ خارجی فطرت کا روز افزوں علم، اس کی تسخیر اور سیاست و معیشت کے روابط میں ارتقائی تبدیلیاں، مذہب و اخلاق میں بھی انقلاب پیدا کر رہی ہیں۔ جب ذہنی آب و ہوا اور علمی و معاشرتی ماحول بدل جاتا ہے تو بندوں کا خدا بھی پہلا سا خدا نہیں رہتا۔ انسان کی علمی اور دنیاوی ترقیاں پہلے معبود کو نا قابل پرستش اور نابود کر دیتی ہیں۔

http://www.Mypdfsite.com

پہلے دیوتا عام انسانی سطح سے بھی پست تر ہو جاتے ہیں۔ اب انسانی اور حیوانی قربانیوں کا طالب خدا ایک بے رحم اور خونی خدا معلوم ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسے خدا کی ہستی کے متعلق کوئی تاریخی شہادت بھی پیش کرے تو ہم اس کو قابل غور نہ سمجھیں۔ لیکن ایک زمانہ تھا کہ ایسے خدا پر عقیدہ ایسا راسخ اور بدیہی تھا کہ اس کے وجود کے لئے کسی شہادت کی ضرورت نہ تھی۔ جس زمانے میں ظلم اور خونریزی کی قدرت ہی قوت و عظمت کی ضامن تھی اور انسانی مزاج اس قسم کا تھا اس زمانے میں ایسا ہی خدا قابل فہم بھی تھا اور قابل پرستش بھی۔ چونکہ انسان بے رحم تھے اور خونریزی سے لطف اٹھاتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے معبود بھی اپنی صورت و سیرت کے مطابق تراش لئے تھے۔

دیوتا سازی یا معبودوں کے صفات متعین کرنے میں بلا شبہ کچھ تاریخی عوامل بھی شریک ہوتے ہیں لیکن اصل میں وہ انسانوں کی نفسیات کی پیداوار ہوتے ہیں۔ کسی ایک مذہب کے عارف و عابد جس معبود کے وجود کے شاہد ہوتے ہیں اس کو وہ ذاتی طور پر کار آمد سمجھتے ہیں۔ ان کا معبود ان کی فطرت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، ان کے تصورات ان کی امیدیں، ان کی آرزوئیں اس کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں، اس کو وہ ہادی و کفیل سمجھتے ہیں۔ وہ شیاطین کے خلاف ان کا محافظ ہوتا ہے، وہ مخالفوں کے جرائم کی سرکوبی کرتا ہے۔ اس کی پرستش اسی لئے کی جاتی ہے کہ اس پرستش سے ان کے نزدیک ان کی زندگی میں کچھ مفید نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

http://www.Mypdfsite.com

جونہی اس پرستش کے اثمار لغو معلوم ہونے لگتے ہیں اور جدید نصب العینوں اور زندگی کے اقدار کے منافی دکھائی دیتے ہیں یا کسی دیوتا کے اعمال طفلانہ اور شر آمیز متصور ہوتے ہیں وہ نظروں سے گر جاتا ہے اور رفتہ رفتہ فراموش ہو جاتا ہے۔ یونان و روما کے دیوتا تعلیم یافتہ اور روشن خیال یونانیوں اور رومیوں کے نزدیک عیسائیت سے قبل ہی نہ قابل یقین رہے تھے اور نہ قابل پرستش۔ اسی طرح ہندو مت، بدھ مت اور مسلمان فقیہوں کے معبود ہمارے لئے قابل پرستش نہیں رہے۔ خود عیسائیوں کا یہ حال ہے کہ پروٹسٹنٹوں کو کیتھولیکوں کا تصور الہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح جدید پروٹسٹنٹوں کے لئے قدیم پروٹسٹنٹوں کا خدا قابل قبول نہیں رہا۔ خدا کو ماننے والے سب اپنے تئیں ایک ہی خدا کے قائل اور پرستار سمجھتے ہیں لیکن در حقیقت ہر مذہب اور ہر فرقے کا خدا الگ الگ ہے۔ چینی ہمارے خدا کو موہوم سمجھتے ہیں اور اس کا قوی امکان ہے کہ آئندہ نسلیں ہمارے متعلق بھی ایسی ہی رائے قائم کرینگی۔ جب کسی معبود کی ذات و صفات سے سرزد ہونے والے نتائج و اثار ہمارے لئے قابل توصیف و تحسین نہیں رہتے تو آخرکار اس کی ہستی پر عقیدہ بھی جاتا رہتا ہے۔

دوران تاریخ میں مذہبی عقائد کے انقلابات نہایت عجیب و غریب ہیں۔ زمانۂ قدیم میں بادشاہی کا تصور ذہنوں پر اس طرح چھایا ہوا تھا کہ کائنات کا خالق و مالک بھی ایک مطلق العنان شہنشاہ ہی متصور ہو سکتا تھا۔ اس کی مرضی کسی قانون کے ماتحت نہ تھی، جی چاہے تو بے وجہ ظلم کرے اور جی

http://www.Mypdfsite.com

چاھے تو بے سبب رحم سے کام لے ، عدل و عقل کی پابندی اس کے لئے لازم نہ تھی۔ قادر مطلق دنیا کے بادشاھوں سے زیادہ مطلق العنان تھا۔ اس کے اعمال کی کوئی باز پرس نہ ھو سکتی تھی ۔ فضل و کرم ھو یا ظلم و ستم سب اس کی مرضی سے سرزد ھوتے تھے۔ اس کے ظلم کا نام انتقامی عدل تھا کیونکہ انتقام کے جذبے کو انسان قبیح نہ سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ سب قدرت مطلقہ کے تقاضے تھے۔ اب ھمارے افکار و جذبات میں تغیر پیدا ھو گیا ھے ، اس لئے کسی ایک گناہ یا عمر انسانی کی چند روزہ گنہ گاری کا بدلہ ابد الاباد کا جہنم ھمارے تصور کو بھی بے پناہ ظلم معلوم ھوتا ھے لیکن جونیتھن ایڈورڈز جیسا مذھبی انسان کہتا ھے کہ بے استحقاق فضل و کرم اور بے جرم محض سزا کے لئے بعض انسانوں کو پیدا کرنا اس کے نزدیک نہ صرف قابل فہم ھے بلکہ بے حد دلکش اور قابل تحسین ھے۔ وہ کہتا ھے کہ میرا یقین راسخ یہ ھے کہ بعض لوگ ابدی راحت اور بعض ابدی اذیت کے لئے پیدا کئے جاتے ھیں۔ بڑے بڑے مذھبی امام اسی عقیدے کے تھے مگر آج ھم کو یہ تصور نہایت نا معقول اور ذلیل معلوم ھوتا ھے۔ ھم میں سے کون اب ایسے خدا کو ماننے کے لئے تیار ھے ؟ قدیم دیوتاؤں کے مظالم اور بد اخلاقیاں بعد کی نسلوں کو تعجب خیز معلوم ھوتی ھیں کہ پہلے انسان اس قسم کے دیوتاؤں کو کیوں مانتے یا پوجتے تھے ۔ پروٹسٹنٹ جب کیتھولک اولیا کے قصے پڑھتے ھیں تو ان کی حیرت کی کوئی حد نہیں رھتی۔ جن لوگوں کا معبود سرحد ادراک سے ماوریٰ ھے (ٹراسنڈنٹل) یا جو لوگ سادگی

http://www.Mypdfsite.com

اور تزکیۂ نفس کا شعار رکھتے ھیں (پیوریٹن) ان کو کیتھولیکوں کی عبادت کا ساز و سامان ایک طفلانہ حرکت معلوم ھوتی ھے ، عبادت گاہ کھلونوں کی ایک دکان دکھائی دیتی ھے یا ایک تماشا معلوم ھوتا ھے ۔ پادریوں کے عجیب قسم کے لباس موم بتیوں کا چراغاں، بے معنی دعاؤں کی بھنبھناھٹ، خوشبوئیں، وظیفہ خوانی یہ تمام اھتمام خدا کی عظمت و جلال کے لئے کیا جاتا ھے ۔ یہ تمام مناھج و شعائر ھمیں مہمل دکھائی دیتے ھیں لیکن پرستاروں کے لئے حد درجہ اھم ھیں ۔ وحدت وجود کے قائل ان تمام شعائر کو لغو سمجھتے ھیں اور اس کے بر عکس شعائر پرست وجودیوں کی بے صورت لاتناھی کو بے کار قرار دیتے ھیں ۔ اسی طرح سے بعض فرقوں کی توحید بھی رنگ و بو سے معرا محسوس ھوتی ھے ۔ ایمرسن کہتا ھے کہ لیوتھر کو اگر معلوم ھوتا کہ اس کے مذھب کا بوسٹن کے موحدوں میں کیا حال ھوگا اور وھاں پہنچ کر توحید کیا پھیکی اور بے رنگ ھو جائیگی تو وہ اپنی تحریک کا آغاز ھی نہ کرتا ۔

دوسروں کے مذاھب و عقائد کی قدر و قیمت کو جانچنے کے لئے کسی نہ کسی معیار کو قائم کئے بغیر چارہ نہیں ۔ اس لئے تجربیت محض کے دعاوی کے باوجود ھم بھی کچھ نہ کچھ اساسی عقائد کے بغیر اس بارے میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے ۔ ھمارے یہ عقائد زندگی نے اپنے ارتقا میں پیدا کئے ھیں ۔ انسانی تجربہ نے ان تمام دیوتاؤں کو مردود و نابود بنا دیا ھے جو زندگی کے عروج میں حائل ھو رھے تھے ۔ وسیع معنوں میں انسانی تجربہ بعض عقائد کو مطلق قابل رد بنا چکا ھے ۔

http://www.Mypdfsite.com

لہذا ہماری تجربیت میں یہ کوئی تناقض نہیں کہ ہم شروع سے بعض مسلمہ طور پر مردود تصورات کو قابل غور و تنقید نہیں سمجھتے ۔ ارتقاء حیات اب مہذب انسانوں کو جہاں تک پہنچا چکا ہے اور انسانی زندگی کے جو اساسی اقدار معین ہو چکے ہین وہ ہماری تجربیت کے باوجود ہمارا معیار تنقید و تحقیق ہیں ۔ ہم پر یہ الزام عائد نہیں ہوتا کہ ہم نے اپنے مسلک کے خلاف شروع ہی میں بعض قسم کے عقائد کو مردود قرار دیا اور بعض دیگر عقائد و اقدار حیات کو معیار تحقیق بنا لیا ۔ عقائد کے متعلق ہمارا رد و قبول ہماری فطرت کے تقاضوں کا آئینہ ہے ۔ ہماری طبائع میں اب کچھ توقعات اور کچھ نصب العین جاگزیں ہو چکے ہیں ۔ ہم اب کچھ اپنے آپ سے چاہتے ہیں اور کچھ دوسروں سے خاص قسم کے سلوک و روابط کے متقاضی ہیں ۔ اب ہم ایسے ہی معبود کو مان سکتے ہیں جو ان تمناؤں کے پورا کرنے میں معاون ہو سکے ۔ موجودہ ذہنیت کی عقل سلیم ہی ہمارا معیار ہے ۔ ہمارے لئے کسی کے مذہبی وجدان کی قدر و قیمت معین کرنے کے لئے اور کوئی آلہ نہیں ۔ ہم اسی معیار انسانیت سے مذہبی عقائد اور مذہبی زندگی کو پرکھ سکتے ہیں ۔ اگر کسی کی مذہبی زندگی میں وجدان و عرفان و عمل ہمارے اقدار حیات میں معاون دکھائی دیگا تو ہم اس پر صداقت کی مہر لگا دینگے ، اس کو حقیقی بھی سمجھینگے اور قابل تحسین بھی ۔ ایسی زندگی ہمارے لئے نصب العین بھی بن سکیگی ۔ مستحسن زندگی جن عقائد کا نتیجہ ہوگی ان عقائد کو بھی ہم قابل تحسین قرار دینگے ۔ اگر کوئی عقیدہ و عمل ہمارے اقدار حیات کے منافی ہوگا تو

http://www.Mypdfsite.com

هم اسے رد کر دینگے - یہ سب کچھ بقاء اصلاح کے قانون کے مطابق ہے - جس عقیدہ و عمل سے انسان کی زندگی بلند اور استوار ہو اور اس کے اندر صلاح و فلاح اور رحم و عدل کا میلان ہو وہ درست اور قابل قبول ہے ، اس کے بر عکس جو زاویہ نگاہ زندگی کی صلاحیتوں کو مفلوج کرتا ہو وہ قابل رد ہے - اگر ہم تاریخ انسانی پر ایک بے تعصب نظر ڈالیں تو ہم کو صاف دکھائی دیگا کہ جب بھی کسی مذہب نے انسانوں کو اپیل کیا ہے تو وہ اس وجہ سے تھا کہ وہ انسان کی فطرت کے کچھ تقاضوں کو پورا کرتا تھا اور لوگ اسے معاون حیات سمجھ کر قبول کرتے تھے- زندگی ہر مرحلے پر کچھ آرزوئیں اور کچھ تقاضے پیدا کرتی ہے - جب کوئی مذہب ان تقاضوں کو پورا کرنے کی ضمانت دیتا ہے تو اس کو پیرو مل جاتے ہیں لیکن مرور ایام سے یہ ہوتا ہے کہ زندگی کے تقاضے بدل جاتے ہیں - اگر پہلے مذاہب جامد ہو جانے کی وجہ سے ان جدید تقاضوں کی مخالفت پر آمادہ ہوتے ہیں تو کوئی نیا حیات بخش مذہب ان فرسودہ مذاہب کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے - زمانے میں یہی ہوتا رہا ہے اور یہی ہوتا رہیگا -

زندگی کے تقاضے بہت ہوتے ہیں مگر ان کو پرکھنے کے طریقے بہت واضح اور معین نہیں ہوتے - اگر تجربیت پر یہ الزام لگایا جائے کہ اس کے معیار نفسی ہوتے ہیں اور اس کے نتائج مبہم ہوتے ہیں تو یہ الزام تمام انسانی زندگی پر لگ سکتا ہے - انسانوں نے جب کبھی کوئی مذہب قبول کیا ہے منطقی نا قابل رد استدلال وجہ کی سے قبول نہیں کیا - ہم آئندہ چل کر یہ

http://www.Mypdfsite.com

لہذا ہماری تجربیت میں یہ کوئی تناقض نہیں کہ ہم شروع سے بعض مسلمہ طور پر مردود تصورات کو قابل غور و تنقید نہیں سمجھتے - ارتقاء حیات اب مہذب انسانوں کو جہاں تک پہنچا چکا ہے اور انسانی زندگی کے جو اساسی اقدار معین ہو چکے ہیں وہ ہماری تجربیت کے باوجود ہمارا معیار تنقید و تحقیق ہیں - ہم پر یہ الزام عائد نہیں ہوتا کہ ہم نے اپنے مسلک کے خلاف شروع ہی میں بعض قسم کے عقائد کو مردود قرار دیا اور بعض دیگر عقائد و اقدار حیات کو معیار تحقیق بنا لیا - عقائد کے متعلق ہمارا رد و قبول ہماری فطرت کے تقاضوں کا آئینہ ہے - ہماری طبائع میں اب کچھ توقعات اور کچھ نصب العین جاگزیں ہو چکے ہیں - ہم اب کچھ اپنے آپ سے چاہتے ہیں اور کچھ دوسروں سے خاص قسم کے سلوک و روابط کے متقاضی ہیں - اب ہم ایسے ہی معبود کو مان سکتے ہیں جو ان تمناؤں کے پورا کرنے میں معاون ہو سکے - موجودہ ذہنیت کی عقل سلیم ہی ہمارا معیار ہے - ہمارے لئے کسی کے مذہبی وجدان کی قدر و قیمت معین کرنے کے لئے اور کوئی آلہ نہیں - ہم اسی معیار انسانیت سے مذہبی عقائد اور مذہبی زندگی کو پرکھ سکتے ہیں - اگر کسی کی مذہبی زندگی میں وجدان و عرفان و عمل ہمارے اقدار حیات میں معاون دکھائی دیگا تو ہم اس پر صداقت کی مہر لگا دینگے ، اس کو حقیقی بھی سمجھینگے اور قابل تحسین بھی - ایسی زندگی ہمارے لئے نصب العین بھی بن سکیگی - مستحسن زندگی جن عقائد کا نتیجہ ہوگی ان عقائد کو بھی ہم قابل تحسین قرار دینگے - اگر کوئی عقیدہ و عمل ہمارے اقدار حیات کے منافی ہوگا تو

http://www.Mypdfsite.com

هم اسے رد کر دینگے - یہ سب کچھ بقاء اصلاح کے قانون کے مطابق ہے - جس عقیدہ و عمل سے انسان کی زندگی بلند اور استوار ہو اور اس کے اندر صلاح و فلاح اور رحم و عدل کا میلان ہو وہ درست اور قابل قبول ہے ، اس کے بر عکس جو زاویہ نگاہ زندگی کی صلاحیتوں کو مفلوج کرتا ہو وہ قابل رد ہے - اگر ہم تاریخ انسانی پر ایک بے تعصب نظر ڈالیں تو ہم کو صاف دکھائی دیگا کہ جب بھی کسی مذہب نے انسانوں کو اپیل کیا ہے تو وہ اس وجہ سے تھا کہ وہ انسان کی فطرت کے کچھ تقاضوں کو پورا کرتا تھا اور لوگ اسے معاون حیات سمجھ کر قبول کرتے تھے - زندگی ہر مرحلے پر کچھ آرزوئیں اور کچھ تقاضے پیدا کرتی ہے - جب کوئی مذہب ان تقاضوں کو پورا کرنے کی ضمانت دیتا ہے تو اس کو پیرو مل جاتے ہیں لیکن مرور ایام سے یہ ہوتا ہے کہ زندگی کے تقاضے بدل جاتے ہیں - اگر پہلے مذاہب جامد ہو جانے کی وجہ سے ان جدید تقاضوں کی مخالفت پر آمادہ ہوتے ہیں تو کوئی نیا حیات بخش مذہب ان فرسودہ مذاہب کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے - زمانے میں یہی ہوتا رہا ہے اور یہی ہوتا رہیگا -

زندگی کے تقاضے بہت ہوتے ہیں مگر ان کو پرکھنے کے طریقے بہت واضح اور معین نہیں ہوتے - اگر تجربیت پر یہ الزام لگایا جائے کہ اس کے معیار نفسی ہوتے ہیں اور اس کے نتائج مبہم ہوتے ہیں تو یہ الزام تمام انسانی زندگی پر لگ سکتا ہے - انسانوں نے جب کبھی کوئی مذہب قبول کیا ہے منطقی نا قابل رد استدلال وجہ کی سے قبول نہیں کیا - ہم آئندہ چل کر یہ

http://www.Mypdfsite.com

سوال اٹھائیں گے کہ آیا یہ ممکن بھی ھے کہ کسی قبول شدہ مذھب میں دینیاتی استدلال اور ثبوت یقین میں کوئی اضافہ کر سکیں ؟

اب ھم اس اعتراض کو رفع کرنے کی کوشش کرتے ھیں کہ تجربی طریق تحقیق لازماً تشکیک میں منتج ھوگا۔

اس حقیقت کا انکار کرنا نا ممکن ھے کہ عصر حاضر میں ھمارے جذبات اور ھمارے نفسی و معیشتی تقاضوں میں بہت کچھ تبدیلی ھو گئی ھے اور ایسی تبدیلیاں انسانی تاریخ میں پہلے بھی کئی بار ھوئی ھیں۔ ذھن کے سانچے جو پہلے تھے وہ اب نہیں۔ اگر یہ واقعہ ھے تو یہ لازم آتا ھے کہ مستقبل میں زندگی کے متعلق وہ زاویہ ھائے نگاہ نہ رھینگے جو اب ھیں ، آئندہ نسلوں کے افکار و تاثرات ھم سے بہت کچھ مختلف ھونگے اور ھمارے بہت سے خیالات ان کو غلط اور قابل اصلاح معلوم ھونگے۔ ارتقائے حیات نے فکر و تاثر کی پہلی صورتیں بدل دی ھیں تو موجودہ صورتیں بھی قائم نہ رھینگی۔ کسی نظام فکر میں یہ ضمانت موجود نہیں ھے کہ آئندہ اس میں کوئی تبدیلی نہ ھوگی لیکن آئندہ اصلاح و ترمیم کا امکان اور بات ھے اور تشکیک محض اور چیز۔ جو محقق اپنی تحقیق میں آئندہ اصلاح کا امکان سمجھتا ھے وہ ایسے شخص کے مقابلے میں حقیقت سے قریب تر ھے جو اپنے خیالات کو ھمیشہ کے لئے مصئون من الخطا سمجھتا ھے۔ کیا کسی دینیات میں ازلی صداقت کا ادعا اس کو فی الحقیقت شک سے بری کر دیتا ھے ؟ اٹل صداقتوں کے محض دعوے ان کو اٹل نہیں بنا دیتے۔ ھم جن نتائج افکار کو بھی پیش کرینگے ان کے متعلق فقط اتنا ھی دعوہ کر سکتے

http://www.Mypdfsite.com

ھیں کہ اس وقت وسیع تجربے اور عقل کی بنا پر ان کے درست ھونے کا قوی احتمال ھے ۔ کوئی حق پسند مفکر بھی اس سے زیادہ دعوہ نہیں کر سکتا ۔ ایسا شخص تشکیک کا شکار نہیں ھے اور انسان کی مسلسل مساعی سے حقیقت کے قریب پہنچنے کا یقین رکھتا ھے ۔ طبیعی سائنس کی حیرت انگیز ترقیاں اس یقین کی رھین منت ھیں کہ ھر نظریہ سے بہتر نظریہ پیدا ھو سکتا ھے ادعائیت حصول صداقت کے راستے میں سد سکندری بن کر حائل ھو جاتی ھے ۔ زیادہ صحیح راستے پر وھی لوگ ھیں جو اپنے افکار میں ترقی و اصلاح کو ممکن سمجھتے ھیں ۔ جس شخص نے اپنے آپ کو اٹل صداقتوں کا حامل سمجھ لیا اس کی فکری ترقی ختم ھو گئی ۔ انسانی علم میں ظن کا پہلو ھمیشہ موجود رھیگا ۔

ھمارے اس اعتراف کی وجہ سے ادعائیت ضرور ھمیں قابل ملامت سمجھیگی ۔ بعض نفوس کی فطرت ھی یہی ھوتی ھے کہ ان کو یقین کامل کے بغیر تسکین نہیں ھوتی ۔ ان کے لئے یقین کامل کو چھوڑ کر ظن اور احتمال کا راستہ اختیار کرنا نا ممکن ھوتا ھے ۔ اگر حالات و واقعات ان کے یقین کی واضح تردید بھی کریں تو وہ اپنی جگہ سے نہ سرکیں گے ۔ ھمارے نزدیک زیادہ محفوظ بات یہ ھے کہ اس کا اقرار کیا جائے کہ انسان کا علم اور اس کی بصیرت محدود ھے اور حقائق لا محدود ھیں اس لئے اچھے سے اچھا مفکر بھی جن نتائج پر پہنچیگا وہ ھنگامی اور عارضی ھونگے ۔ عقلمند مفکر اور نقاد وھی ھے جو اس بات کو تسلیم کرے کہ آئندہ وسعت ادراک سے اس کے افکار

http://www.Mypdfsite.com

میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ کسی چیز کے متعلق وہ سلامتئی طبع کے ساتھ فقط یہی کہہ سکتا ہے کہ اس وقت بحیثیت مجموعی مجھے فلاں خیال درست معلوم ہوتا ہے۔ ایسے شخص کے دل و دماغ کے تمام دریچے ہر طرف سے آنے والی روشنی کے لئے کھلے رہتے ہیں۔ اور چشم تنگ کثرت نظارہ سے وا ہو سکتی ہے۔ صداقت پسند اس کو کہہ سکتے ہیں جو نئی معلومات سے ہمیشہ اپنی پہلی رائے بدلنے پر تیار ہو۔ انسان کی تلاش حقیقت لامتناہی ہے اس لئے ہمیشہ اس کی گنجائش باقی رہیگی کہ وسیع تر صداقت کسی محدود حقیقت کی جگہ لے لے۔

اتفاق رائے کی آرزو کے باوجود مذہبی مظاہر و مسائل میں اختلاف رائے کا ہونا ناگزیر ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ایک زیادہ اساسی سوال جواب طلب ہے کہ آیا اس کی توقع رکھنا چاہئے کہ ہر قسم کے انسان مذہبی معاملات میں یکساں زاویہ نگاہ رکھیں، مذہب کے معاملے میں تمام انسانوں کے حالات یک رنگ ہونے چاہئیں یا نہیں، کیا سب کے لئے ایک ہی قسم کی ہدایت متحسن ہے، کیا انسانوں کے نفوس کے تقاضے ایک ہی طرح کے ہیں یا ان کے فطری میلانات میں بین اختلافات پائے جاتے ہیں، کوئی نرم دل ہے کوئی سخت مزاج ہے، کوئی گردن فراز ہے اور کوئی عجز پسند، کسی میں شدت عمل ہے اور کسی میں کسل، کوئی صحیح النفس ہے اور کوئی مائل بہ یاس، کوئی رجائی ہے اور کوئی قنوطی۔ کیا ان سب کے لئے دینی محرکات و ہدایات یکساں انداز کے ہو سکتے ہیں یا اس کے خلاف حقیقت یہ ہے کہ ہر کسے را بہر کارے ساختند؟ اگر نوع انسان

http://www.Mypdfsite.com

کو ایک عضوی وجود کی طرح سمجھ لیا جائے تو مختلف طبائع کے انسان اس کے مختلف اعضا کی طرح ہونگے اور ہر عضو کا وظیفہ الگ ہوگا۔ بعض کے لئے تسکین و یقین کا مذہب بہتر ہوگا اور بعض کے لئے خوف و زجر و توبیخ زیادہ مفید ہونگے۔ اختلاف طبائع کے ساتھ اختلاف مذاہب کا امکان ہے۔ مذہبی احوال کا مزید مطالعہ ہمارے اس خیال کی تائید کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اگر یہ واقعہ ہے تو اس کے بغیر چارہ نہیں کہ ایک شخص اسی مذہب کو درست سمجھے جو اس کی طبیعت کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ وہ غیر جانبدار رہنا چاہے بھی تو نہیں رہ سکتا کیونکہ وہ پیکار حیات کا صرف تماشائی نہیں بلکہ خود ایک خیال کا حامی اور مجاہد ہے۔ مذہبی زندگی کے فقط وہی اثمار اس کو خوش ذائقہ معلوم ہونگے جن سے خود اس کو غذا اور لطف حاصل ہوتا ہے۔

میں اس سے آگاہ ہوں کہ اس قسم کی اضافیت آپ کو مذہب کے معاملے میں انارکی معلوم ہو گی کہ ہر شخص اپنی طبیعت کے میلان سے کوئی مذہب اختیار کر رہا اور اس کو درست سمجھ رہا ہے۔ آپ سمجھیں گے کہ اس سے تو حصول صداقت کی نسبت یاس ہی طاری ہو سکتی ہے اور یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خود صداقت بھی کوئی مستقل حقیقت نہیں۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ ابھی آپ اس معاملے میں اپنی رائے کو اس وقت تک ملتوی رکھیں جب تک کہ مذہبی احوال کے تنوع کا ہم جائزہ نہ لے چکیں۔ میں ذاتی طور پر یہ یقین کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں کہ ہم یا کوئی اور انسان فانی ان امور کے

http://www.Mypdfsite.com

متعلق جن سے مذھب واسطه رکھتا ھے کسی ایک روز ایسی صداقت کو حاصل کر سکتا ھے که اس میں کسی اصلاح و ترمیم کی گنجائش نه ھو۔ انسان کے علم و تجربه کی محدودیت کو مد نظر رکھتے ھوئے میں اس قسم کے دعوے کو باطل سمجھتا ھوں۔ میں تشکیک و تذبذب کا شائق نہیں، میں ادعائیت اور دعوه مطلقیت کا اس لئے مخالف ھوں که اس سے ترقی علم اور تلاش حقیقت کا راسته بند ھو جاتا ھے۔ ادعائیت اور طلب صداقت ایک دوسرے کے منافی ھیں۔ جو شخص سمجھتا ھے که میں زندگی کی نسبت کاملاً دانائے راز ھو گیا ھوں وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رھا ھے۔ میں اس بات کا قائل ھوں که بے تعصب تلاش حق کی سعئی مسلسل سے انسان کے سرمایۂ صداقت میں اضافه ھوتا جائیگا۔ مجھے امید ھے که ان خطبات کے اختتام پر آپ مجھ سے متفق ھو جائینگے۔ تب تک آپ میرے زاویۂ نگاہ کی نسبت کوئی مخالفانه رائے اپنے اندر پخته نه کر لیجئے۔ اب میں اپنے انداز تحقیق کے جواز میں اور کچھ کہنا نہیں چاھتا بلکه واقعات پر اس کا اطلاق کرنا شروع کرتا ھوں۔

مذھب کی قدر و قیمت کو پرکھنے میں یه نہایت ضروری ھے که اس بات کو نظر انداز نه کیا جائے که مذھبی زندگی کے دو پہلو ھیں۔ ایک طرف تو مذھب کسی ایک فرد کی اپنی مخصوص انفرادی زندگی سے تعلق رکھتا ھے اور دوسری طرف اس کا تعلق جماعت اور اس کے مذھبی شعائر سے ھے۔ میں اس فرق و امتیاز کو اپنے دوسرے خطبے میں پیش کر چکا ھوں۔ عام استعمال میں مذھب کی اصطلاح میں ابہام پایا جاتا ھے۔

http://www.Mypdfsite.com

مذھب کی تاریخ سے یہ پتہ چلتا ھے کہ غیر معمولی روحانی شعور رکھنے والے بابغہ افراد کے گرد کچھ مرید اور پیرو جمع ہو جاتے ھیں جو اس کی تعلیم و تلقین کو درست سمجھتے ھیں۔ جب ان کی تعداد کافی ہو جاتی ھے تو ان کے اندر جماعتی تنظیم پیدا ہوتی ھے۔ وہ کچھ ادارے بنا لیتے ھیں جو اپنے مخصوص مقاصد رکھتے ھیں۔ اس جماعتی تنظیم کے اندر سیاست کی روح داخل ہو جاتی ھے اور ابتدا میں جو معصوم اور بےضرر تحریک تھی اس میں حکومت اور تحکم کا انداز پیدا ہو جاتا ھے۔ تمام مذاھب نے اس قسم کی تنظیمیں بنا رکھی ھیں۔ ہر ایک میں عقائد و اعمال کا ایک ھمہ گیر نظام ھے جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر حاوی اور مسلط ھے۔ جب ھم سنتے ھیں کہ فلاں شخص فلاں مذھب میں داخل ھے تو معاً ھمارے ذھن میں ایک منظم کلیسائی نظام آتا ھے۔ چونکہ مذاھب کی تنظیموں میں عام طور پر آزادیٔ فکر و عمل سلب ہو جاتی ھے اس لئے بعض آزاد خیال لوگ کلیسا کا لفظ سنتے ھی اس کو ریاکاری، ظلم، ادنیٰ خیالی اور توھم پرستی کا مجسمہ تصور کرتے ھیں۔ کلیسا یا منظم مذھب کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے وہ بے باکانہ طور پر کہنے لگتے ھیں کہ ھم سر بسر مذھب ھی کے خلاف ھیں۔ اپس میں بھی کلیساؤں کا یہی حال ھے۔ ہر کلیسا اپنی تنظیم کو حق پر سمجھتے ہوئے ذریعۂ نجات خیال کرتا ھے اور دوسرے کلیساؤں کی نسبت مخالفانہ جذبات رکھتا ھے۔

ھمارے ان خطبات کا موضوع کلیسائی نظامات یا مذھبی ادارے نہیں۔ ھم فقط ان روحانی احوال اور نفسی کیفیات کا مطالعہ کرنا

http://www.Mypdfsite.com

چاہتے ہیں جن کا تعلق ایک فرد کی اپنی ذات اور اس کے باطن سے ہے۔ اس قسم کے ذاتی تجربوں کو لوگ ابتداً عام طور پر الحاد و بدعت ہی سمجھتے ہیں کیونکہ ایسے تجربات منظم مذہب کے حدود سے باہر ہوتے ہیں۔ ذاتی روحانی تجربہ اس قدر انوکھا ہوتا ہے کہ کسی ملت یا جماعت کی اس میں شرکت نہیں ہو سکتی، اسی لئے ایسے تجربوں والے لوگ انسانی جماعتوں سے الگ ہو کر کم از کم کچھ مدت تک کوہ و دشت میں خلوت گزیں ہوتے ہیں۔ مہاتما بدھ، حضرت مسیح، حضرت محمد، سینٹ فرانسس، جارج فوکس سب کی زندگیوں میں یہی بات ملتی ہے۔ شروع میں گریز تنہائی اور خلوت گزینی ہے۔ جارج فوکس نے اپنے عہد شباب میں اس خلوت پسندی کا جو حال اپنے روز نامچے میں لکھا ہے وہ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:

"میں کثرت سے روزے رکھتا تھا، آبادی سے دور مقامات میں پھرتا تھا، اپنی انجیل لے کر کھوکھلے درختوں کے اندر یا اسی قسم کی الگ تھلگ جگہوں میں جا بیٹھتا تھا۔ راتوں میں بھی اسی طرح تنہا پھرتا رہتا تھا کیونکہ ابتدا میں خدا کی طرف سے جو کچھ مجھ پر وارد ہوا اس نے مجھ میں غم و اندوہ ہی پیدا کیا۔ ان ایام میں میں مذہبی عقائد و اعمال میں کسی اور کے ساتھ شریک نہ تھا۔ میں نے اپنے تئیں بس خدا کے سپرد کر رکھا تھا۔ میں صحبت بد سے پرہیز کرتا تھا۔ والدین اور اقارب کو بھی میں نے چھوڑ دیا۔ میں ایک اجنبی کی طرح پھرتا تھا۔ جس طرف خدا میرے دل کو مائل کر دیتا ادھر کا رخ کرتا تھا۔ کسی شہر میں پہنچ کر ایک حجرے میں خلوت گزیں ہوتا

http://www.Mypdfsite.com

اور کبھی کم کبھی زیادہ عرصہ تک اس میں بسر کرتا ۔ میں نہ پیشہ ور اہل دین سے ملتا اور نہ دنیا داروں سے ۔ مجھے خوف تھا کہ ان دونوں کی محبت سے مجھ کو نقصان پہنچیگا ۔ میں جہاں بھی رہتا مسافر کی طرح رہتا اور فقط خدا سے حکمت و ہدایت کا طالب ہوتا ۔ اب خدا کے سوا کسی اور شخص یا چیز پر بھروسا نہ تھا ۔ میں نے پادریوں اور واعظوں کی طرف سے رخ پھیر لیا کیونکہ ان میں سے کوئی میری حالت سے آشنا نہ تھا اور میری مدد نہ کر سکتا تھا ۔ جب میں نے سب کو ترک کر دیا اور کسی سے مدد و ہدایت کی توقع نہ رہی تو میں نے ایک آواز سنی کہ ' فقط ایک ذات مسیح ہے جو اس حالت میں تیری معاون ہو سکتی ہے ' ۔ اس پر میرا دل خوشی سے اچھلنے لگا ۔ پھر خدا نے مجھے سمجھا دیا کہ کیوں کوئی دوسرا تیرا مددگار نہیں ہو سکتا ۔ میں حیوانی شہوات اور ان کے متعلق گفتگو کرنے والوں سے گریز کرتا تھا ۔ ان سے تخریب نفس کے سوا اور کیا حاصل ہو سکتا تھا ؟ میں اس درجہ غم و اندوہ اور وسوسوں میں گرفتار تھا کہ ان سے نجات محال معلوم ہوتی تھی ۔ لیکن جب مسیح نے مجھ پر واضح کیا کہ کس طرح شیطان نے اس کو امتحان میں ڈالا تھا اور کس طرح وہ اس ابتلا میں شیطان پر غالب آیا اور اس کا سر کچل ڈالا تو مجھے یقین ہو گیا کہ میں بھی مسیح کی مثال سے اور اس کی نصرت سے ہر قسم کی تحریکات گناہ پر غالب آ سکتا ہوں ۔ اگر شاہی شان و شوکت کے سامان میرے لئے مہیا کئے جاتے اور محل میں رکھ کر مجھے اچھے کھانے دئے جاتے اور خدم و حشم سے

http://www.Mypdfsite.com

مجھ کو نوازا جاتا تو مجھے ذرہ بھر بھی اطمینان نصیب نہ ہوتا ، خدا کے سوا مجھے کوئی مطمئن نہ کر سکتا ۔ میں نے دیکھا کہ علماء دینی ، پادری اور دنیا دار سب اس حالت سے مطمئن ہیں جس کو مخرب نفس سمجھ کر میں اس سے گریز کرتا ہوں ۔ میں نے تمام آرزوؤں کو ترک کر کے صرف خدا کی آرزو باقی رکھی اور اپنے نفس کو اس کے حوالے کر دیا ۔ ''

اس قسم کا انفرادی روحانی تجربہ دوسروں کو ضرور کفر و الحاد معلوم ہوگا اور نبوت یا ولایت کی ایسی حالت کو لوگ جنون ہی سمجھینگے کیونکہ اس میں نہ منظم عقائد و اعمال سے ہم آہنگی دکھائی دیتی ہے اور نہ مسلمہ شعائر و مناہج سے اتفاق ۔ اگر کچھ دوسرے لوگ بھی اس کے ہم خیال اور ہم نوا ہو جائیں تو کلیسا والے اس گروہ پر تکفیر کا فتویٰ دینگے اور اس کی بیخ کنی کے در پے ہونگے ۔ لیکن جب ایسا گروہ ہر قسم کے مصائب کا کامیاب مقابلہ کر کے خود مضبوط و منظم ہو جاتا ہے تو وہ ایک الگ مذہب بن جاتا ہے اور اس میں روا داری نہیں رہتی ۔ جو کوئی ان سے ہر طرح متفق نہ ہو اس کے ساتھ وہ ایسی ہی تنگ دلی برتتے ہیں جیسی خود ان کے ساتھ برتی گئی تھی ۔ مذہب کا المیہ یہ ہے کہ ابتدا میں وہ بے کس و غریب و مظلوم ہوتا ہے اور دوسروں سے روا داری اور عدل و رحم کا متقاضی ہوتا ہے لیکن جونہی وہ مضبوط و منظم و استوار ہو جاتا ہے اس کے اندر سے روح غائب ہو جاتی ہے اور اقتدار طلبی و جبر میں ترقی ہوتی ہے ، ظاہر پرستی تزکیۂ باطن کی جگہ لے لیتی ہے ، روحانیت کے چشمے خشک

http://www.Mypdfsite.com

ہو جاتے ہیں، مغز کی جگہ چھلکے ہی چھلکے رہ جاتے ہیں۔ یہی لوگ اب ہر ایسے شخص کو سنگسار کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں جو اپنی باطنی زندگی میں اگرچہ ولایت و نبوت کے صفات رکھتا ہو مگر ظواہر میں ان کا ہم نوا نہ ہو۔ قول و فعل کے ذرا سے اختلاف پر بھی حریت باطن والا شخص حامیان دین کے نزدیک ملعون و مطعون ہوتا ہے۔ اس کی روحانیت اس کے اپنے باطن کا فیض ہوتی ہے مگر دوسروں کا دین مستعار ہوتا ہے جس کی اصلی روح کو وہ اپنا نہیں سکے۔ کوئی منظم مذہب افراد میں حریت فکرو عمل کو گوارہ نہیں کرتا۔ بانیٔ مذہب کے اندر جو روحانیت کا چشمہ پھوٹا تھا اگر کسی اور کے قلب پر بھی ویسا ہی فیضان الٰہی ہو تو اس کو مسدود کرنے کی ہر طرح کوشش کی جاتی ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ نئی روحانی تحریک اگر دب نہ سکے تو اس کو اپنے اندر لپیٹ کر اپنے اجتماعی اقتدار کو اور مضبوط کر لیا جائے۔ منظم مذاہب نے اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے اکثر اوقات اس چال سے بھی کام لیا ہے۔ کلیسائے روما نے اکثر یہ کیا ہے کہ اولیا کی روحانیت کو کبھی جلدیؒ اور کبھی دیر کے بعد تسلیم کرکے اپنے حصار کو استوار کرنے کی ترکیب پیدا کرلی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مذہبی کہلانے والے اکثر انسان درحقیقت مذہبی نہیں ہوتے۔ اقرار مذہب کے ساتھ ساتھ ان کے نفوس میں بہت کچھ ادنے شہوات اور ناپاک میلانات ہوتے ہیں۔ مذہب پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اکثر

http://www.Mypdfsite.com

مدعیان دین حریص ، کمینے اور ریاکار ہوتے ہیں اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ مذہب ایک لغو چیز ہے۔ دراصل یہ مذہب کا قصور نہیں ہوتا بلکہ صفات قبیحہ والے لوگ مذہب کا جامہ اوڑھ لیتے ہیں حالانکہ ان کے باطن کو اخلاق فاضلہ اور روحانیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ مذہب کے کمینے حامی اس کو مسخ کرکے قابل نفرت بنا دیتے ہیں۔ روحانیت کا سب سے بڑا دشمن اجتماعی ذوق اقتدار ہے۔ ہر مذہبی گروہ ایک قسم کا سیاسی گروہ بن جاتا ہے۔ روحانیت کا دوسرا بڑا ذہنی عدو ادعائیت کا جذبہ ہے۔ مذاہب کی ادعائیت میں فکر و عمل کے ناقابل تغیر سانچے ہوتے ہیں۔ ہر بڑی چھوٹی بات کے لئے جائز و ناجائز کو اس طرح معین کر دیا جاتا ہے کہ اس سے سر مو انحراف کفر و ضلالت شمار ہو۔ منظم مذہب میں انہیں دو عناصر سے عقلی اور اخلاقی خرابی پیدا ہوتی ہے ، ایک ذوق اقتدار اور دوسرا جذبۂ ادعائیت جس میں صداقت کی اجارہ داری ہوتی ہے۔ ہم ان خطبات میں اس جھوٹی مذہبیت سے بحث نہیں کر رہے جو قبیلوی نفس اور اجتماعی اقتدار کی پیداوار ہوتی ہے ، ہمارا موضوع وہ باطنی احوال و وجدانات ہیں جو کسی خارجی دباؤ یا مذہبی اقتدار طلبی کا نتیجہ نہیں۔ عیسائی جو مظالم یہودیوں پر کرتے رہے ہیں یا کویکرز اور میتھوڈسٹ اور مورمن عیسائیوں پر دوسرے عیسائیوں نے روا رکھے ہیں یا ارمنیوں پر جو ظلم ہوئے ہیں اس قسم کی مردم آزاری اس نفسیات کا نتیجہ ہے جو ہر جدت و بدعت کی دشمن ہے۔ اس کا حقیقی مذہبیت سے دور کا بھی واسطہ

http://www.Mypdfsite.com

نہیں۔ یہ جاھلانہ اور وحشیانہ تعصبات ہر اس فرد یا جماعت کے خلاف کارفرما ہوتے ہیں جو مروجہ اور مسلمہ روایات و عقائد سے ہٹی ہوئی دکھائی دے۔ قبیلوی نفس کو فکر و عمل کا اختلاف اپنی سالمیت کے لئے شدید خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ قبیلہ پروری کا جذبہ ظلم و انتقام کے لئے پارسائی کی نقاب اوڑھ لیتا ہے۔

جرمن فوجیں جب چینیوں کے خلاف انتقامی کارروائی کے لئے روانہ ہوئیں تو جرمن شہنشاہ نے ان کو عیسائیت کے نام پر غارت گری اور قتل پر آمادہ کیا۔ دوسری مغربی عیسائی اقوام کی فوجیں بھی آن کے ساتھ شریک تھیں جنہوں نے جرمنوں سے بھی بڑھ کر تباہی کی اور چینیوں کو تباہ اور ذلیل کیا۔ ان سے کہا گیا کہ یہ سب جبر و ستم مسیحیت کی حفاظت اور عظمت کے لئے ہے۔ لیکن ہر معقول انسان کو معلوم ہے کہ حقیقی مذہبیت کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا، معاشی اور سیاسی جبر کے لئے مذہب کو ایک بہانہ بنا لیا تھا۔ ادنے مادی مفاد کے لئے قومیں مذہب کی آڑ میں شکار کھیلتی ہیں۔ مذہب کے خلاف یہ الزام اس حد تک درست ہے کہ وہ ان مظالم کو روکنے کی بجائے ان کی حمایت کرتا اور ریاکاری سے ان کا معاون ہوتا ہے۔ اس ریاکاری کے باوجود جب وحشیانہ جذبات کا طوفان فرو ہو جاتا ہے تو بعض اوقات مذہبی روح میں ایک رد عمل ہوتا ہے اور پشیمانی کا احساس ہوتا ہے جو مذہب سے مطلقاً بے تعلق انسانوں میں پیدا نہیں ہو سکتا۔

[کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

http://www.Mypdfsite.com

مرنے کے بعد آیا وہ میرے مزار پر
پتھر پڑیں صنم ترے ایسے پیار پر]

مگر یہ حقیقت ہے کہ مذہب کے اس طرح وحشت کا آلۂ کار بننے کے باوجود حقیقی مذہبیت کو ملزم قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ مذہبی جذبے کی تخریب سے جو کچھ ہوتا ہے اس کا الزام مذہب کے سر پر نہیں تھوپ سکتے ۔ مذہب کو ایک قومی محرک سمجھ کر انسانوں کے ذلیل جذبات اس سے وحشیانہ کام لیتے ہیں ۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ متعصبانہ جذبات انگیزی ہر مذہب میں پیدا ہو جاتی ہے ۔ مذہب کا یہ ایک تاریک پہلو ہے ۔

روحانی تاثرات اور ولایت کے جن مظاہر کا ہم نے جائزہ لیا ہے ان میں ہمارے نزدیک نہایت درجہ غلو پایا جاتا ہے ۔ ایسے لوگوں کے جذبات اور اعمال میں اعتدال نظر نہیں آتا ۔ ہم سوچتے ہیں کہ اس قسم کی عجیب و غریب پارسائی کی انسان کو ضرورت بھی ہے یا نہیں ؟ اگر زہد و ریاضت اور عجز و انکسار میں ایسا مبالغہ اور طوفان و ہیجان نہ ہو اور ہم جیسے معمولی انسان اعتدال کے راستے پر گامزن ہوں تو ہم بخشش کی امید رکھ سکتے ہیں ۔ اولیا کا غیر معمولی زہد اگر ہمیں قابل تعریف بھی معلوم ہو تو بھی ہم اس کی نقل و تقلید پر آمادہ نہیں ہو سکتے ۔ زندگی کے اور مظاہر کی طرح مذہبیت میں بھی اعتدال ہم کو مستحسن معلوم ہوتا ہے ۔ سیاسی مصلحین بھی کسی ایک اصلاح کی طرف پوری توجہ منعطف کرنے کے لئے بعض اور ضروری اصطلاحات کو

http://www.Mypdfsite.com

فی الوقت نظر انداز کر دیتے ھیں۔ اصطلاحات میں تدریج برتنے سے ھی کچھ کامیابی کی توقع ھوتی ھے۔ اگر جوش اصلاح میں انقلابی انداز میں سب کچھ انتہائی طور پر بیک وقت کرنا چاھیں تو محدود کامیابی کی بھی امید جاتی رھے۔ روحانیت اور اخلاق میں بھی اسی قانون پر عمل ھونا چاھئے۔

[دھونے کی ھے اے ریفارمر جا باقی
کپڑے پہ ھے جب تلک کہ دھبا باقی
دھو شوق سے دھبے کو پر اتنا نہ رگڑ
دھبا رھے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی] حالی

فنون لطیفہ میں بھی یہی ھوتا ھے کہ ایک فنکار کو کوئی نیا انداز سوجھتا ھے اور وہ فن کی اور ضرورتوں کو چھوڑ کر یک طرفہ اس میں ترقی کرتا ھے۔ اس مبالغے اور یکسوئی سے وہ فن کی تاریخ میں ایک موجد اور امام شمار ھوتا ھے لیکن اس معاملے میں دوسروں کے لئے اس کی کورانہ تقلید واجب نہیں ھوتی کیونکہ فن کے متعلق اور اسالیب بھی ھو سکتے ھیں جن کو اس امام نے نظر انداز کر دیا تھا۔ ھم اس کو باعث شکر و احسان سمجھتے ھیں کہ اس قسم کا نابغہ پیدا ھوا جس نے فن کا ایک خاص رخ دوسروں پر واضح کیا لیکن ھمارے لئے یہ بھی خوشی کا باعث ھے کہ زندگی اپنے اظہار کے لئے اور اسالیب بھی رکھتی ھے۔ ھوورڈ ھو یا میزینی، بوٹیچیلی ھو یا مائکل انجیلو ھم سب کے مداح ھیں لیکن پوری طرح ان کا مقلد ھونا ضروری نہیں سمجھتے۔ جن اولیا کی ولایت اور روحانی احوال کو ھم نے بیان کیا ھے

http://www.Mypdfsite.com

آن کی نسبت بھی صالحانہ اور معتدل رویہ یہی ہے کہ ان کی مثالوں کو قابل قدر اور ہمت آموز سمجھتے ہوئے بھی ہمارے لئے لازم نہیں ہے کہ ہم ان کی پوری طرح تقلید کریں۔ ان کی فطرت کے ان ممکنات کو قابل فخر سمجھتے ہوئے بھی ہم نہیں چاہتے کہ انسانوں کو ان کی تقلید پر آمادہ کریں۔ خیرالامور اوساطہا کے اصول کے مطابق ہم اگر روحانیت اور اخلاق کا راستہ اعتدال سے بھی طے نہ کر سکیں تو جائز طور پر اپنے تئیں قابل ملامت قرار دیتے ہیں۔ اعتدال کی روش کسی خاص عقیدے پر منحصر نہیں، صالح فطرتیں خواہ کسی ملک و ملت میں ہوں اس کو قابل تحسین سمجھتی ہیں۔ عام زمانوں میں لوگوں نے اعتدال ہی کی زندگی کو سراہا ہے۔

تمام انسانی زندگی کا قاعدہ ہے کہ اچھی سے اچھی چیزیں اعتدال سے تجاوز کرکے خرابی کا باعث بن جاتی ہیں۔ کسی معاملے میں وسط معتدل کیا ہے اس کی نسبت کوئی قواعد معین نہیں ہو سکتے۔ زندگی کے ہر پہلو میں اس کا فیصلہ عقل سلیم ہی کر سکتی ہے۔ اعتدال سے متجاوز زہد و ریاضت اور ایثار نفس والے انسان کو ہم ملامت نہیں کر سکتے لیکن اس کی تعریف بھی ہم مشروط انداز ہی میں کر سکتے ہیں کہ اس نے اپنے فہم و وجدان سے جس طریقے کو درست سمجھا اس پر کمال ہمت و وفا سے بے دریغ گامزن ہوا۔ اس نے بے شبہ جرأت و شجاعت کا ثبوت دیا لیکن اس کا غلو دوسروں کے لئے قابل تقلید نہیں۔ غیر مشروط طور پر قابل ستائش روش تو اعتدال ہی کی ہو سکتی ہے۔

http://www.Mypdfsite.com

اولیاء کی زندگیوں کے رھبانی پہلو میں ھمیں جو کچھ غلط معلوم ھوتا ھے وہ غلو ھی کا نتیجہ ھے۔ یہ لوگ انسانی زندگی کے باقی تمام تقاضوں سے قطع نظر کر کے ایک ھی طرف اس قدر جھک جاتے ھیں کہ ان کا توازن بگڑ جاتا ھے۔ اگر فطرت کے دوسرے ضروری تقاضے بھی موجود رھیں اور باقی قوتیں یک طرفگی میں مفلوج نہ ھو جائیں تو کوئی ایک پہلو تمام زندگی کو جذب نہیں کر سکتا۔ صالحانہ زندگی انسانی قوتوں کے متوازن عمل سے پیدا ھوتی ھے۔ شدید محبت کے ساتھ شدید قوت ارادی بھی ھونی چاھئے ورنہ انسان محض جذبے کی رو میں بہ جائیگا اور محض تاثر میں غرق ھو جائیگا۔ اسی طرح شدید عملی قوتوں کے ساتھ ساتھ عقل کی معاملہ فہمی بھی لازم ھے اور عقل کے ساتھ گہری انسانی ھمدردیاں نہ ھوں تو وہ زندگی میں سلامت روی پیدا نہیں کر سکتی۔ غرضیکہ محبت، عقل، قوت ارادی، سب کو بیدار اور استوار رکھنا لازمی ھے۔ ھر قسم کی صلاح و فلاح اس تعاون اور توازن سے پیدا ھو سکتی ھے اور سیرت میں قوت اور خوبی اسی توازن سے ظہور میں آئینگی۔ اکثر اولیا میں روحانی قوتیں غیر معمولی طور پر قوی ھوتی ھیں لیکن اگر غور کیا جائے تو ان کی زندگیوں میں غلو اس وجہ سے پیدا ھوتا ھے کہ مقابلتاً ان کی عقلی قوتیں کمزور ھوتی ھیں۔ زندگی میں اگر اور اغراض و مقاصد بہت یا ناپید ھوں اور عقل میں وسعت نہ ھو تو روحانی جوش و خروش امراضی کیفیت اختیار کر لیتا ھے۔ ان کی زندگی میں جو امتیازی صفات نظر آتے ھیں مثلاً خدا کی گہری محبت، نفس کی پاکیزگی، ایثار، زھد و ریاضت، انہیں

http://www.Mypdfsite.com

صفات میں اگر غلو پیدا ہو تو انسان بھٹک جاتا ہے۔

اب ہم یکے بعد دیگرے ان صفات پر غور کرتے ہیں۔ پہلے ہم بھگتی Devotedness کو لیتے ہیں۔ اگر یہ حد اعتدال سے بڑھ جائے تو اس میں غالی پن پیدا ہو جاتا ہے۔ غالی پن کسی ذات یا عقیدے سے اظہار وفا کی نا معقول انتہا ہے۔ اگر کسی شخص میں تنگ خیالی کے ساتھ ساتھ شدید جذبۂ وفا بھی پایا جائے اور ایسے شخص کے دل میں کسی انسان کے متعلق یہ عقیدہ گڑ جائے کہ کوئی فوق الانسان شخص اس قابل ہے کہ اس کا بھگت کلیتاً اس کا ہو رہے تو سب سے پہلے اس کا یہ نسخہ ہوتا ہے کہ بھگتی فی نفسہ ایک بلند نصب العین کیفیت اختیار کر لیتی ہے۔ اب ممدوح و معبود کی خوبیوں کا ورد اہم ترین شغل بن جاتا ہے۔ اب ایسا مرید و پرستار غلامانہ خدمت اور قربانیوں میں ان وحشیوں سے بھی بڑھ جاتا ہے جو وفاداری میں قبیلے کے سردار کے لئے ہر قسم کی جاں نثاری کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کی حمد و ثنا پر الفاظ کا تمام سرمایہ ناکافی معلوم ہوتا ہے۔ اس کی توصیف کے لئے نئی نئی اصطلاحیں وضع کی جاتی ہیں۔ اگر جان کی قربانی سے بھی موصوف کا گوشۂ چشم ان کی طرف منعطف ہو سکے تو اس کو بڑا مفاد سمجھا جاتا ہے۔ اس کا بھگت بننا اپنے قبیلے کے اندر ایک نشان امتیاز بن جاتا ہے۔ مقدس انسانوں کے متعلق جو افسانوں کا انبار لگ جاتا ہے وہ اس جذبۂ تعظیم و تکریم کی پیداوار ہوتا ہے۔ مہاتما بدھ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کے متعلق، نیز

http://www.Mypdfsite.com

اکثر عیسائی اولیا کی نسبت جو مرصع داستانیں ملتی ہیں ان کی غرض تعظیم و ستائش ہوتی ہے مگر ان کے پیرو پا در ہوا باتیں کہتے اور یقین کرتے ہیں۔ یہ سب پرستاری، عقیدتمندی اور جذبہ توصیف کی رنگ آمیزیاں ہوتی ہیں۔ شدت تعظیم میں انسان راہ راست سے ہٹ کر مقدس انسانوں کو کیا سے کیا بنا دیتا ہے۔ عیسائی اولیا میں مسیح کی مختلف صفات کے بھگت ملتے ہیں۔ کوئی مسیح کے زخموں پر تمام توجہ مرتکز کئے اندوھگیں رہتا ہے، کوئی مسیح کی طفولیت کا گرویدہ ہے، کوئی اس کی انسانیت پر نظر جماتا ہے شیعہ مسلمان حضرت علی کے متعلق اسی قسم کا جذبہ رکھتے ہیں۔ ویمبری ایران میں ایک درویش کو ملا جس نے کوئی تیس برس قبل یہ عہد کر لیا تھا کہ حضرت علی کے نام کے سوا اور کوئی لفظ کبھی اس کی زبان سے نہ نکلیگا۔ وہ تین برس سے بڑی سختی کے ساتھ اس عہد پر قائم تھا۔ وہ تمام دنیا پر یہ واضح کرنا چاہتا تھا کہ اس سے زیادہ اور کوئی حضرت علی کا معتقد نہیں ہے حالانکہ حضرت علی کو اس دنیا سے گزرے ہزار سال سے زیادہ گزر چکے تھے۔ بیوی بچوں سے یا احباب سے بات کرتے ہوئے صرف لفظ علی اس کے منہ سے نکلتا تھا، کھانے پینے کی ضرورت ہو، بھیک مانگنے کی یا بازار سے سودا خریدنا ہو، وہ اشاروں سے کام لیتا تھا مگر علی کے سوا کوئی لفظ منہ سے نہ نکالتا تھا۔ کوئی اس سے اچھا برتاؤ کرے یا برا وہ علی علی پکارتا رہتا تھا۔ آخرکار اس کو جنون ہو گیا اور وہ ادھر ادھر دوڑتا بھاگتا علی علی چیخ چیخ کر کہتا تھا۔ اسی وجہ سے ہر جگہ لوگ اس کو

http://www.Mypdfsite.com

ولی سمجھتے تھے (آرمینیس ویمبری کے سوانح حیات لندن ۱۸۸۹ صفحہ ۶۹)۔ حسین ابن علی کی شہادت کے روز اسی طرح شیعوں کے ھاں علی کا نام گونجتا رھتا ھے۔

ایسی نفسی کیفیت میں موصوف و معبود کی نسبت کمال درجے کی غیرت پیدا ھو جاتی ھے۔ اس کے خلاف توھین کا شائبہ بھی ھو یا کوئی پورے احترام سے اس کا ذکر نہ کرے تو پرستار کی رگ حمیت جوش میں آ جاتی ھے۔ اس کے دشمنوں کو ذلیل اور تباہ کرنا فرض بن جاتا ھے۔ اگر عقل تنگ ھو اور اور ارادہ قوی تو اس کا معتقد اس خیال میں ایسا منہمک ھوتا ھے کہ اس کے سوا اسے اور کچھ نہیں سوجھتا۔ وہ اس کے وقار کی خاطر ھر قربانی پر تیار ھو جاتا ھے، مخالفوں کے خلاف جنگ و جدل لازمی سمجھتا ھے۔ بہت سی مذھبی جنگیں اس لئے ھوتی ھیں کہ مجاھدین اپنے معبودوں کی ناموس کو بچانا چاھتے ھیں، خواہ توھین بے بنیاد ھی ھو۔ ممدوح یا معبود کی شان میں دینیات کے دفتر مرتب ھو جاتے ھیں اور اقتدار طلب کلیسا تعصبات کے شعلوں کو ھوا دیتا ھے۔ تاریخ اس کی شاھد ھے کہ جہاں مذھبی احساسات میں شدت پیدا ھوئی وھیں روا داری غائب ھوئی اور ظلم کا ظہور ھوا۔ یہ گناہ شدت عقیدت کا لازمہ معلوم ھوتے ھیں۔ مذھبی شدت کے اندر اخلاقی سخت گیری ھوتی ھے کہ جس بات کو فرض سمجھ لیا ھے اس کی ادائیگی میں اپنے آپ پر بھی ستم روا رکھا جاتا ھے اور دوسروں پر بھی۔ اس میں فرقہ بازی اور دھڑا بندی لازم ھو جاتی ھے۔ جو ھمارا دشمن ھے وہ ھمارے خدا کا دشمن ھے اور ھمارے خدا

http://www.Mypdfsite.com

کو نہ ماننے والا ہمارا دشمن ہے لہٰذا اس کے خلاف جہاد و قتال فرض ہے۔ سینا کی کیتھیرائن کو عیسائیوں کے باہمی جدال و قتال کو روکنے کی یہ تجویز سوجھی کہ ان میں انصاف و اتحاد پیدا کرنے کے لئے انہیں متحد ہو کر ترکوں کے قتل پر آمادہ کیا جائے اور ظلم و تعصب کے قبیح جذبات کا رخ ان کی طرف پھیر دیا جائے۔ مذہبی تعصب کو کوئی ظلم ظلم معلوم نہیں ہوتا۔ خود لیوتھر کا یہ حال تھا کہ انابیپٹسٹ فرقے کے لیڈروں کا قتل اور ان کے خلاف حد درجے کا ظلم و ستم اس کے دل میں پشیمانی کا کوئی احساس پیدا نہ کر سکا۔ اس نے قطعاً اس کے خلاف کوئی احتجاج نہ کیا۔ کرامول خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے دشمنوں کی گردنیں مارنے کے لئے انہیں اس کے حوالے کر دیا۔ مذہب سیاست بن جاتا ہے اور سیاست کے ساتھ اس کا متحد اور یک رنگ ہونا اس کو غیر فطری معلوم نہیں ہوتا۔ اگر آزاد خیال لوگ مذہب اور خالی تعصب کو ایک ہی شے قرار دیں تو اس الزام کو پوری طرح رفع کرنا دشوار ہے۔

متعصب انسان کا خدا ایک مستبد خدا ہوتا ہے اور عقل کی کمی کی وجہ سے ایسا ہی معبود اس کو تسلی بخش معلوم ہوتا ہے۔ یہ پہلو مذہبی جذبے کا ایک تاریک پہلو ہے۔ لیکن جب خدا کا تصور بدل جائے اور خدا ایسا نہ رہے جو اپنی عزت و عظمت کے لئے مطلق العنان بادشاہوں کی طرح ظلم کو ظلم نہیں سمجھتا تو ایسے معبود سے انسانوں کو کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ خطرناک خدا وہی ہوتا ہے جس کی عظمت اس کے عدل

http://www.Mypdfsite.com

و رحم کو سوخت کر دیتی ہے۔

غالی پن جارحانہ اور تحکمانہ طبائع میں پیدا ہوتا ہے لیکن اگر عقیدت مندی کے ساتھ طبیعت میں فطرتاً نرمی ہو مگر عقل کمزور ہو تو خدا کا پرستار اس کی محبت مین ایسا غرق ہو جاتا ہے کہ انسانوں کے لئے اس کے پاس کچھ نہیں رہتا۔ ایسی محبت معصوم معلوم ہوتی ہے لیکن قابل ستائش نہیں۔ جن لوگوں کے نفس تنگ ہیں ان میں فقط ایک ہی محبت سما سکتی ہے، کسی انسان یا مخلوق کے لئے اس میں محبت نہیں رہتی۔ خدا کی محبت ایسی صورت میں صحت مند ہونے کی بجائے مرض کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس کی مثال مارگیرٹ میری الکوک کی زندگی میں ملتی ہے۔ اس کے سوانح سے مفصلہ ذیل اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

"اس دنیا میں اگر کوئی بلند ممتاز اور شریف ہستی کسی انسان سے والہانہ محبت کرے تو اس کی زندگی میں کیا لطف و سرور پیدا ہو سکتا ہے؟ لیکن اگر وہ ہستی خدا ہو اور وہ اس قسم کی محبت کسی انسان سے کرے تو اس کیفیت کا کیا کہنا! اس تصور ہی سے مارگیرٹ کا دل محبت میں غرق ہو جاتا تھا۔ عشق الٰہی ایک سیلاب کی طرح اس کو بہا لے جاتا تھا وہ سینٹ فلپ اور سینٹ فرانسس زیوتیر کی طرح خدا کو پکار کر کہتی تھی کہ اے خدایا اس طوفان عشق کو فرو کر یا مجھ میں یہ استعداد پیدا کر کہ میں اس کو سنبھال سکوں۔ اب اس کو کشف و الہام میں آوازیں سنائی دیتی تھیں اور عجیب و غریب چیزیں نظر آتی تھیں۔ اس میں سب سے زیادہ

http://www.Mypdfsite.com

دلکش چیز مسیح کا قلب مقدس تھا - اس نے دیکھا کہ آفتاب سے زیادہ روشن شعائیں اس میں سے نکل رہی ہیں اور وہ شیشے سے زیادہ مصفا ہے - صلیب پر جو زخم اسے لگا تھا وہ بھی اس میں نمایاں تھا ، اس کے اوپر صلیب بھی تھی اور کانٹوں کا تاج بھی - مسیح نے اس کو مخاطب کر کے کہا کہ تمہارے سپرد یہ فرض کیا گیا ہے کہ اس بے پایاں محبت کو دنیا پر آشکار کرو - اس پر مسیح نے اس کا دل نکالا اور اس کو اپنے دل کے اندر رکھ کر اور محبت سے مشتعل کر کے پھر اس کے سینے میں ڈال دیا اور کہا کہ اب تک تو اپنے آپ کو میری کنیز سمجھتی تھی مگر اب تو میرے قلب مقدس کی محبوب مرید بن گئی ہے - میری محبت کی اشاعت کے لئے اب سے تو یہ کیا کر کہ عشائے ربانی کے بعد کا ہر جمعہ اس کے لئے مخصوص کر لے کہ لوگ میرے اس قلب مقدس سے رابطہ پیدا کریں اور جو ذلت و مصیبت اس پر طاری ہوئی اس کی تلافی کیا کریں - جو لوگ اس میں شریک ہونگے ان کے دل بھی میری محبت سے لبریز ہو جائینگے - "

اس کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ مسیح کے خدا کا اوتار بننے اور عشائے ربانی کی وحی کے بعد کلیسا کو اس سے زیادہ نور ہدایت اور کبھی حاصل نہیں ہوا - مسیح کے قلب مقدس کا یہ کشف ایک عظیم الشان انکشاف تھا جس کی مثال کلیسا کی تاریخ میں نہیں ملتی -

لیکن مارگریٹ میری کی زندگی میں اس کشف عظیم کا ثمرہ ہمیں کیا نظر آتا ہے ؟ — جسم و نفس کا آزار ، مسلسل دعائیں ،

http://www.Mypdfsite.com

غائب نفسی ، بیہوشی ــ خانقاہ کے کاموں کے لئے بھی وہ رفتہ رفتہ بے کار ہوتی گئی۔ اب وہ کسی قسم کے فرائض بھی ادا نہ کر سکتی تھی۔ خانقاہ کے شفاخانے میں مریضوں کی دیکھ بھال اور خدمت کے لئے اس کو مقرر کیا گیا لیکن وہاں بھی محبت و رحمت و ایثار کے باوجود اپنے فرائض ادا نہ کر سکتی تھی۔ اس کو مطبخ میں رکھا گیا کہ راہبوں کے لئے کھانا تیار کرے مگر وہاں بھی وہ کام نہ کر سکی۔ ہر شے اس کے ہاتھ سے گر جاتی تھی۔ وہ اس ناکامی کے احساس سے شرمندہ ہوتی تھی اور عاجزی کے ساتھ تلافی کرنے کی کوشش کرتی تھی مگر کسی ضبط و نظم سے فرائض کی انجام دھی اس کے لئے ممکن نہ تھا۔ لڑکیوں کی تعلیم اس کے سپرد کی گئی تو وہ اس کو ولیہ سمجھ کر اس کے کپڑوں کے ٹکڑے کاٹ کر تبرکاً اپنے پاس رکھتی تھیں مگر پڑھنے پڑھانے کا کام کچھ نہ ہوتا تھا۔ اس کا باطنی استغراق اس کو کچھ نہ کرنے دیتا تھا۔ وہ پہلے بھی دنیا کے کسی کام کی نہ تھی، اب کشف و الہام کے بعد تو وہ اور بھی بے کار ہو گئی۔ وہ گویا اس زمین پر تھی ہی نہیں اس لئے اس کو آخرکار اس کی آسمانی جنت ہی میں چھوڑ دیا گیا۔

کسی ولی کی ایسی ولایت جس میں عقل کی ایسی کمی ہو اور جہاں خدا یا مسیح کی محبت کسی کو دوسروں کی محبت اور ادائیگیٔ فرائض کے لئے بے کار اور نکما کر دے ہم جیسے پروٹسٹنٹوں اور جدید تعلیم کے لوگوں کو قابل ستائش کم معلوم ہوتی ہے اور قابل رحم زیادہ۔ مذکورہ صدر مثال سے کم تر

http://www.Mypdfsite.com

سطح پر ہمیں سینٹ گرٹ روڈ کا حال ملتا ہے جو تیرھویں صدی میں ایک بیناڈکٹین راھبہ تھی۔ اس میں مسیح کے ساتھ جو راز و نیاز اور بوس و کنار ھوتا ہے وہ ہمیں مضحکہ خیز معلوم ھوتا ہے۔ مثلاً ایک روز وہ سر درد میں مبتلا تھی تو اس نے کوئی خوشبودار چیز اپنے منہ میں رکھی۔ اس نے دیکھا کہ نہایت پیار سے حضرت مسیح اس پر جھکے اور اس کے منہ گی خوشبو سونگھنے لگے۔ اس کے بعد وہ اٹھے اور کہنے لگے کہ دیکھو میری اس منگیتر نے آج مجھے کیا نئی قسم کا تحفہ دیا ہے۔ ایک روز اس نے دیکھا کہ مسیح ایک عاشق کی طرح اس پر جھکے ھوئے ھیں اور اس کی روح کو بوسہ دے کر کہہ رہے ھیں کہ اس بوسے کے ساتھ میں اپنی الوھیت اور اپنی انسانیت تم میں منتقل کرتا ھوں۔ اب تو عشائے ربانی کے لئے اچھی طرح تیار ھو جائیگی۔ ایک اتوار کو جب وہ خدا کی عنایت کا شکر ادا کر رھی تھی اس نے مسیح کو دیکھا جس کا حسن ھزار فرشتوں کے جمال سے بڑھ کر تھا۔ خدا کا بیٹا اس سے بغل گیر ھوا۔ معلوم ھوتا تھا کہ وہ اس کی محبت پر فخر کر رھا ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے آسمانی باپ کے سامنے اس کو پیش کیا اس کمال تقدس کے ساتھ جو مسیح نے اس کو عطا کیا تھا۔ پہلے خدا نے بیتاب ھو کر اور پھر روح القدس نے اپنا تمام تقدس اس کو بخش دیا۔ خدا کی قدرت، اس کی حکمت اور اس کی محبت کاملاً اس کے اندر ڈال دی گئی۔

اب ایسی داستانوں سے ھم بیسویں صدی کے انسانوں کے

http://www.Mypdfsite.com

دلوں میں نہ یقین پیدا ہوتا ہے اور نہ احترام - ایسی ولایت کے اثمار ہمیں لغو معلوم ہوتے ہیں جو اس قدر ضعف عقل کے ساتھ وابستہ ہوں - سائنس ، فلسفہ اور جمہوریت نے مل کر ہم کو ایسے خدا پر یقین کرنے کے نا قابل بنا دیا ہے جس کا کام زیادہ تر اپنے معتقدوں پر اس قسم کی ذاتی عنایات کرنا ہے - اب ہمیں اپنے اجداد کے خدا سے مختلف خدا کی ضرورت محسوس ہوتی ہے - ہم اس کے طالب ہیں کہ انسانی روابط اور عمرانی زندگی میں عدالت و صداقت ترقی کرے - ہمیں ایسا خدا کیسے پسند آ سکتا ہے جس کا تقاضا زیادہ تر یہی ہو کہ اس کی حمد و ثنا کی جائے اور جس کی عنایتیں اپنے پسندیدہ پرستاروں تک محدود ہوں - ایسے خدا میں ہمیں کوئی وسعت قلب نظر نہیں آتی - قدیم اولیا کی ولایت جن تصورات میں محصور تھی اب وہ تصورات ہمیں نہایت ادنیٰ معلوم ہوتے ہیں اور ہمارے نفسوں میں اس سے کوئی وسعت اور بلندی پیدا نہیں ہوتی -

سینٹ ٹیریسا کی مثال لیجئے - وہ کئی حیثیتوں سے ایک قابل عورت تھی - اس کے اندر ایک قوی عاملانہ عقل بھی دکھائی دیتی ہے ، وہ نفسیات کو بڑی عمدگی سے بیان کرتی ہے ، اس کی قوت ارادی ہر صورت حال کی حریف تھی ، اس میں سیاست اور کار و بار کی بھی صلاحیت تھی ، وہ خوش مزاج بھی تھی اور ایک اعلیٰ درجے کی ادیب بھی - وہ بڑی حوصلہ مند تھی اور اپنے دینی آدرشوں کو پورا کرنے کے لئے اس نے زندگی وقف کر دی تھی - لیکن ہماری موجودہ ذہنیت کے معیار سے

http://www.Mypdfsite.com

اس کے مقاصد مجھے ایسا طفلانہ معلوم ہوتے ہیں کہ مجھے اس پر رحم آتا ہے اور افسوس ہوتا ہے کہ ایسی غیر معمولی صلاحیتوں کو اس نے کن بے کار اور گھٹیا باتوں میں ضائع کر دیا۔ اس نے بہت مصیبتیں جھیلیں لیکن اس کی طبیعت میں ہمیں کوئی گہرائی نظر نہیں آتی۔ برمنگھم کے انسیات کے ایک ماہر ڈاکٹر جورڈن نے لکھا ہے کہ نوع انسان کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ لوگ ہیں جو فعال طبیعت رکھتے ہیں، ان میں حرکت زیادہ ہوتی ہے اور وہ حساس کم ہوتے ہیں۔ ان کے بیان و اظہار میں جو زور شور دکھائی دیتا ہے وہ اس جذبے سے بہت زیادہ ہوتا ہے جو اس کا محرک تھا۔ سینٹ ٹیریسا کی نسبت یہ ایک متضاد نما بیان ہوگا لیکن حقیقت یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اسی نوع کی ایک نمایاں مثال تھی۔ اس کے اسلوب بیان اور اس کی زندگی میں ایک زور شور اور گہما گہمی دکھائی دیتی ہے۔ وہ محسوس کرتی تھی کہ اس کو اپنے نجات دہندہ مسیح سے غیر معمولی روحانی فیوض حاصل ہوتے ہیں۔ وہ انہیں فوراً سپرد قلم کر کے ان سے پیشہ ورانہ مفاد حاصل کرتی تھی۔ اور اپنے آپ کو ماہر سمجھ کر دوسروں کو تعلیم و تلقین کرتی تھی۔ اس کی انانیت اس کی پر گوئی میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس کو اپنی فطرت میں کسی اساسی شر کا احساس نہیں ہوتا جیسا کہ گنہگار پشیمان انسان کو ہوتا ہے۔ وہ اپنی خامیوں اور کمزوریوں کا ذکر کرتی ہے جن سے یہ مراد ہوتی ہے کہ یہ محض کمزوریاں اور لغزشیں ہیں۔ اس کے لگے بندھے طریق اظہار عجز میں پندار جھلکتا ہے کہ

http://www.Mypdfsite.com

دیکھو کہ مجھ جیسے نالائق انسان پر خدا نے کیا خاص عنایات کیں اور میرے قصوروں کے باوجود مجھ کو کس ممتاز انداز میں نوازا ۔ اگر کسی میں لطافت حس ہو تو وہ شکر و احسان میں دب کر خاموش ہے ۔ اس میں اِظہار تفاخر نظر آتا ہے کہ دیکھو مجھ ناچیز پر خدا نے کیا کیا غیر معمولی عنایتیں کی ہیں ۔ اس میں کچھ جاعتی شعور موجود تھا ' وہ لیوتھر کے پیرووں سے نفرت کرتی تھی اور چاہتی تھی کہ کلیسا ان پر غالب آ جائے لیکن اس کے مذہبی شعور میں عابد و معبود کے درمیان عاشق و معشوق کی چھیڑ چھاڑ بہت نمایاں ہے اور راہبہ لڑکیوں کو بھی اس نے اپنی مثال سے اسی ڈگر پر ڈال دیا ۔ اس کے علاوہ اور انسانی اغراض و مقاصد اور صلاح و فلاح سے اس کی زندگی معرا معلوم ہوتی ہے لیکن اس زمانے کا انداز فکر مذہب کے متعلق ایسا ہی تھا کہ اس قسم کی راہبہ کو بھی ولیہ سمجھ کر ایک فوق الانسان ہستی سمجھ لیا گیا ۔

آس زمانے کی ولایت میں جو ثواب عمل کا تصور ہے اس کی نسبت بھی ہم اچھی رائے نہیں رکھ سکتے ۔ ایک طرف تو یہ ہے کہ خدا نے حساب کا ایک کھاتا کھول رکھا ہے جس میں چھوٹی سے چھوٹی غلطی بھی درج ہوتی رہتی ہے اور دوسری طرف اس کی فیاضی کا یہ حال ہے کہ مخصوص بندوں پر محض اپنی عنایت سے رحم و کرم کی مسلسل بارش ہوتی ہے مگر اس کرم سے جو کچھ حال ہوتا ہے وہ ہمیں تو پھیکا اور لغو ہی معلوم ہوتا ہے ۔ ایسے خدا پر ہم تو یقین نہیں کر سکتے جو ایسا کم ظرف ہے ۔ لیوتھر نے اپنے مخصوص

http://www.Mypdfsite.com

انداز میں مردانہ وار خدا کے ساتھ اس مسلسل حساب و کتاب کے شعور کا صفایا کر دیا۔ انسانی نفس کو اس سے چھٹکارا حاصل ہوا، اس کے تخیل میں پرواز اور وسعت پیدا ہوئی اور عیسوی دینیات بہت سی لغویت سے بچ گئی۔ بندگی جب عقل سے معرا ہو تو انسان کی فلاح کے لئے وہ بالکل عبث ہو جاتی ہے۔

بھٹکی ہوئی ولایت میں پاکیزگی کا بھی ایک مبالغہ آمیز تصور پایا جاتا ہے۔ ایسے ولی کے دل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ خدا سے محبت خالص اور پاکیزہ اسی حالت میں ہو سکتی ہے کہ اس میں کسی دوسرے کی محبت کی شرکت نہ ہو۔ ماں باپ بہن بھائی دوست احباب ان میں کسی سے بھی اگر محبت کا تعلق ہو تو وہ خدا کی محبت میں مخل ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی نفس حساس ہو اور اس کے ساتھ اس میں تنگی بھی پائی جائے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو وہ کثرت و تنوع سے پریشان ہوتا اور سادہ وحدت میں آسائش محسوس کرتا ہے۔ مذہبی جذبے کے ساتھ اگر تحکم اور اقتدار پسندی بھی ہو تو ایسی صورت میں جبر و تعدی سے وحدت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہر قسم کے اختلاف کو ناقابل برداشت اور خطرناک سمجھ کر اس کا صفایا کیا جاتا ہے۔ اگر مذہبی پارسائی میں اقتدار پسندی نہ ہو تو ایک شخص تارک الدنیا ہو کر خلوت پسند ہو جاتا ہے۔ وہ دنیا کے گونا گوں اغراض و مقاصد اور دھندوں سے الگ ہو کر اپنے لئے بے رنگی کی وحدت پیدا کرتا ہے۔ وہ اپنے خلوت کدے میں ایک چھوٹی سی دنیا بنا کر مگن رہتا ہے جہاں زندگی کی گونا گونی اور کشاکش معدوم ہوتی ہے۔

http://www.Mypdfsite.com

کلیسا نے مذہبیت کے دونو طریقوں کو تسلیم کیا ہے۔ ایک طرف مجاہدانہ انداز ہے جو انسانوں میں وحدت پیدا کرنے کے لئے ہر قسم کے ظلم و ستم کو روا رکھتا ہے، جس نے ذرا بھی اختلاف کیا اس کو قید و بند میں ڈال دیا دہشت ناک جسمانی آزار پہنچایا، جلا دیا یا قتل کر دیا۔ دوسری طرف وحدت حیات فرار اور گریز سے پیدا کی جاتی ہے جس کی پیداوار راہبوں کی خانقاہیں اور رہبانی سلسلے ہیں۔ کلیسائے مجاہد اور کلیسائے حیات گریز دونو کا مقصد واحد ہے اگرچہ بظاہر حصول مقصد کے طریقے مختلف اور متضاد دکھائی دیتے ہیں۔ وہ مقصد یہی ہے کہ زندگی کی کثرت اور اس کے تنوع کو ختم کرکے اس کو سادہ و یک رنگ کر دیا جائے جہاں نہ کوئی اختلاف رہے اور نہ مقاصد کی کشاکش۔ جو نفس باطنی پیکار سے گھبراتا ہو وہ یکے بعد دیگرے تمام تعلقات سے کنارہ کش ہو جاتا ہے کیونکہ ہر تعلق اس کو اپنی روحانی زندگی میں دخل انداز معلوم ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تمام تفریحات کو لہو و لعب کہ کر ترک کیا جاتا ہے، اس کے بعد انسانوں سے میل جول اور ہر قسم کا کاروبار اور ذریعہ روزگار چھوڑا جاتا ہے، اس کے بعد ماں باپ بال بچوں اور تمام عائلی روابط سے کنارہ کشی ہوتی، ہے آخر میں فقط خلوت اور عبادت رہ جاتی ہے اور اس کے سوا اور کوئی چیز قابل برداشت نہیں رہتی۔ اولیا کی زندگیاں دام علائق سے چھٹکارے کی سعیٔ مسلسل کی داستانیں ہیں۔ یہ سب تزکیہ کی کوششیں شمار ہوتی ہیں کیونکہ ہر انسانی رابطہ

http://www.Mypdfsite.com

ولی کو ملوث کرتا ہے ۔ ایک نوجوان راہبہ اپنی مرشدہ سے پوچھتی ہے کہ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ میں تفریح کے وقت بھی کوئی بات نہ کروں کیونکہ بات کرنے میں غیر شعوری طور پر کسی گناہ میں گرنے کا احتمال موجود رہتا ہے اور سکوت میں نجات ہے ؟ اگر اجتماعی زندگی میں لازماً حصہ بھی لیا جائے تو اس کو لگے بندھے قواعد میں منضبط کر دیا جاتا ہے اور ان ضوابط سے سر مو انحراف بھی روحانی پاکیزگی کے لئے باعث خطر شمار ہوتا ہے ۔ چھوٹے چھوٹے افعال میں بھی ایسی مسلسل یکسانی جو راہبانہ اور غیر راہبانہ دونو قسم کی تنظیموں اور سلسلوں میں لازم ہوتی ہے وہ دنیا دار انسان کے تصور میں بھی نہیں آسکتی ۔ لباس ، کھانا پینا ، بات چیت ، تمام عادات و اطوار معین اور اٹل ہوتے ہیں ۔ بعض طبائع فطرتاً ایسی ہوتی ہیں کہ تفصیلات حیات میں بھی مطلق یکسانی اور یک رنگی اور تازگی سے ان کو راحت اور سکون محسوس ہوتا ہے ۔

نفس کو ہر قسم کے انسانی علائق سے الگ کرکے پاکیزہ اور غیر ملوث رکھنے کی مبالغہ آمیز مثالیں بے شمار ملتی ہیں ۔ ہم صرف ایک مزید مثال پر قناعت کرینگے ۔ سینٹ لوئی آف گونزاگا نے اس معاملے میں ایسی شدت برتی جس کو پوری طرح قابل ستائش سمجھنا ہمارے لئے دشوار ہے ۔ اس کا سوانح نگار لکھتا ہے :

''دس برس کی عمر میں اس کو الہام ہوا کہ تم اپنی جنسی عفت کو مادر الہ حضرت مریم کی نذر کر دو جو اس کو تمہاری طرف سے بہترین تحفہ سمجھینگی ۔ اس نے نہایت

http://www.Mypdfsite.com

درجہ اشتیاق کے ساتھ شاداں و فرحاں اس کو قبول کر لیا اور دائمی عفت کا عہد کیا۔ حضرت مریم نے اس کی نذر قبول کرتے ہوئے اس کو یہ خوشخبری دی اور بطور جزا خدا کی اس عنایت کا پیغام اس کو دیا کہ تمہیں اس معاملے میں عمر بھر کوئی ہلکی سی ہلکی تحریک بھی نہ ہو گی۔ یہ عنایت کبھی اولیا پر بھی نہ ہوئی تھی اور یہ اس لئے بھی حیرت انگیز تھی کہ لوئی درباروں میں اور ایسے لوگوں میں رہتا تھا جہاں جذبۂ جنسی کے لئے خطرات و مواقع بے شمار تھے۔ یہ درست ہے کہ لوئی کو شروع ہی سے جنسی تحریکات سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ اس کے باوجود اس عہد کے بعد اس معاملے میں وہ ہر طرح اپنی حفاظت میں کوشاں رہتا تھا۔ یہ خیال ہو سکتا ہے کہ عام عیسائیوں کے لئے اس بارے میں جو ہدایت کافی ہے وہ بدرجۂ اولیٰ اس کے لئے کافی ہو سکتی تھی لیکن اس کو اس قدر خوف طاری رہتا تھا کہ جہاں نہایت ہلکا سا بھی احتمال ہو سکتا تھا اس کے انسداد کے لئے وہ غیر معمولی حفاظت کے طریقے سوچتا تھا۔ جس طرح اس کی بدن آزاری کی کوئی انتہا نہ تھی اسی طرح جنسی تحریک سے گریز بھی بے حد تھا۔ حالانکہ خدا نے اس کی عصمت کا ذمہ لے لیا تھا اور اس کو یقین دلا دیا تھا وہ اس معاملے میں اس طرح پھونک پھونک کر قدم رکھتا تھا گویا وہ چاروں طرف سے خطرات میں محصور ہے۔ مجلس میں بھی اور بازار میں بھی وہ آنکھیں نیچی رکھتا تھا۔ وہ عورتوں سے کسی قسم کا واسطہ نہ رکھتا تھا اور ان سے بات تک نہ کرتا تھا

http://www.Mypdfsite.com

چہ جائیکہ کسی تفریح میں ان کے ساتھ شامل ہو حالانکہ اس کا باپ چاہتا تھا کہ وہ اس طرح الگ تھلگ نہ رہے۔ اس نے کم عمری ہی میں جسم آزاری کے لئے ریاضتیں شروع کر دیں۔

"بارہ برس کی عمر میں اس کا یہ حال تھا کہ اگر اس کی ماں کسی ملازمہ کو کوئی پیغام دے کر اس کے پاس بھیجے تو وہ اسے کمرے کے اندر نہ آنے دیتا تھا۔ وہ دروازے کو ذرا سا کھول کر باہر ہی سے بات کر کے واپس ہو جاتی تھی۔ وہ دستر خوان پر یا گفتگو میں اپنی ماں کے پاس بھی تنہائی میں بیٹھنا پسند نہ کرتا تھا۔ جب اور لوگ چلے جائیں تو وہ ماں کے پاس سے اٹھ جاتا تھا۔ اپنی رشتہ دار معزز عورتوں کو اس نے کبھی دیکھا بھی نہیں۔ اس نے باپ کے ساتھ یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ میں آپ کا ہر قسم کا حکم بجا لانے کو تیار ہوں سوائے اس کے کہ مجھے کبھی کسی غرض کے لئے بھی عورتوں کے پاس نہ بھیجا جائے۔"

"سترہ برس کی عمر میں وہ جیسوئٹ سلسلے میں داخل ہو گیا۔ اس کے باپ نے منت سماجت سے اس کو روکنے کی کوشش کی کیونکہ وہ شاہی خاندان کا فرد تھا۔ اس کے ایک سال بعد جب اس کا باپ وفات پا گیا تو اس نے اسے خدا کی مخصوص عنایت سمجھا۔ اظہار افسوس کی بجائے اس نے اپنی غمزدہ ماں کو پند و نصائح کے خطوط لکھے جیسے کوئی مرشد اپنے مرید کو ہدایت کر رہا ہو۔ وہ ایسا پکا راہب ہو گیا کہ اگر کوئی اس سے پوچھتا کہ تمہارے کتنے بہن بھائی ہیں تو گننے کے لئے اس کو سوچنا پڑتا۔ ایک پادری نے اس سے پوچھا

http://www.Mypdfsite.com

کہ اپنے کنبے کا خیال بھی کبھی تمہارے دل میں گزرتا ہے ؟
اس نے جواب دیا کہ ہاں ، فقط اس وقت جب میں ان کے لئے
دعا کرتا ہوں ۔ وہ کبھی کوئی پھول یا خوشبو نہ سونگھتا تھا کہ
مبادا اس کو کچھ لذت محسوس ہو ۔ اس کے برخلاف وہ شفاخانہ
میں بدبودار اور نفرت انگیز چیزوں کو ڈھونڈتا تھا ، ناسوروں
پر کی خون اور پیپ سے آلودہ پٹیاں وہ اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں
میں سے چھین کر چھوتا اور سونگھتا تھا ۔ دنیا داری کی گفتگو
سے پرہیز کرتا تھا یا مضمون بدل کر کوئی مذہبی بات کرنے
لگتا تھا یا خاموش رہتا تھا ۔ وہ اپنے ماحول سے بالکل غافل
رہتا تھا ، اس کو یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ اس کے گرد و پیش
کیا ہے اور کون کہاں بیٹھتا اور کیا کرتا ہے ۔ ایک روز اس
سے کہا گیا کہ رکٹر کی نشست پر سے فلاں کتاب اٹھا لینا
تو وہ پوچھنے لگا کہ رکٹر کہاں بیٹھتا ہے حالانکہ تین ماہ سے
وہ اس کے کمرے میں اس کے پاس بیٹھ کر کھانا کھا رہا تھا ۔
وہ نظر نیچی کئے ہوئے آتا جاتا اور بیٹھتا تھا اس لئے اس کو علم نہ
ہوتا تھا کہ وہ کہاں ہے اور دوسرے کون لوگ وہاں موجود ہیں ۔
ایک مرتبہ اس سے چوک ہو گئی کہ اس نے نظر اٹھا کر اپنے
ایک ساتھی کو دیکھ لیا ۔ اس نے اس حرکت کو حیا کے خلاف
ایک گناہ عظیم تصور کیا ۔ اس نے سکوت کی مشق کی تا کہ
زبان کے گناہوں سے بچا رہے ۔ اس کے ہادیوں نے اس کی جسم
آزاری کے حدود مقرر کر دئے تھے کہ اس سے متجاوز نہ ہو ۔
اب وہ کوشش کرتا تھا کہ اس پر کوئی غلط الزام ہی لگ
جائے اور کوئی شخص بے جرم ہی اس کو لعنت ملامت کرے

http://www.Mypdfsite.com

تا کہ اس کو عجز و انکسار کا موقع ملے۔ اس کی اطاعت کا یہ حال تھا کہ ایک روز اس کے ہم کمرہ نے اس سے لکھنے کے لئے کاغذ مانگا۔ اس نے کہا کہ میں ہادی کی اجازت حاصل کئے بغیر ہرگز نہ دونگا کیونکہ فرشتہ خدا کا قائم مقام ہے اور احکام الٰہی اس کے وسیلے سے صادر ہوتے ہیں۔''

اب آپ خود ہی غور کر لیجئے کہ اس قسم کی روحانیت سے خود لوئی کو یا دوسرے انسانوں کو کیا حاصل تھا؟ ۱۵۹۱ء میں انتیس برس کی عمر میں اس کا انتقال ہو گیا۔ کلیسا اس کو تمام نوجوانوں کا مربی ولی قرار دیتا ہے۔ روما کے ایک کلیسا میں ایک چیپل اس کے لئے وقف ہے۔ جب اس کا عرس ہوتا ہے تو اس کا مذبح پھولوں سے مزین ہوتا ہے اور اس کے دامن میں نوجوانوں کی عرضیوں کا ڈھیر ہوتا ہے۔ یہ عرضیاں اس ولی کو جنت میں بھیجنے کے لئے لکھی جاتی ہیں۔ کسی کو ان کے پڑھنے کا حکم نہیں۔ جن عرضیوں میں کچھ امیدوں کا اظہار ہے وہ سبز فیتے میں بندھی ہوتی ہیں اور جن میں محبت کے تقاضے ہیں ان پر سرخ فیتہ ہوتا ہے۔

اسٹار بک کے مجموعہ میں سے ایک اور مثال پیش کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ کس طرح قطع علائق سے تزکیہ کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسٹار بک لکھتا ہے کہ تزکیہ نفس میں کوشاں لوگ اکثر جادۂ معمول سے ہٹ جاتے ہیں۔ وہ دوسروں کے ساتھ نبھا نہیں سکتے، وہ بعض اوقات کلیسا سے بھی قطع تعلق کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کلیسا بھی دنیاداری ہی کا ایک نظام ہے۔ ہر شخص کی نسبت اور ہر بات میں

http://www.Mypdfsite.com

مخالفانه تنقید ان کا شیوہ بن جاتا ہے وہ اپنے معاشرتی سیاسی اور مالی فرائض ادا نہیں کر سکتے۔ ایک انسٹھ برس کی بڑھیا کا حال لکھا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ ہر قسم کے کلیسائی نظام سے الگ ہو گئی۔ تمام انسانوں سے بے تعلق ہو کر ایک سستے بورڈنگ ہوس میں رہتی تھی، کسی سے کوئی واسطہ نہ رکھتی تھی مگر اس میں وہ بہت خوش تھی۔ اس کا شغل بس یہ تھا کہ تزکیہ کے متعلق پادر ہوا خطیبانہ رسالے لکھتی تھی۔ وہ کہتی تھی کہ خدا نے مجھ سے کہا کہ کلیسا میں جانا چھوڑ دو، عبادت کی محفلوں میں مت جاؤ، اپنی کوٹھڑی میں خلوت گزیں ہو جاؤ، میں تمہیں خود ہدایت کا راستہ بتاؤں گا۔ اس نے بیان کیا کہ اب خدا براہ راست مجھے تعلیم دیتا ہے اور میں کسی مذہبی پیشوا یا کلیسا کی محتاج نہیں رہی۔ دنیا سے بھی بے تعلق اور تنظیمات سے بھی بے تعلق ہو کر وہ نہایت مطمئن معلوم ہوتی تھی۔

ایسی زندگیوں کی قدر و قیمت کو جانچنے کے لئے انسان جو معیار اختیار کرے گا اس کا مدار اس پر ہو گا کہ پرکھنے والے کے پاس خدا کا کیا تصور ہے اور اس کا خدا اپنے بندوں سے کس قسم کے اعمال کا طالب ہے۔ سولھویں صدی کا کیتھولک مذہب معاشرتی عدل و اصلاح کی طرف کم متوجہ تھا، محض اپنے نفس کی خیر منانا اور دنیا کو شیطان کے حوالے کرنا کوئی مذموم روش نہ تھی لیکن اب اسے کوئی صحیح سمجھے یا غلط واقعہ یہ ہے کہ تہذیب و تمدن میں جو انقلابات ہوئے ہیں ان کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم کسی کی سیرت کی قیمت اس سے لگاتے

http://www.Mypdfsite.com

ھیں کہ وہ کہاں تک فلاح عامہ یا بہبود خلق میں معاون ھے، عوامی یا نجی طور پر کوئی مفید خدمت کرنا ایک قسم کی عبادت ھی شمار ھوتا ھے۔ قدیم زمانے کے جیسوئٹ خصوصاً مبلغ قسم کے لوگ جیسے کہ زیوبر، بریبوف اور یوگ تھے خارجی زندگی کی اصلاح پر بھی نظر رکھتے تھے، اسی لئے ان کی زندگیاں اب بھی ھمارے لئے چراغ ھدایت ھیں۔ لیکن یہ دوسرے نفس کشی اور حیات گریز ولی جن کی عقل بس اتنی ھی تھی جتنی کہ ماش پر سفیدی ان کا خدا بھی ان کی طرح تنگ نفس تھا اس لئے ان کی شجاعانہ مساعی کے باوجود ان کی کوششیں ھمیں لغو معلوم ھوتی ھیں۔ پاکیزگیٔ نفس کی خاطر زندگی سے گریزاں ھونا کہ کہیں دامن تر نہ ھو جائے انسان کے تمام قوائے کو معطل کر دیتا ھے اور سلبی قسم کی پارسائی انسان کو کسی مفید کام کے نا قابل بنا دیتی ھے۔ تھوڑا بہت ملوث ھونے کے باوجود بحیثیت مجموعی مفید زندگی بسر کرنا اس تقدس سے بدرجہا افضل ھے۔

اب ھم پارسائی کے تیسرے عنصر رحم و راحت کو لیتے ھیں اور دیکھتے ھیں کہ اس صفت میں بھی مبالغہ کیا صورتیں اختیار کرتا ھے۔ اس بارے میں پارسائی پر یہ الزام لگایا جاتا ھے کہ یہ ایسے لوگوں کی حمایت اور حفاظت کرتی ھے جن میں حیات صالح کی صلاحیت نہیں۔ نکمے لوگوں کی حمایت کرنا کوئی متحسن فعل نہیں۔ انجیل میں ھے کہ بدی میں بدوں کی مزاحمت نہ کرو اور اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرو۔ دنیا داروں کو یہ ھدایتیں نا قابل عمل بلکہ نقصان رساں معلوم ھوتی ھیں۔

http://www.Mypdfsite.com

اب فیصلہ یہ کرنا ہے کہ اس معاملے میں روحانیت کے مدعی سچے اور کسی گہری صداقت کے حامل ہیں یا دنیا دار راستی پر ہیں۔

اس سوال کا کوئی مختصر اور قطعی جواب مشکل ہے۔ واقعات اور نصب العین کی کشاکش اور اخلاق زندگی کی پیچیدگی اس معمے کا کوئی آسان حل پیش کرنے میں مزاحم ہے۔

کسی عمل کی خوبی اور کمال کا انحصار تین عناصر کے باہمی ربط پر ہے: عامل، اغراض عمل اور وہ شخص جس کے لئے عمل کیا گیا۔ ان تینوں میں ربط اور موافقت نہ ہو تو کردار میں نقص باقی رہیگا۔ اچھی سے اچھی نیت کو اگر عملی جامہ پہنانے میں غلط اور باطل وسائل استعمال کئے جائیں یا جس کے لئے وہ عمل کیا گیا ہے اگر وہ موزوں اور مناسب انسان نہ ہو تو نتیجۂ عمل میں ضرور خلل ہوگا۔ اس لئے کردار کا کوئی نقاد یا اس کی قیمت کا اندازہ لگانے والا محض عامل کی نیت کو مد نظر رکھ کر اور دوسرے دو عناصر کو نظر انداز کر کے صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اگر سننے والا کسی قول حق کا غلط مطلب سمجھ لے تو اس کی غلط فہمی کا نتیجہ باطل سے بھی بد تر ہوگا۔ اسی طرح نا معقول بد بخت سیہ کار سنگ دل مجرموں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے کی بجائے ہمدردی فراخ دلی اور عدل و رحمت سے کام لینا ایک احمقانہ فعل ہوگا کیونکہ ان لطیف صفات پر عمل کرنے کا نتیجہ نہایت برا نکلیگا۔ بد انسان کو بدی کے مواقع حاصل رہینگے اور شریروں کے شر کی روک ٹوک نہ ہو سکیگی۔ ایک لطیف الحس روحانی شخص

http://www.Mypdfsite.com

اپنے رحیمانہ اندز عمل سے دنیا کو دشمنوں کے حوالے کریگا۔ اس کے عمل میں یہ امکان ہے کہ اشقیا کا غلبہ سعیدوں کے وجود ہی کو دنیا سے ناپید کر دے۔

ہربرٹ اسپنسر اپنے فلسفۂ اخلاق میں لکھتا ہے کہ کامل انسان کا کامل کردار ایک کامل ماحول ہی میں ممکن ہو سکتا ہے۔ اگر ماحول میں خلل اور نقص ہے تو کردار کی بلندی اس کے اندر موزوں نہیں ہو سکتی۔ اولیا کی طرح عمل کرنا وہیں اچھے نتائج پیدا کر سکتا اور قابل قبول ہو سکتا ہے جہاں اولیا ہی کا معاشرہ ہو اور سب کے سب ولی ہوں۔ لیکن جہاں اولیا کم ہوں اور شیاطین زیادہ، اعلیٰ درجے کے نیک کم اور ادنیٰ درجے کے بد بہت، وہاں کسی کا ولیوں کے سے اخلاق برتنا ناموزوں ہوگا۔ اس دنیا میں عام انسانوں کا جو حال ہے اس میں محض عفو و در گذر اور رحمت و رافت کے جذبات اگر ایک حد سے بڑھ جائیں اور بد لوگ سزا اور انتقام سے بے خوف ہو جائیں تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ اخوان الشیاطین اس رحمت مطلقہ سے ناجائز فائدہ اٹھائینگے۔ صدقہ و خیرات ہی کو دیکھ لیجئے۔ جب تک یہ بات تھی کہ جو شخص محتاج و مسکین تھا یا جس نے مسکین کے طور پر اپنے آپ کو پیش کیا اس کو خیرات دے دی گئی اس کے نتائج اچھے نہ تھے۔ بعض لوگوں کو گدا گری کا چسکا پڑ گیا، بعض لوگ جھوٹ بول کر سخی لوگوں سے کچھ حاصل کر لیتے تھے اور اس کو غلط کاموں میں استعمال کرتے تھے۔ غرضیکہ محض رحم اور سخاوت کے نتیجے بعض حالتوں میں خراب نکلتے

http://www.Mypdfsite.com

تھے اگرچہ دینے والوں کی نیت اچھی ہی ہوتی تھی ۔ ان خراب نتائج کو دیکھ کر بعض قوموں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس انفرادی خیرات و زکات کی بجائے محتاجوں اور مسکینوں اور مریضوں کے لئے معقول تنظیمات ہونی چاہئیں جو خیرات کو باقاعدگی سے جمع کر کے اس کو صحیح مصرف میں لائیں ۔ افراد کی انفرادی سخاوت کا رحم دلی اور نیک نیتی کے باوجود نتیجہ اچھا نہ نکلتا تھا اس لئے کہ طریق عمل ناقص تھا اور لینے والوں میں خلل تھا یا خیرات کی عادت سے خلل پیدا ہو جاتا تھا ۔ دنیاوی مملکتوں میں منظم حکومت اور تقریر و سیاست کی ضرورت اس حقیقت کی شاہد ہے کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسرا گال آگے کر دینے سے کام نہیں چل سکتا اور شریروں کے شر کو سزا کے ذریعے سے روکنا لازمی ہے ۔ انجیل میں جو کچھ لکھا ہے اور کویکر جو کچھ کہتے ہیں اور ٹالسٹائی جو تعلیم دیتا ہے کہ جنگ ناجائز ہے اور بدی کا بدلہ نیکی سے دینا چاہئے اس قسم کی تلقین کو سن کر بھی عیسائی قومیں اور حکومتیں قید خانے بھی رکھتی ہیں ، چوروں اور ڈاکوؤں اور دغابازوں کو سزائیں بھی دیتی ہیں اور شریروں کے شر کو قوت کے استعمال سے رفع کرتی ہیں ۔ انسان کا عملی تجربہ یہی ہے کہ شر سے چشم پوشی اور ظلم کے خلاف رحمت کا استعمال اکثر برے نتائج ہی پیدا کرتا ہے ۔

اس کے باوجود ہم سب کو اس کا احساس ہے کہ اگر دنیا میں فقط سزا ، انتقام اور سختی ہی کے طریقے ہوتے اور سنگدلوں کے مقابلے میں ہمیشہ سنگدلی ہی سے کام لیا جاتا اور

http://www.Mypdfsite.com

ایسے انسان کہیں نہ ملتے جو محتاج کی مدد اس تحقیق کے بغیر کرتے ہیں کہ وہ مستحق بھی ہے یا نہیں، جو کسی ظالم کے ظلم سے نقصان اٹھانے کے باوجود اس سے انتقام لینے کی بجائے اس کو قابل رحم سمجھتے ہیں، جو انسانوں کے متعلق حسن ظن رکھنے کی وجہ سے اکثر اوقات دھوکا کھاتے ہیں لیکن اپنی روش اور طبیعت کو نہیں بدلتے، جو انسانوں کے ساتھ مصلحت اندیشی سے نہیں بلکہ محض جذبۂ الفت و محبت سے اچھا سلوک کرتے ہیں، تو ہماری اس دنیا کی حالت موجودہ صورت سے بھی زیادہ بد تر ہوتی۔ نوع انسان کے متعلق اچھی توقعات منقطع ہو جائیں اگر انسان انسانیت سے نا امید ہو جائیں، اگر یہ امید اور یہ تصویر نہ رہے کہ اس قسم کا حسن سلوک سعادتمند انسانوں کی بدولت عام ہو کر انسانوں کی فطرت بن سکتا ہے۔

یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے اولیا و انبیا کی رحمت و رافت جو ہمیں اعتدال سے متجاوز معلوم ہوتی ہے انسانوں کی اصلاح پذیری کی پیش بینی ہو۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ کسی نبی یا ولی نے کسی شخص کے عاصیانہ اور مجرمانہ ماضی اور اس کی خراب سرگذشت کو جانتے ہوئے بھی اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جو شریف شریفوں کے ساتھ کرتے ہیں اور اس طرح سے اس کے اندر مضمر ممکنات خیر کو بیدار کیا، اس کو یقین دلایا کہ میں تم سے نیکی کی توقع رکھتا ہوں کیونکہ تم اصل میں اچھے آدمی ہو، اس طرح سے اس شخص کے کردار میں اچھی مثال اور توقع خیر سے حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو گیا۔ اس لحاظ سے اولیا کے اندر جو مہر و رافت ہمیں حد اعتدال

http://www.Mypdfsite.com

سے متجاوز معلوم ہوتی ہے وہ در حقیقت ایک تخلیقی قوت ہے جو انسانوں کے اندر وہ نیکی پیدا کر سکتی ہے جسے ایک ولی ممکن سمجھتا ہے ۔ اس امکان پر یقین رکھتے ہوئے بدوں سے بھی نیکی کا سلوک کرنا بدوں کی قلب ماہیت بھی کر سکتا ہے ۔ اولیا نیکیوں کو پیدا کرتے اور ان میں اضافہ کرتے ہیں ۔ انسانی نفوس کے ممکنات لامتناہی ہیں ۔ گناہگاری میں پختہ لوگ جن کی اصلاح کی توقع کسی کو نہ ہو سکتی تھی بعض اوقات ایسا پلٹا کھاتے ہیں اور ایسے نیک بن جاتے ہیں کہ دوسروں کے علاوہ خود ان کو یہ انقلاب ایک معجزہ معلوم ہوتا ہے ۔ کسی انسان کی نسبت بھی یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ کسی حالت میں بھی محبت اس کے لئے باعث نجات نہیں بن سکتی ۔ کسی ظالم سے ظالم انسان کے متعلق بھی یہ کہنا دشوار ہے کہ اس کی اصلاح نا ممکن ہے ۔ انسانی نفس کی گہرائیاں اور پیچیدگیاں ، جذبات کی دبی ہوئی چنگاریاں ، تحت الشعور کی قوتیں اور صلاحیتیں پوری طرح نہ اپنے آپ پر آشکار ہوتی ہیں اور نہ دوسروں پر ۔ انسانی سیرت کے بعض پہلو اوجھل رہتے ہیں لیکن کسی وقت کسی مثال یا کسی واقعہ سے یہ خفیہ اور خفتہ قوتیں آشکار و بیدار ہو جاتی ہیں ۔ سینٹ پال نے ہمارے اجداد کو یہ یقین دلایا تھا کہ ہر انسانی روح اپنی ماہیت میں مقدس ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ مسیح نے تمام نوع انسان کے لئے اپنی قربانی کی اس لئے کسی فرد کی نسبت بھی ہم کو ناامید نہ ہونا چاہئے ۔ ہمارے زمانے میں جو اکثر لوگوں کے دلوں میں یہ خیال ترقی کر رہا ہے کہ سزائے موت کو منسوخ

http://www.Mypdfsite.com

ھونا چاھئے یا سزاؤں میں وحشیانہ پن دور کرنا چاھئے یہ اسی عقیدے کے اظہار کی مختلف صورتیں ھیں کہ روح انسانی اپنی ماھیت میں مقدس ھے۔ اسی یقین کی بدولت طرح طرح کے اصلاحی اور رفاہ عام کے ادارے قائم ھوتے ھیں۔ خدا دوست اولیا میں جو غیر معمولی جذبۂ رحمت پایا جاتا ھے وہ انہیں تنویر ضمیر کے لئے شمع ھدایت کا کام دیتا ھے۔ ان کی رحمت رحمت عامہ کا پیش خیمہ بن جاتی ھے۔ یہ لوگ کاروان انسانیت میں آواز درا کی طرح آگے آگے چلتے ھیں۔ ابھی نوع انسان ان سے بہت پیچھے ھے، اسی لئے دنیا داروں کو یہ لوگ عملی زندگی سے بے بہرہ اور حکمت عملی سے نا آشنا دکھائي دیتے ھیں۔ دنیا دار سمجھتا ھے کہ یہ درویش پا در ھوا باتیں کرتے ھیں لیکن حقیقت یہ ھے کہ یہ اللہ والے انسانیت کے لئے سرمایۂ حیات اور ممکنات خیر کو معرض وجود میں لانے والے ھیں جو ان کے بغیر ظہور میں نہ آ سکے۔ دنیا میں ایسے لوگوں کے وجود کا ھم پر یہ اثر ھوتا ھے کہ ھماری فطرت اپنی پستیوں سے کسی قدر بلند ھو جاتی ھے۔ دنیا میں دیے سے دیا جلتا ھے، ان لوگوں کی بدولت انسانی روح کی قدر و قیمت کا جو یقین پیدا ھوتا ھے اس کے بغیر ھماری روحانی زندگی میں فساد کی بدبو پیدا ھو جاتی۔

سرسری طور پر ایسا معلوم ھوتا ھے کہ ایک اللہ والے کو اپنے جوش رحمت نے ابلہ بنا رکھا ھے، نہ اس کی زندگی ھم کو قابل تقلید دکھائی دیتی ھے اور نہ اس کی تعلیم اور پند و نصائح قابل عمل، لیکن معاشرتی زندگی کے اصلاحی ارتقا میں ایسے

http://www.Mypdfsite.com

لوگوں کا رحیمانہ زاویہ نگاہ بھی ایک موثر عامل ہے۔ انسانی ارتقا کے لئے ہر اہم مرحلے میں کسی نہ کسی کو جرأت سے کام لینا پڑتا ہے خواہ وہ جرأت فکر و عمل مفاد عاجل کے پرستاروں کو پر خطر ہی معلوم ہو۔ انسانیت نے ایسے ہی لوگوں کی بدولت ترقی کے قدم اٹھائے ہیں جو ابتدائی لوگوں کو نا معقول معلوم ہوتے تھے۔ جب تک کوئی شخص انتقام کی بجائے عفو و رحمت کا تجربہ نہ کرے وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ اس طریق عمل میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگ جرأت کے ساتھ زندگی میں ایسے تجربے کرتے ہیں اور جب انہیں کامیابی ہوتی ہے تو وہ ایسی ہوتی ہے جو محض مادی قوت اور دنیاداری کی مصلحت اندیشیوں سے ممکن نہ ہو سکتی تھی۔ محض مادی قوت دشمنوں کو تباہ کر سکتی ہے اور مصلحت اندیشی زیادہ یہ کر سکتی ہے کہ جو سامان ہمارے پاس ہے وہ محفوظ رہے۔ لیکن عفو و رحمت سے دشمن تباہ ہونے کی بجائے دوست بن جاتے ہیں اور ان کے دلوں کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ نبوت و ولایت کی قوتیں تخلیقی قوتیں ہیں۔ ان کی قوت ایمان ان کی صداقت کے لئے سند ہوتی ہے۔ ضعیف الاعتقاد انسان جن حالتوں میں صرف مصلحتوں کی بنا پر سوچتے اور عمل کرتے ہیں صاحبان بصیرت کا ایمان ان کو ایسا غلبہ عطا کرتا ہے کہ مزاحم قوتیں ان کے سامنے سر نگوں ہو جاتی ہیں۔ اللہ والے نوع انسان کو اس ایمان کا تحفہ دیتے ہیں کہ عارضی دنیاوی مصلحتوں سے فائق طرز فکر و عمل بھی موجود و موثر ہو سکتا ہے۔

http://www.Mypdfsite.com

میں جون پیٹن ایک مسیحی مبلغ کے خود نوشتہ سوانح میں سے ایک واقعہ نقل کرتا ہوں۔ وہ لکھتا ہے کہ اچھے مبلغ میں عدم تشدد کے ساتھ ایک قسم کا شخصی اقتدار بھی ہوتا ہے جو اس کے ایمان سے پیدا ہوتا ہے۔ نیو ہبریڈیز میں میلانیسی، مردم خور وحشی رہتے تھے۔ پیٹن ان میں رہا اور جرأت سے تبلیغ کا کام کرتا رہا مگر کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اسے قتل کر دے یا ضرر پہنچائے۔ جن لوگوں نے اس کی تبلیغ سے دین عیسوی قبول کیا ان میں بھی ایسی ہی جرأت اور شخصی اقتدار پیدا ہو جاتا تھا۔ ایک سردار مسیحی ہو گیا تھا۔ اس میں بھی ویسا ہی جوش تبلیغ پیدا ہوا تو اس نے ایک وحشی سردار کو پیغام بھیجا کہ میں چار اور ساتھیوں کے ساتھ اتوار کے روز تمہارے پاس اس غرض سے آؤنگا کہ تم تک خدا کا پیغام پہنچاؤں۔ وہاں سے جواب آیا کہ اگر تم اس غرض سے ادھر آئے تو تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو ہم مار ڈالینگے۔ مسیحی سردار نے اس کو یہ جواب دیا کہ ہمارے خدا نے ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ ہم بدی کا بدلہ نیکی سے دیں اس لئے ہم بے ہتھیار تمہارے پاس آئینگے تا کہ تم کو بتائیں کہ خدا کے بیٹے نے اپنے دشمنوں کی بخشش کے لئے بھی جان دی۔ وحشی سردار نے پھر کہلا بھیجا کہ اگر تم اس غرض سے آئے تو مارے جاؤ گے۔ اتوار کے روز یہ لوگ گئے تو وحشی سردار نے گاؤں سے باہر نکل کر ان کو سمجھایا اور ڈرایا کہ اگر جان کی خیر چاہتے ہو تو گاؤں میں داخل نہ ہونا۔ مسیحیوں نے کہا کہ ہم بے ہتھیار فقط مسیح کا پیغام تجھے

http://www.Mypdfsite.com

پہنچانے آ رہے ہیں ، ہمیں یقین ہے کہ وہ ہماری حفاظت کریگا۔

جب وہ گاؤں کے قریب پہنچے تو برچھیاں ان پر برسنے لگیں۔ یہ عیسائی خود فن جنگ کے ماہر تھے اس لئے ان سے اپنا بچاؤ کرتے گئے۔ بعض برچھیاں ان کے ہاتھوں میں بھی آ گئیں لیکن دشمن پر واپس پھینکنے کی بجائے ان کو ادھر ادھر پھینک دیا۔ وحشی اس سے ایسے حیرت زدہ ہوئے کہ انہوں نے حملہ بند کر دیا۔ اس پر عیسائی سردار نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھو ہمارے خدا نے ہماری کیسی حفاظت کی ہے ، اس نے تمہاری برچھیاں ہمارے ہاتھوں میں دے دیں ، ہم انہی برچھیوں سے تم کو ہلاک کر سکتے تھے مگر ہم نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ہم تم سے لڑنے نہیں آئے بلکہ مسیح کا پیغام پہنچانے آئے ہیں ، اس نے ہمارے تاریک دلوں کو منور کر دیا ہے ، اب وہ تم سے بھی اس کا طالب ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں کو برطرف کر کے ہمارے آسمانی باپ کی باتیں سنو جو ایک واحد زندہ خدا ہے۔ وحشی بالکل مرعوب ہو گئے اور سمجھنے لگے کہ ایک ان دیکھا خدا ان کا محافظ ہے۔ اب انہوں نے انجیل اور صلیب کی داستان سنی اور کچھ عرصہ کے بعد ان کا سردار اور سب قبیلہ مسیح کی امت میں داخل ہو گیا۔ اور جزیروں میں بھی شجاعت کی اسی طرح کی مثالیں ملتی ہیں۔ عام دنیاداری ایک بے لطف اور بنجر چیز ہے اس لئے اگر کسی روحانی شخص میں ہمیں ایک بہتر عالم کا تصور اور یقین دکھائی دیتا ہے تو ہمیں اس سے کسی قدر تسکین ہوتی ہے۔ ماحول سے غیر متوافق نظر آنے کے باوجود کچھ لوگ اس کے معتقد ہو جاتے

http://www.Mypdfsite.com

ھیں اور اس کے ایمان و عمل کی وجہ سے فضا کچھ بہتر ھو جاتی ھے۔ اس کی نیکی کی بدولت عالم ارضی عالم سماوی میں متبدل ھوتا نظر آتا ھے۔

ھمارے معاصر سوشلسٹ اور انارکسٹ جو ایک کامل عمرانی عدل کے خواب دیکھتے ھیں ان کی نسبت بھی عملی انسان یہی کہتے ھیں کہ ان لوگوں کے تصورات انسانی احوال سے غیر متوافق ھونے کی وجہ سے محض ھوائی قلعے ھیں۔ وہ بھی ایک حیثیت سے ان اولیا کی طرح ھیں جو اس دنیا کو اندھیر نگری جانتے ھوئے بھی آسمانی بادشاھت میں یقین رکھتے ھیں جو اس دنیا کا رنگ بدل سکتی ھے۔ کامل عمرانی عدل کے طالب بھی معاشرے میں ظلم کو کم کرنے میں معاون ھوتے ھیں اور ان کے خوابوں کی بدولت ایک بہتر نظام کے وجود میں آنے کا امکان پیدا ھو جاتا ھے۔

اب ھم رھبانی ریاضت، بدن آزاری اور نفس کشی کا جائزہ لیتے ھیں جس کے متعلق بغیر کسی بحث کے غالباً آپ سب یہ تسلیم کرینگے کہ اس میں نامعقول سختی کا میلان پایا جاتا ھے۔ اب ھماری تہذیب میں جو رجائیت اور لطافت پیدا ھو گئی ھے اس کی بدولت کلیسا کا خیال بھی بدن آزاری کی نسبت بدل گیا ھے اس لئے اب ھمیں سینٹ سوسو اور سینٹ پیٹر کی نفس کشی اور بدن آزاری ایک مجنونانہ اور تاسف انگیز عمل دکھائی دیتا ھے۔ اس مبالغہ آمیز تقشف میں ھمیں کوئی معقولیت نظر نہیں آتی اور نہ ان تکالیف کی وجہ سے ھی ان کے لئے کوئی جذبہ احترام ھمارے دلوں میں پیدا ھوتا ھے۔ ھم پوچھتے ھیں کہ

http://www.Mypdfsite.com

اگر کسی انسان کے باطنی میلانات درست ھیں تو خارجی زندگی اور جسم کو اذیت پہنچانے سے کیا حاصل ھے ؟ جسمانی زندگی کے خلاف اس قدر شدید دشمنی کا اظہار خواہ مخواہ اس کی اھمیت کو بڑھاتا ھے - جو شخص عرفان اور روحانی ترقی کی بدولت جسم کے آمرانہ تقاضوں سے آزاد ھو گیا ھے اس کے لئے لذت و الم ، ثروت و افلاس مساوی ھو جائینگے اور عمر بھر ھر لحظہ شدت پیکار کے ساتھ ان سے دست و گریبان ھونے کی ضرورت نہ رھیگی - ایسا شخص دنیا کے تمام کاموں میں اطمینان کے ساتھ حصہ لے سکتا ھے اس خوف کے بغیر کہ وہ اس کی الائشوں سے ملوث ھو جائیگا - وہ فطرت کی نعمتوں سے شکر گزاری کے ساتھ لطف بھی اٹھا سکتا ھے بغیر اس کے کہ وہ لذات کا غلام ھو جائے - جیسا کہ بھگوت گیتا میں کہا گیا ھے کہ دنیا میں عملی زندگی سے فقط اس کو پرھیز اور گریز کرنا چاھئے جو ابھی تک اپنے باطن میں حرص و ھوا کے دام میں پھنسا ھے ، لیکن جس شخص نے ذاتی حرص و ھوس کو سوخت کر دیا ھے وہ بے کھٹکے ھر کام میں شریک ھو سکتا ھے اور ھر قسم کے فرائض ادا کر سکتا ھے - میں ایک خطبے میں سینٹ آگسٹائن کا یہ قول نقل کر چکا ھوں جو بظاھر اخلاق سوز معلوم ھوتا ھے کہ اگر تم خدا سے کافی محبت پیدا کر لو تو پھر اطمینان سے اپنی خواھشات کو پورا کر سکتے ھو - اس کا اصول و نصب یہی ھے کہ خدا کی محبت سے انسان ادنیٰ خواھشات کا شکار نہیں رھتا اور اس کی معمولی خواھشیں بھی بے لوثی کی وجہ سے معدوم ھو جاتی ھیں ، خدا کی محبت کی وجہ سے اس کی تمام

http://www.Mypdfsite.com

خواهشیں خدا کی مرضی کے مطابق ہو جائینگی۔ خواہشیں سوخت نہ ہونگی ان کا رنگ بدل جائیگا۔ راما کرشنا کے اقوال میں ہمیں یہ ملتا ہے کہ جس شخص پر خدا کے نام سے رقت طاری ہو جاتی ہے اس کو زاھدانہ ریاضتوں کی ضرورت نہیں۔ مہاتما بدھ نے بھی اپنے پیروؤں کو یہی تلقین کی کہ لذت پرستی اور جسم آزاری کے مابین ایک وسط اور اعتدال کا راستہ ہے جسے اختیار کرنا چاھئے۔ جسم آزاری بھی ایسی ھی غلط روش ہے جیسی کہ لذت پرستی۔ کامل زندگی یہ ہے کہ مرد عارف کے اندر یہ بات پیدا ہو جائے کہ وہ لذت و الم اور تغیر احوال سے بے نیاز ہو جائے۔ سکون اور نروان اسی بے نیازی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب راھب ولی عمر رسیدہ ہو جاتے ہیں اور ان کے مرشد زیادہ تجربہ کار ہوتے ہیں تو وہ عام بدن آزاری کی بجائے مخصوص جسمانی ریاضتوں پر زور دیتے ہیں۔ کیتھولک معلمین نے ہمیشہ اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ چونکہ خدا کی خدمت تندرستی کے بغیر نہیں ہو سکتی اس لئے جسم آزاری سے صحت کو بگاڑنا واجب نہیں۔ لبرل پروٹسٹنٹ حلقوں میں ایک عام رجائیت اور صحت نفس پائی جاتی ہے، اس لئے جسم آزاری کو فی نفسہ مقصود بنا لینا ان کو سخت ناگوار محسوس ہوتا ہے۔ ایسے ظالم دیوتا اور ایسے سنگ دل خدا کے تصور ھی سے وحشت ہوتی ہے جو اس اذیت سے خوش ہو جو اس کی عظمت کے لئے اپنے آپ کو پہنچائی جائے۔ آپ مجھ سے متفق ہونگے کہ رہبانی جسم آزاری ایک امراضی کیفیت ہے سوا اس کے کہ کسی معقول مفاد کو

http://www.Mypdfsite.com

مد نظر رکھتے ہوئے کوئی جسمانی ریاضت اختیار کی جائے۔

لیکن اس امر کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ رہبانی زہد اور ریاضت میں ارادہ نیک ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے مبالغہ آمیز مظاہر بے فائدہ اور نامعقول ہوتے ہیں مگر عقیدے کی خوبی کی وجہ سے ہم اس کو مطلقاً بیہودہ قرار نہیں دے سکتے۔ نفس کشی کے روحانی معنی اور اس کا ماخذ یہ یقین ہے کہ انسانی زندگی میں کوئی بنیادی خلل ہے جس کا علاج اس کا قلع قمع کئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ انسان شر نفس کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔ نفس امارہ کا مقابلہ بڑی جرأت اور ہمت اور ایثار کا طالب ہے اور کمال درجے کے ضبط نفس اور تکلیف برداشت کرنے کے بغیر تزکیہ نفس ممکن نہیں، اس لئے ایسے انقلاب کی ضرورت ہے کہ گویا انسان نے پہلی حالت سے مر کر دوسرا جنم اختیار کیا ہے۔ اس زاویہ نگاہ کے مقابلے میں ایک مبالغہ آمیز رجائت ہے کہ جو فطرت ہم لے کر پیدا ہوئے ہیں اس میں کوئی بنیادی خلل نہیں، ظاہری اور باطنی شر کے خلاف شدت سے آمادۂ پیکار رہنے کی ضرورت نہیں، جس شخص کو اچھی صحت اور اچھے حالات ملے ہیں اور وہ کسی بڑی آفت میں مبتلا نہیں ہوا وہ دنیا کے مصائب کی طرف سے بھی آنکھیں بند کر لے تو سکھ سے زندگی بسر کر سکتا ہے، صحت نفس و بدن کی بدولت اور مساعد حالات سے اس کی زندگی کی ناؤ طوفان و گرداب سے بچتی ہوئی عافیت کے کنارے لگ سکتی ہے۔ ہم یاس انگیزی پر اپنے خطبات میں یہ کہہ چکے ہیں کہ اس قسم کا زاویہ نگاہ اطمینان اور کامیابی

http://www.Mypdfsite.com

کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی کو اس طرح اطمینان نصیب بھی ہو جائے تو وہ فقط اس کی اپنی ذات کے لئے ہے۔ اس فلسفے میں باقی دنیا کے مصائب کی طرف نہ کوئی توجہ ہے اور نہ کوئی علاج۔ اس زاویہ نگاہ سے مصیبت و شر کے مسئلے کا کوئی حل نہیں اور جن سنجیدہ مزاج لوگوں کو زندگی ایک الم انگیز معما محسوس ہوتی ہے انہیں اس قسم کی خوش خیالی اپنے بچاؤ کے لئے ایک ذلیل قسم کا ہتھکنڈا معلوم ہوتا ہے۔ حقیقی نجات کی بجائے وہ اپنی ذاتی خوش بختی کو معمائے حیات کا حل سمجھ لیتے ہیں۔ اگر وہ خود کسی راستے سے بچ کر نکل گئے تو سمجھ لیا کہ زندگی کوئی عقدہ نہیں مگر باقی تمام عالم تو شیطان کے پنجوں میں گرفتار رہتا ہے۔ نفس کشی سے حیات ثانی حاصل کرنے والے اس پر مصر ہوتے ہیں کہ نجات کا اصل راستہ وہ ہے جو سب کے لئے ہو اور جس کا اطلاق عالمگیر ہو سکے۔ درد و الم، ظلم اور موت کو کسی اعلیٰ جذبے اور سعیٔ بلیغ سے مغلوب کرنا ضروری ہے ورنہ ان کا نیش باقی رہتا ہے اور ان کی کمر شکستہ نہیں ہوتی۔ اگر کوئی طبیعت اس دنیا کے اندر موت کے الم و ستم کو ایک حساس قلب سے محسوس کرے اور دیکھے کہ کوئی بے گناہ سردی میں ٹھٹھر کر مر جاتا ہے، کوئی ڈوب جاتا ہے، کوئی کسی چھت کے نیچے یا مکان کے اندر دب کر زندہ در گور ہو جاتا ہے، کسی کو درندہ پھاڑ کھاتا ہے، کوئی انسانوں کی بد تر درندگی کا شکار ہوتا ہے، کوئی نفرت انگیز بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو اپنی خوش بختی اور خوش حالی کے باوجود ضرور اس کو

http://www.Mypdfsite.com

یہ احساس ہوگا کہ وہ زندگی کے اس المناک میدان کارزار میں جہاد میں شریک نہیں ہوا، اس لئے وہ ایک قسم کی محرومی محسوس کریگا گویا کہ اس کو نا اہل جان کر بے دخل رکھا گیا ہے۔

نفس کشی کرنے والا مرتاض شخص خوش و خرم اور لا ابالی انسانوں کی نسبت یہی سمجھتا ہے کہ یہ لوگ زندگی کے نہاں خانۂ اسرار میں داخل نہیں کئے گئے لیکن وہ خود ان کی طرح بیرونی رہنا نہیں چاہتے اس لئے بالارادہ مصاف ہستی میں مجاہدانہ انداز سے شریک ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ زندگی کوئی لہو و لعب اور ہنسی مذاق کا کھیل نہیں، یہ شر اور مصائب کا ماتم کدہ ہے جس کو عام انسانوں نے حماقت سے ایک تماشا سمجھ لیا ہے اور تلخابۂ غم ہی سے اس حماقت کا علاج ہو سکتا ہے۔ زندگی کی وحشت انگیزیاں جو طلب گار مردانگی ہیں اس کی فطرت کا لازمی عنصر ہیں اس لئے محض خوش باشی اور جذباتی رجائیت سوچنے والے انسان کے لئے اس کا حل نہیں۔ زندگی کو صاف ستھرا رکھنا اور راحت و سکون کی طلب کے آسان نسخے معمائے حیات کی کلید نہیں۔

میرے یہ کلمات اور خیالات نوع انسان کی حقیقت شناسی کا آئینہ ہیں جس نے ہمیشہ اس کو محسوس کیا ہے کہ دنیا ایک میدان جہاد ہے اور عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد ہے۔ زندگی کا راز مجاہدانہ شجاعت ہی میں مضمر ہے۔ اس شخص کی ہم دل سے قدر نہیں کرتے جو ہمیں اس کار زار میں شرکت کے نا اہل اور اس سے گریزاں نظر آئے۔ اس کے برعکس کسی

http://www.Mypdfsite.com

انسان میں ہمیں خواہ کتنی ہی خامیاں اور عیب نظر آئیں لیکن اگر وہ کسی مقصد عظیم اور کسی اختیار کردہ خدمت خدا و خلق میں خوشی سے جان کی بازی لگاتا ہوا اور شجاعانہ بڑی سے بڑی مصیبت کا مقابلہ کرتا ہوا نظر آئے تو یہ جہاد ہماری نظروں میں اسے ہمیشہ کے لئے ایک مقدس انسان بنا دیتا ہے۔ زندگی کے بعض پہلوؤں میں اگر وہ ہم سے ادنیٰ بھی ہو تو بھی اگر ہم جان کو بچاتے ہوئے، زندگی کو چمٹے ہوئے ہیں اور وہ جان چھڑکتے ہوئے عظیم تریں قربانی کے لئے آمادہ ہے تو اپنے قلب کی گہرائیوں میں ہم اس کو اپنے آپ سے بدرجہا افضل سمجھتے ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ بلند حوصلگی میں جان سے بے پروا ہونا ایک انسان کی تمام کمزوریوں کی تلافی کر دیتا ہے۔

اس فوق الفطرت راز کا عام انسانوں کو بھی احساس ہے کہ موت جو تمام انسانوں کو لقمۂ اجل بناتی ہے بعض انسان خود اس موت کو کھا جاتے ہیں، حیات حقیقی انہیں اجل نوش انسانوں کو حاصل ہے۔ حیات و کائنات کے اصلی اور باطنی تقاضے یہی بے خوف لوگ پورا کرتے ہیں۔ نفس کش مجاہد اسی حقیقت کا علم بردار ہے۔ آمادۂ دار مجاہد کو دنیا دار کی عقل احمق سمجھتی ہے لیکن زندگی کے معنی اسی میں پوشیدہ ہیں۔

یہ درست ہے کہ نفس کشی اور جفا طلبی نے مذہب کی تاریخ میں عقل کی کمی کی وجہ سے نہایت لغو صورتیں بھی اختیار کی ہیں لیکن فی نفسہ یہ جذبہ مذموم نہیں۔ اس کا تعلق زندگی

http://www.Mypdfsite.com

کی گہرائیوں سے ہے اور وہ حقیقت حیات کی علامت اور اس کا آئینہ ہے۔ خارجی فطرت پرستی کی رجائیت اس کے مقابلے میں سطحی اور بودی چیز محض خوش فہمی کے بلبلے یا بور کے لڈو ہیں۔ مذہبی انسانوں کے لئے صحیح عملی راستہ یہ ہے کہ نفس کشی یا جفا طلبی کو لغو سمجھ کر پس پشت نہ ڈال دیں بلکہ اس شجاعانہ جذبے کے لئے ایسے موضوع تلاش کریں کہ سخت کوشی اور ایثار انسانی بہبودی کے لئے کچھ اچھے ثمر پیدا کر سکیں۔ قدیم زمانے میں رہبانی مرتاضیت قابل رحم حماقتوں میں مبتلا رہی یا اس نے ایک غلط پندار زہد پیدا کیا۔ یہ لوگ ذاتی کمال کے حصول کی سعئی لا حاصل میں زندگی تباہ کرتے رہے۔ ہندو درویش راما کرشنا نے کیا سچ کہا ہے کہ اور تمام خود نمائیوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے لیکن ایک درویش کے پندار فقر اور خود بینی کا قلع قمع نہایت دشوار ہے۔ کیا ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ شجاعت اور نفس کشی کے جذبے کو برقرار رکھتے ہوئے بدن آزاری کی قدیم صورتوں کو رد کر کے کوئی صالحانہ انداز اس کے لئے تلاش کر سکیں؟

موجودہ تہذیب و تمدن کی ایک نمایاں خصوصیت یہ دکھائی دیتی ہے کہ مادی آسائش اور دولت کی پرستش بہت بڑھ گئی ہے جس کی وجہ سے مردانگی میں کمی آ گئی ہے اور زنانہ پن میں ترقی ہوئی ہے۔ اب بچوں کی تعلیم و تربیت میں ہم مہر و محبت سے ان کو تن آسانی اور تفریح کے راستوں پر ڈال دیتے ہیں، ڈسپلن میں کوئی سختی نہیں رہی۔ اس کے مقابلے میں ایک صدی پیشتر ان کو سختی سے قواعد کی پابندی کرائی جاتی تھی۔

http://www.Mypdfsite.com

ھاری موجودہ نرمی میں کچھ فائدے ضرور ھیں لیکن یہ خطرہ بھی موجود ھے کہ ان میں سخت کوشی کی صلاحیت جاتی رھے۔ ضبط و جبر نفس کے بغیر جسم و نفس کو تقویت حاصل نہیں ھو سکتی اس لئے قوت سیرت کے لئے لازمی ھے کہ اس مشق کے مواقع مہیا رھیں گو ان میں قدیم زمانے کی بیہودہ نفس کشی کا انداز نہ ھو۔

آپ میں سے بہت لوگ یہ کہینگے کہ تن آسانی کے خطرات موجود ھیں لیکن ان کا علاج بھی جدید تہذیب کر رھی ھے۔ جسمانی ورزشیں، فوجی مشقیں، انفرادی اور قومی مہم وری تن آسانی ھی کا انسداد ھیں۔ مذھبی زندگی میں نرمی آ گئی ھے لیکن دنیاوی زندگی کے ان پہلوؤں میں خاصی قوت اور شدت دکھائی دیتی ھے۔ اب راھبانہ نفس کشی نظر نہیں آتی لیکن ھمت و قوت کے اظہار میں ریکارڈ توڑنے میں جان توڑ کوششیں ھوتی ھیں۔ جنگ اور مختلف قسم کی مہمیں ان لوگوں کو جو ان میں حصہ لیتے ھیں ڈھیلا نہیں ھونے دیتیں۔ ان کوششوں میں حیرت انگیز جانفشانی اور نفس کشی کی جاتی ھے۔ ھر قسم کی بے آرامی، بھوک، پیاس، گرمی، سردی اور غلاظت کو بخوشی برداشت کیا جاتا ھے، صبر و جبر کی مشق کی کوئی انتہا نہیں ھوتی۔ موت کا خوف بھی اس جذبہ ھمت و مسابقت کو مانع نہیں آتا۔ اگر ان کوششوں میں موت آ جائے تو اس کو ایک معمولی حادثہ شمار کیا جاتا ھے۔ سخت سے سخت تکلیفیں اس کے راستے میں رکاوٹ پیدا نہیں کرتیں بلکہ ھمت و قوت میں اضافہ کرتی اور ان کی سطح کو بلند کرتی ھیں۔

http://www.Mypdfsite.com

انسانی فطرت کا قدیم تقاضا ہونے کی وجہ سے جنگ انسان کو دلکش معلوم ہوتی ہے۔ لاکھوں برس کی پیکار حیات اور ضرورت بقا نے تمام انسانوں کو بالقوے جنگجو سپاہی بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ادنے درجے کا انسان بھی جو اپنی معمولی زندگی میں تن آسانی اور تن پروری کی طرف راغب ہو جب میدان جنگ میں آ جاتا ہے تو اپنی ذات اور دوسروں کے متعلق جابر و ظالم و بے حس ہو جاتا ہے، سخت کوشی اور تشدد سے وہ قطعاً گریز نہیں کرتا۔

لیکن سپاہی کی برداشت کرب و آزار اور ایک راہب کی نفس کشی میں روحانی لحاظ سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک سپاہی کی اخلاقیات اور نفسیات کی نسبت آسٹریا کا ایک فوجی افسر کھری کھری بات کہتا ہے۔ وہ لکھتا ہے زندہ رہو اور دوسروں کو زندہ رہنے دو، کا اصول جو عام حالتوں میں عام انسانوں کے لئے ایک زریں اصول شمار ہوتا ہے سپاہیانہ زندگی میں بے کار بلکہ نقصان رساں ہے۔ سپاہی کے لئے لازم ہے کہ وہ نہ اپنی جان کی کچھ قیمت سمجھے نہ اپنے ساتھیوں کی جان کی اور نہ دشمنوں کی جان کی، خود اپنی ذات کی حفاظت اور راحت سے اسے پوری نفرت ہونی چاہئے۔ جنگ کا یہی اٹل تقاضا ہے۔ انسانی جذبات کے احترام اور معقول پسندی کی بجائے اگر کسی فوج میں وحشت اور درندگی ہو تو وہ قابل ترجیح ہے۔ سپاہی جس قدر نامعقول ہو اسی قدر بحیثیت سپاہی زیادہ مفید ہوتا ہے۔ سپاہی کی خوبی کا بس ایک ہی معیار ہے کہ اس کے خواص جنگ میں کس قدر کام آ سکتے

http://www.Mypdfsite.com

ھیں۔ صرف جنگ کے دوران میں نہیں بلکہ صلح کے ایام میں بھی سپاھی کی اخلاقیات عام انسانوں سے مختلف ھونی چاھئے۔ جب کوئی شخص فوج میں بھرتی ھوتا ھے تو وہ عام اخلاقی معیار اپنے ساتھ لاتا ھے لیکن اچھا سپاھی بننا چاھتا ھے تو یہ لازم ھے کہ اپنی پہلی اخلاقیات کو خیر باد کہے۔ اس کی زندگی کا فقط یہی احوال ھوتا ھے کہ فتح کے لئے جو کچھ ضروری ھو وہ درست ھے، وہ اپنے اور دوسروں کے اعمال کو عقل و عدل و رحم کے معیار پر نہ جانچے۔ جنگ میں انسان کی وحشت اور درندگی بروئے کار آتی ھے اور یہی درست بھی ھے۔

عسکری ذھنیت کی نسبت یہ بیان حرف بحرف درست ھے۔ جرمن سپہ سالار مولٹکے کہتا ھے کہ سپاھی کا مقصود فقط تباھی ھے۔ تباھی کے بعد جنگ کی بدولت اگر کوئی تعمیری کام ھوں تو وہ دور کے غیر عسکری نتائج ھیں، سپاھیانہ مقاصد کا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ اسی لئے سپاھی کی تربیت میں لطیف جذبات، عام انسانی ھمدردیاں اور احترامات، کو کوئی دخل نہ ھونا چاھئے۔ اشخاص و اشیا کا تحفظ جس سے تہذیب و تمدن کو قیام و ثبات حاصل ھوتا ھے سپاھی کی غایت حیات نہیں۔ اس تاریک پہلو کے باوجود یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ جنگی زندگی سخت کوشی اور شجاعت کی درسگاہ ھے اور جنگ چونکہ انسانوں کی قدیم جبلت کے ھم آھنگ ھے اس لئے انسانوں کے پاس ان صفات کی پرورش کے لئے ابھی تک صرف یہی عام تربیت گاہ ھے۔ لیکن جب ھم سنجیدگی سے اس پر غور کریں کہ تن آسانی اور تن پروری کے خلاف اس مجرمانہ نامعقولیت

http://www.Mypdfsite.com

کے منظم اور همه گیر ادارے کے سوا اور کوئی ترکیب و تنظیم نظر نہیں آتی تو همیں اس خیال سے حیرت و وحشت هوتی هے اور هم رهبانی سخت کوشی و جفا طلبی کو اس کے مقابله میں افضل سمجھ کر اس کی نسبت کچھ بہتر رائے رکھنے پر آماده هو جاتے هیں۔ طبیعیات میں حرارت کو حرکت میں بدلنے پر غور کیا جاتا هے کیونکه حرکت حرارت کا بدل بن سکتی هے۔ اسی طرح اب همیں یه بات سوچنے کی ضرورت هے که جنگ میں جو شجاعت و ایثار و سخت کوشی کے صفات ظہور میں آتے هیں کیا یہی صفات کسی معقول انداز میں صورت پذیر نہیں هو سکتے ؟ همیں جنگ کا اخلاقی بدل تلاش کرنا هے جس میں وحشت کی بجائے انسانیت هو مگر وه صفات اس میں قائم رهیں جو انسانوں کو اسی طرح اپنی طرف راغب کرتے هیں جس طرح اب جنگ ان کو اپیل کرتی هے۔ مجھے اکثر یه خیال پیدا هوتا هے که قدیم راهبانه فقر کو اگر اس کی بیهوده مبالغه آمیز صورتوں سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو وه وحشیانه جنگجوئی کا بدل بن سکتا هے۔ سخت کوشی، عیش و عشرت سے بے نیازی یه سب صفات اس فقر میں داخل هوسکتی هیں۔اس فقراختیاری میں کمزوروں کو تباه کرنے کے بغیر مجاهدانه سعئی مسلسل کی زندگی بسر هو سکتی هے۔

درویشی یا فقر سخت کوشی هی کا دوسرا نام هے اور فقر کی زندگی سراسر جہاد هے۔ اس سعئی خاموش میں نه کوئی شان و شکوه هے نه عوام کا جوش مدح، نه ریا نه جھوٹ نه دغا۔ جب هم دیکھتے هیں که حصول دولت کیلئے جاں فشانی هماری موجوده

http://www.Mypdfsite.com

پود کی رگ و پے میں سرایت کرگئی ہے اور اس نے انسان کی نفسی اور اخلاقی حالت کو خراب کر رکھا ہے تو ہم سوچنے لگتے ہیں کہ کیا حیات فقر کا احیاء اور یہ تلقین کہ فقر مذہبی زندگی میں ایک قابل فخر چیز ہے اس مرض کا علاج نہیں ہوسکتے ؟ عسکری زندگی کی تمام صفات حسنہ اس میں داخل ہیں اور ان کےعلاوہ انسانیت کے اور اقدار بھی اس میں تربیت پاسکتے ہیں۔ ہماری نسل کی روحانی اصلاح اسی انداز فکر و عمل سے ہوسکتی ہے کہ لوگ دولت طلبی کی بجائے فقر اختیاری کو نصب العین بنا لیں۔

انگریزی بولنے والی اقوام میں خصوصیت سے اس تلقین کی ضرورت ہے۔ اب ہمیں فقر کی تعریف کے راگ گانے چاہئیں۔ دولت کی خواہش اس قدر عام اور فراواں ہوگئی ہے کہ ہمیں افلاس سے ڈر لگنے لگا ہے۔ کوئی شخص اگر اپنی باطنی زندگی کی حفاظت کے لئے سادہ زندگی بسر کرنے لگے اور فقر اختیار کرے تو ہم اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اگر کوئی شخص دولت کی تلاش میں ہانپتا تانپتا دکھائی نہ دے اور تھوڑی روزی پر قانع نظر آئے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ایسے شخص میں جوش زندگی اور حوصلہ مندی کی کمی ہے۔ اب ہمارے تصور میں بھی نہیں آسکتا کہ قدیم زمانے میں فقر اختیاری کے ماخذ اور نصب العین کیا تھے۔ مادی علائق کے بندھن سے چھٹکارا، بےلالچ نفس، مردانہ بے نیازی ، مال کو نہیں بلکہ اعمال کو معیار حیات سمجھنا ، اس بات کا خیال رکھنا کہ میں کیا ہوں نہ یہ کہ میرے پاس کیا ہے ، جان کی قربانی پر آمادگی ، جہاد زندگی میں ہمت و شجاعت کے صفات سے متصف ہونا ، یہ سب کچھ فقر اختیاری کی ماہیت میں داخل تھا ۔ اب ہماری سوسائٹی میں

http://www.Mypdfsite.com

جو اوپر کے طبقے کہلاتے ہیں ان کا یہ حال ہے کہ مادی جاہ اور آسائش کے فقدان سے انہیں خوف لگتا ہے۔ جب تک زیبائش کے سامان مہیا نہ ہوسکیں تب تک شادی ملتوی رہتی ہے۔ اس خیال سے ہم کانپتے ہیں کہ بنک میں کافی بقایا نہ ہو، مشقت سے روزی کمانی پڑے اور گھر میں کوئی بچہ پیدا ہو جائے۔ زندگی کی نسبت یہ زاویۂ نگاہ مردانگی اور مذہبیت دونو کے منافی ہے اس لئے ضروری ہوگیا ہے کہ اس کے خلاف احتجاج کیا جائے۔

یہ درست ہے کہ جہاں تک دولت اعلےٰ مقاصد کے حصول کے لئے فرصت پیدا کرسکتی ہے اور قوتوں کو اچھے کاموں میں صرف کرنے کے سامان مہیا کرسکتی ہے اس حد تک دولت افلاس سے بہتر ہے اور اس کے حصول کی کوشش ضروری اور جائز ہے۔ لیکن زراندوزی کی جدوجہد میں خال خال ہی لوگ ایسے ہونگے جن کی دولت طلبی کے جذبے کی تہ میں ایسا فکر صالح ہو۔

زیادہ تر تو دولت طلبی کی جدوجہد میں بزدلی اور بداخلاقی ہی نظر آتی ہے اور اس کوشش میں جائز و ناجائز کا فرق مٹ جاتا ہے۔ زندگی میں ہزارہا مواقع اس قسم کے آتے ہیں جن میں گرفتار دولت غلام نظر آتا ہے۔ لیکن جو شخص افلاس سے خائف نہیں وہ مرد حر ہوتا ہے۔ اگر ہم کسی ایسی تحریک میں حصہ لینا چاہیں جو مقاصد عالیہ رکھتی ہو لیکن عوام و خواص اس کو پسند نہ کرتے ہوں تو دولت سے بے نیازی اور افلاس سے بے خوفی ہی ہماری کمر ہمت کو مضبوط کرسکتی ہے (طمع بگذارو ہرچہ خواہی گو۔ سعدی)' محرومئی دولت کا خوف ہماری زبان بندی نہ کرسکے گا' کسی انقلابی اور اصلاحی تحریک کی حمایت میں ہم ووٹ دیتے ہوئے

http://www.Mypdfsite.com

نہ گھبرائیں گے - ہوسکتا ہے کہ ہماری قوم ہم سے انتقام لینے پر آمادہ ہو، ہماری ساکھ گرجائے، تنخواہ بند ہوجائے، ترقی رک جائے، ہمارا نام کلب سے خارج کردیا جائے لیکن ہم کو روحانی تسکین حاصل رہے گی کیونکہ ہم حق کے شاہد ہوں گے - ہماری مثال سے حق باطل پر غالب آسکے گا اور ہماری نسل بہت سی برائیوں سے نجات حاصل کریگی - یہ صحیح ہے کہ اکثر تحریکوں کو سرمایے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن خادم کی قوت اسی نسبت سے ہوگی جس حد تک کہ وہ اپنی ذات کے لئے افلاس میں مطمئن اور دولت سے بے نیاز ہے -

یہ بات میں آپ کے سنجیدہ غور و خوض کے لئے پیش کرتا ہوں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ تعلیم یافتہ جماعت میں خوف افلاس ہماری موجودہ تہذیب کی بد ترین بیماری ہے -

درویشانہ زندگی میں مذہب کے اثمار کی نسبت مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکا اس لئے اب میں اس کا سرسری جائزہ لے کر کچھ عام نتائج کی طرف عبور کرونگا -

آپ کو یاد ہے کہ ہمارا سوال یہ تھا کہ درویشانہ سیرت میں مذہب جو نتائج پیدا کرتا ہے ان کو ہم کس حد تک سراہ سکتے ہیں - ان میں سے معین عناصر کا تعلق افراد کی طبائع سے ہوتا ہے اور خاص قسم کی طبیعت میں خواہ وہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی خاص قسم کے صفات پائے جائیں گے لیکن سب یکجا راہبوں اور درویشوں ہی میں ملتے ہیں کیونکہ وہ ذات الٰہی کے مرکزی تصور اور احساس کا لازمی نفسیاتی نتیجہ ہے - جس شخص میں یہ احساس قوی ہو وہ قدرتی طور پر اسی نتیجے پر پہنچتا ہے کہ

http://www.Mypdfsite.com

اس دنیا میں ہر چیز اور ہر عمل ایک غیر مرئی الٰہی نظام سے وابستہ ہے، اس لئے چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اس کے لئے لامحدود اہمیت رکھتی ہے۔ اس کو ایک اعلیٰ قسم کی مسرت و سعادت اور اس کی روح کو وہ استقامت حاصل ہوتی ہے جو اپنی ماہیت میں بے نظیر ہے۔ ایسا شخص معاشرے میں مثالی خدمت ادا کر سکتا ہے۔ اس میں انسانوں کی امداد کا بے پایاں جذبہ ہوتا ہے۔ یہ مدد خارجی بھی ہوتی ہے اور باطنی بھی۔ اس کی ہمدردیاں انسانوں کی جسمانی اور روحانی دونو زندگیوں سے ہوتی ہیں اور دونو کے اندر پنہاں ملکات کو بیدار کرتی ہیں۔ وہ مسرت کی تلاش محض آسائش میں نہیں کرتا جہاں عام لوگ اس کو ڈھونڈتے ہیں بلکہ باطن میں اس کے چشمے کا پتہ دیتا ہے جس کی کیمیا اثری تکالیف کو سرور میں بدل دیتی ہے۔ وہ ایسے فرائض سے بھی رو گردانی نہیں کرتا جو لوگوں کو سعئی ناشکور معلوم ہوتے ہیں۔ جب ہمیں کسی قسم کی جائز امداد کی ضرورت ہو تو ہم اس بے غرض درویش مزاج انسان پر دوسروں سے زیادہ بھروسا کرتے اور اعانت کی توقع رکھتے ہیں۔ ہماری معاشرت میں ادنے اور جھوٹے تقاضے اور شیخیاں عام انسانوں کے ساتھ جس قسم کے میل جول میں مانع ہوتی ہیں وہ شخص عجز و انکسار کی بدولت اس میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا اور انہی کی پاکیزگی کی وجہ سے وہ ہمیں ایک مخلص دوست معلوم ہوتا ہے۔ سعادت، پاکیزگی، رحمدلی، صبر، ضبط نفس، اعلیٰ درجے کے فضائل ہیں جو ایک روحانی انسان میں بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں۔

http://www.Mypdfsite.com

لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ تمام صفات یک جا ہو کر بھی کسی انسان کو ناقابل خطا نہیں بنا سکتے۔ اگر روحانی شخص کی عقل میں وسعت نہ ہو تو وہ مقدس غلو اور تعصب کا شکار ہو جاتا ہے یا اپنے خیال کے مطابق محبت الٰہی میں غرق ہو کر اور کسی کام کا نہیں رہتا یا خواہ مخواہ خود آزاری شروع کر دیتا ہے یا چھوٹے چھوٹے اعمال کی نسبت اس کی حس تکلیف دہ حد تک تیز ہو جاتی ہے۔ وہ آسانی سے دھوکا کھانے لگتا ہے اور اغراض زندگی کے لئے اس کی صلاحیت مفلوج ہو جاتی ہے۔ اس کی تنگیٔ عقل نہایت ادنے درجے کے نصب العین اور مقاصد میں اس کی غیر معمولی قوت وفا کو ضائع کرا دیتی ہے۔ عقل کی کوتاہی کی وجہ سے ایسا شخص اپنا اور دوسروں کا نادان دوست ہو جاتا ہے اور اپنے غلط عقیدے کی شدت کی وجہ سے وہ عام بندگان حرص و ہوا کے مقابلے میں بھی زیادہ قابل ملامت حرکتوں کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ ہمیں اس کی روحانیت اور خلوص کو دیکھ کر محض جذبات سے اس کی نسبت فیصلہ نہ کرنا چاہئے بلکہ اس کو اس کے ماحول میں رکھ کر اس کا اندازہ کرنا چاہئے کہ اس کی زندگی میں کتنی معقولیت اور افادیت ہے۔

لیکن ان روحانی لوگوں پر عقلی تنگ نظری کا الزام لگانے میں انسان کو ذرا احتیاط برتنی چاہئے۔ یہ تنگیٔ نظر ہر حالت میں ان کی فطرت کی کوئی ذاتی کمزوری نہیں ہوتی کیونکہ مذہبی اور دینیاتی امور میں افکار کی تنگی یا پستی وہ اپنے زمانے کی روایات اور فضا سے اخذ کرتے ہیں۔ ان کے زمانے

http://www.Mypdfsite.com

کی مذہبیت نے جو فکر و عمل کے سانچے مقرر کر رکھے تھے وہ خود بخود انہیں میں ڈھل جاتے تھے۔ روحانی زندگی کی اصلیت تاریخی حوادث کی لپیٹ میں آ جاتی ہے۔ قابل تعریف روحانی جذبات بھی عملی صورت پذیری میں قومی اور زمانی روایات و رسوم کا جامہ اوڑھ لیتے ہیں۔ قدیم زمانے میں روحانی جذبے والا مخلص انسان محبت الٰہی میں خانقاہوں کا رخ کرتا تھا کیونکہ زمانہ اس کو کوئی اور راہ عمل نہ دکھاتا تھا۔ آجکل کا انسان جو خدمت خدا و خلق کا روحانی جذبہ رکھتا ہو وہ جدید زمانے کے تقاضوں اور بدلی ہوئی ذہنیت کی بدولت رفاہ عامہ کے کاموں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ سینٹ فرانسس اور سینٹ برنارڈ جیسے مخلص اور باہمت روحانی انسان اگر آج ہوتے تو وہ خانقاؤں یا دشت و صحرا میں خلوت گزیں نہ ہوتے بلکہ انسانی معاشرت کی اصلاح کے لئے زندگیاں وقف کرتے۔ تاریخی روایات نے ان کے دائرۂ فکر و عمل کو محدود کر دیا تھا۔ یہ تنگی خود ان کی فطرت کی نہ تھی اس لئے ان کی زندگیوں پر تنقید کرتے ہوئے ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا چاہئے کہ ان اتفاقی خامیوں کے باوجود ایک ولی کے جذبات میں اخلاص اور پاکیزگی اور بے انتہا قوت ایثار ہوتی ہے جو سب کی سب قابل تحسین صفات ہیں۔

نفس کش راہبوں کا سب سے بڑا دشمن نطشہ ہے، وہ ان کی سیرت کا مقابلہ فوجی غارت گرانہ سیرت سے کرتا ہے اور موخرالذکر کو قابل ترجیح قرار دیتا ہے۔ ہمیں یہ ماننا پڑیگا کہ پیدائشی ولی میں کچھ ایسی باتیں پائی جاتی ہیں

http://www.Mypdfsite.com

جن کو دیکھ کر جسمانی خواھشوں والا انسان غصے سے لبریز ھو جاتا ھے۔ ان دو قسم کی سیرتوں کا تفصیلی موازنہ و مقابلہ ھمارے لئے مفید ھو گا۔

جسمانی پیکار حیات میں جنگجوئی کے اندر کسی ولی کے بظاھر انفعالی صفات کسی جنگجو قبیلے کے سردار و سالار کی فعال سیرت کے مقابلے میں پسندیدہ معلوم نہیں ھوتے۔ سردار قبیلہ کی صلاحیتوں میں یہ داخل ھے کہ وہ ظالم بن سکے، اس میں تحکم ھو اور وہ درندوں کی طرح کا ایک شکاری انسان ھو، اس کے سامنے دوسرے لوگ اپنے آپ کو ذلیل و پست سمجھ کر دبک جائیں، اس کی نظر عتاب سے وہ لرزان ھوں مگر اس کے ساتھ ھی وہ اس قسم کے خوفناک سردار کو اپنے لئے قابل فخر بھی سمجھیں۔ انسان کے دور وحشت میں اس قسم کی غلامانہ بطل پرستی قبیلوں کے لئے بقاء حیات میں ضروری اور کارآمد ثابت ھوتی تھی۔ قبیلوں کی زندگی ایک مصاف مسلسل تھی اس لئے بقاء حیات کے لئے ایسے قائد ضروری تھے جو بہادر، با رعب اور بے رحم ھوں۔ جن قبائل کو ایسے قائد میسر نہ آئے صفحۂ تاریخ سے ان کے نقش مٹ گئے۔ ایسے قائد قوی ارادوں کے انسان تھے اور ان کے ضمیر بھی قوی تھے کیونکہ ارادہ اور ضمیر ایک ھی حیثیت کے دو پہلو تھے، جو ان کے دل میں آئے وہ کر گزرتے تھے اور دوسروں کے لئے ان کی یہ بے روک حریت ان کی بے پناہ قوت عمل کی طرح باعث استعجاب و تحسین تھی۔

ان تیز منقاروں اور تیز پنجوں والے شکاری شاھینوں کے مقابلے میں بے چارے اللہ والے بے ضرر سبزی خور جانور ڈربے کی مرغیاں معلوم

http://www.Mypdfsite.com

ہوتے ہیں، جو چاہے ایسے غریب کی ڈاڑھی پکڑلے وہ بالکل برانگیختہ نہ ہوگا۔ ایسے شخص کو دیکھ کر کسی پر کیا رعب طاری ہوگا اور اس کی قوتیں کس کے لئے باعث حیرت ہونگی ؟ اس کا ضمیر ذرا ذرا سے اصلی یا موہوم قصور پر اس کو ملامت کرتا اور روکتا ہے۔ نہ وہ باطن میں آزاد معلوم ہوتا ہے اور نہ ظاہر میں قوی۔ اگر ہمارے اندر ایسے انسان کے لئے کوئی خاص جذبۂ تحسین نہ ہو تو ہم اس کو نظر تحقیر سے دیکھتے ہوئے اپنی راہ لینگے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسانی فطرت میں ایک ملکہ ایسا بھی ہے جو ایک بے ضرر معصوم ولی کو بھی قابل ستائش سمجھتا ہے۔ تند باد صرصر، سورج اور مسافر کا قصہ انسانی روابط میں اکثر دہرایا جاتا ہے۔ اصناف ذکور واناث میں یہ تفاوت ملتا ہے۔ عورت کو فطرتاً وہ مرد زیادہ پسند ہوتا ہے جو جذبات میں طوفانی بھی ہوسکے۔ اسی طرح دنیا ایسے حکمرانوں کو دیوتا سمجھ کر پوجتی ہے جو قوی ارادے والے ہوں اور اپنی مرضی کے مالک ہونے کی وجہ سے کسی کے آگے جوابدہ نہ ہوں۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی ہے کہ عورت اپنی جمیل نرمی و شیرینی کی پراسرار قوت سے مرد کو مغلوب بھی کر لیتی ہے۔ ولی کی معصومیت میں اس قسم کی شیرینی ہے جو دنیا کو مسرور و مسحور کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسانی فطرت میں دو متضاد میلانات پائے جاتے ہیں، ایک طرف وہ خارجی اور مادی جسمانی قوت کا پرستار ہے اور دوسری طرف وہ ان لطافتوں سے بھی مرعوب و مغلوب ہوتا ہے جن کا بظاہر قوت سے کوئی تعلق نہیں۔ ان دونو میلانات میں کشاکش مسلسل جاری رہتی ہے۔ زندگی میں بھی اور ادبیات میں بھی درویشی اور دنیا داری

http://www.Mypdfsite.com

کی باھمی پیکار نظر آتی ھے ، ظاھر اور باطن کی قوتیں انسان کو مخالف سمتوں میں کھینچتی رھتی ھیں۔

نطشہ ایک روحانی نفس کش انسان کو غلامانہ اور کمینہ ذھنیت کا مجسمہ سمجھتا ھے ۔ وہ کہتا ھے کہ اس نے اپنی مریضانہ حالت کو پر تکلف بنا رکھا ھے ، اس سقیم و ذلیل انسان میں حرارت حیات کی کمی ھے ۔ نطشہ کہتا ھے کہ ایسے انسانوں کی کثرت نوع انسان کی تقویم ھی کو بگاڑ دیگی ۔ اس کی کتاب "اخلاق کا شجرۂ نسب' میں سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ھے :

"بیمار لوگ تندرستوں کے لئے عظیم خطرے کا باعث ھیں۔ قوی انسانوں کو دوسرے قوی انسانوں سے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا کہ ضعیفوں سے پہنچتا ھے ۔ انسانوں کو دوسرے انسانوں کے ظلم و ستم سے جو خوف لگتا ھے اس کی بیخ کنی ضروری نہیں کیونکہ جن لوگوں میں جان ھے خوف ان کو زبردست اور ظالم بنا سکتا ھے اور یہ اچھی بات ھے کیونکہ نوع انسان کی ترقی اور کامیابی مشکلات پر غالب آنے کے بعد ایسے ھی انسانوں کی بدولت ھوئی ھے ۔ دراصل ھمیں رحم کی بیخ کنی کرنی چاھیئے کیونکہ یہ انفعالی جذبہ نوع انسان کے لئے انحطاط کا باعث ھوگا ۔ نفس و بدن کے بیمار ھمارے لئے باعث خطر ھیں نہ کہ ظالم و غارت گر جنھیں ھم خواہ مخواہ برے لوگ کہتے ھیں ۔ جو لوگ پیدا ھی ناقص ھوئے ھیں وھی نوع انسان کو کمزور بنا رھے ھیں ، انہیں کی وجہ سے نوع انسان پر ھمارا اعتماد جاتا رھا ھے ، ایسوں کی صورت ھی ایک آہ ھوتی ھے جو زبان حال سے پکار رھے ھیں کہ کاش میں کچھ اور قسم کا ھوتا ، میں بیمار ھوں اور زندگی سے بیزار ھوں ۔ زندگی کی

http://www.Mypdfsite.com

تمام زھریلی بوٹیاں اسی ذلت نفس کے دلدل میں اگتی ھیں ۔ ھر قسم کی بے ایمانی اور کمینہ پن اسی بوئے فساد سے پیدا ھوتے ھیں ۔ یہیں بغض وحسد کے حشرات کا ھجوم ھوتا ھے ، یہیں خفیہ طور پر ان خراب اعمال کا نشو و نما ھوتا ھے جنہیں لوگ چھپانا چاھتے ھیں ۔ ذلیل سازشوں کا جال یہیں بچھایا جاتا ھے ۔ یہیں ناکامیابی کامیابی اور فتح کے خلاف سازش کرتی ھے ۔ ناکاموں کو کامیابوں کی صورت ھی سے نفرت ھوتی ھے ۔ زندگی میں شکست یافتہ لوگ تندرستی ، کامرانی ، طاقت ، غرور اور احساس قوت ھی کو گناہ قرار دیتے ھیں جس کے لئے نہایت تلخ تلافی اور کفارے کی ضرورت ھے ۔ اگر ان لوگوں کا بس چلے تو یہ تمام قوی اور کامیاب انسانوں کو پھانسی دے دیں ۔ ان کی شدید خواھش یہی ھے مگر یہ کمینے ھوتے ایسے ریاکار ھیں کہ کبھی اپنی اس ذلیل نفسیات کا اقرار نہ کرینگے ۔"

ضعیفوں اور بیماروں کی نسبت نطشہ کا یہ تنفر ایک مریضانہ کیفیت کا اظہار معلوم ھوتا ھے تاھم اس کا مفہوم ھم اچھی طرح سمجھتے ھیں ۔ مضبوط گوشت خور اور آدم خور انسان کو کسی ولی کے حلم اور نفس کشی میں انحطاط اور بیماری کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اسی لئے وہ اس کو قابل نفرت سمجھتا ھے ۔ در اصل یہ زندگی کے دو مختلف اصولوں کی کشاکش ھے اور تمام بحث کا محور یہی دو اصول ھیں کہ آیا ھمیں اس مرئی اور محسوس عالم سے توافق پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاھئے یا نامحسوس عالم غیب سے اور اس سعیٔ توافق میں ھمیں تشدد سے کام لینا چاھئے یا عدم تشدد یعنی رحم و کرم سے ۔

http://www.Mypdfsite.com

یہ ایک ثقہ بحث ہے۔ ہمیں از روئے تجربہ ان دونوں کو تسلیم کرنا پڑیگا کیونکہ اس دنیا میں درشتی اور نرمی دونوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ کہاں اور کس حد تک ایک یا دوسرے طریق سے کام لینا چاہئے اور یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ ولی کی روحانی قوت ہمارا نصب العین ہونا چاہئے یا تشدد پسند انسان کی مادی و جسمانی قوت۔

اکثر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ نصب العینی انسانی سیرت ایک ہی مخصوص قسم کی ہو سکتی ہے اور ایک خاص قسم کا انسان علی الاطلاق بہترین شمار ہونا چاہئے خواہ اس کی زندگی میں کوئی معاشی یا دوسری قسم کا مفاد نظر آئے یا مفقود ہو۔ کوئی ولی کو مثالی انسان سمجھتا ہے کوئی نائٹ یا جنٹلمین کا ایک تصور رکھتا ہے۔ یہ تصورات ہمیشہ ایک دوسرے کے متقابل اور حریف رہے ہیں مگر دینی عسکری مجاہد میں کسی حد تک یہ متضاد نما تصورات متحد بھی ہو جاتے ہیں۔ ہمارا تجربی فلسفہ یہ کہتا ہے کہ کسی فرد کا مثالی ہونا مطلق نہیں بلکہ اضافی ہوتا ہے۔ مثلاً اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ ایک نصب العینی گھوڑے کی کیا تعریف ہوگی اور اس کو کن صفات کا حامل ہونا چاہئے تو آپ کو یہ سوال مہمل معلوم ہوگا۔ کیونکہ بار برداری کے لئے عمدہ گھوڑے کے صفات وہ نہ ہونگے جو گھڑ دوڑ کے گھوڑے کے ہونے چاہئیں۔ بچوں کی سواری کے لئے ٹٹو کے صفات دکان کا سودا ڈھونے والے ٹٹو سے مختلف ہوتے ہیں اور ہونے چاہئیں۔ ان تمام مختلف الصفات گھوڑوں کی انسان کو ضرورت ہے اس لئے کسی کو بھی مطلقاً

http://www.Mypdfsite.com

کامل مثالی گھوڑا نہیں کہ سکتے۔ اگر آپ کہیں کہ بحیثیت مجموعی گھوڑا اچھا ہونا چاہئے تو اس قسم کا معتدل ہمہ صفت موصوف گھوڑا کسی ایک غرض کے لئے اس گھوڑے سے ادنیٰ ہوگا جس میں کوئی ضروری اختصاصی صفت ہو۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ ایک ولی نصب العینی انسان ہوتا ہے یا نہیں ہمیں مذکورہ صدر اضافیت کمال کو فراموش نہ کرنا چاہئے۔ اس جانچ میں ہم معنیت کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

میرا خیال ہے کہ ہربرٹ اسپنسر نے اپنی ''اخلاقیات'' میں جو اسلوب بحث اختیار کیا ہے اس مسئلے کے حل میں ہمیں اس سے مدد ملیگی۔ وہ کہتا ہے کہ کسی کردار کے مثالی ہونے کا مدار ماحول سے توافق پر ہے۔ کسی جماعت میں اگر سب کے سب تشدد پسند ہوں تو وہ اندرونی کشاکش سے تباہ ہو جائیگی۔ لیکن اگر کسی سوسائٹی میں کچھ لوگ جارحانہ مزاج کے ہوں تو نظم و نسق قائم رکھنے کے لئے اوروں کو غیر متشدد ہونا پڑیگا۔ موجودہ انسانی جماعتوں کی یہی کیفیت ہے اور بہت سی بھلائیاں اسی امتزاج سے پیدا ہوتی ہیں۔ مگر متشدد انسانوں میں ہمیشہ ظلم و ستم اور لوٹ کھسوٹ کا میلان موجود ہوتا ہے۔ وہ کبھی قوت سے اور کبھی فریب سے دوسروں پر ظلم کرنے پر مائل رہتے ہیں۔ اسی لئے ایسوں کی موجودگی کی وجہ سے ہمارے موجودہ معاشرہ کو مثالی نہیں کہہ سکتے۔ لیکن ایسی جماعت کا تصور ممکن ہے جس میں کسی فرد میں تشدد کا میلان نہ ہو اور سب میں عدل و رحم پایا جائے۔ مخلص دوستوں

http://www.Mypdfsite.com

کی ایک مختصر جماعت میں یہ خوشگوار انداز اب بھی پایا جاتا ھے۔ اگر اسی قسم کی کوئی وسیع جماعت وجود میں آ سکے تو وہ مثالی جماعت ھوگی، اس کے اندر زندگی کے تمام اچھے تقاضے بغیر کسی کشاکش کے پورے ھوتے رھینگے۔ ایک ولی کی زندگی پوری طرح ایسے حالات کے متوافق ھوگی۔ اس کی صلح جوئی اس کے ساتھیوں کو پسند آئیگی اور وہ بخوشی اس کی بات مانینگے۔ کوئی شخص اس کے رحیمانہ برتاؤ سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیگا۔ اس لحاظ سے فطری طور پر غیر متشدد ولی کو متشدد قوی انسان پر ترجیح ھے کیونکہ وہ ایک نصب العینی معاشرے میں بے خلل زندگی بسر کر سکتا ھے۔ یہ الگ بات ھے کہ ایسا معاشرہ ممکنات میں سے ھے بھی یا نہیں۔ اگر ایسے مثالی معاشرے میں کچھ متشدد انسان گھس جائیں تو اس میں خرابی پیدا ھو جائیگی، وہ ھر لحاظ سے ادنیٰ ھو جائیگی سواء جذبۂ جنگ جوئی کے جو اکثر انسانوں کو پسند ھے۔

مجرد اور فطری تصورات کو چھوڑ کر اگر ھم انسانی جماعتوں کی موجودہ حالت کو دیکھیں تو اس کے ساتھ ایک غیر متشدد درویش موافق بھی ھو سکتا ھے اور غیر موافق بھی۔ اس کا مدار حالات پر ھے۔ اس لئے ولایت کی فضیلت میں کوئی مطلقیت نہیں۔ انسانی جماعتوں کی موجودہ حالت کو دیکھ کر ھمیں یہ اقرار کرنا پڑیگا کہ کس شخص کا پوری طرح درویشی اختیار کرنا اس کو نقصان پہنچا سکتا ھے۔ اگر اس میں کوئی خاص عظمت نہ ھو تو وہ کسی دنیا دار کے مقابلے میں حقیر و ذلیل دکھائی دیگا اسی لئے ھماری مغربی تہذیب میں خالص اور انتہائی مذھبیت بہت

http://www.Mypdfsite.com

شاذ نظر آتی ہے، زیادہ تر دین کے ساتھ دنیاداری کے عناصر آمیختہ رہتے ہیں۔ مغرب نے اچھے دیندار بھی پیدا کئے ہیں جو اکثر حیثیتوں میں مذہبی عقائد کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے لیکن کامل عدم تشدد پر کاربند ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔ حضرت مسیح نے خود بھی بعض مواقع پر تشدد برتا ہے، انہوں نے صرافوں کو چابکیں ماریں اور بیت المقدس کے صحن میں ان کے اڈوں کو الٹ ڈالا۔ کرامول، سٹون وال، جیکسن اور گورڈن پکے عیسائی ہونے کے باوجود عملاً متشدد بھی تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اچھے عیسائی متشدد بھی ہو سکتے ہیں۔

جب ماحول اتنے مختلف ہو سکتے ہیں اور ان کے ساتھ توافق پیدا کرنے کے طریقے بھی کئی قسم کے ممکن ہیں تو پھر کسی زندگی کی کامیابی اور کمال کو جانچنے کے لئے کوئی معیار مطلق کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی مطلق معیار ممکن نہیں اور فیصلے کا مدار اس زاویہ نگاہ پر ہے جو اختیار کیا جائے۔ محض جسمانی بقا کے نقطہ نظر سے سینٹ پال کو ناکام ہی سمجھنا پڑیگا کیونکہ اس کا سر کاٹ دیا گیا لیکن تاریخ کے وسیع ماحول میں رکھ کر اگر اس کو دیکھا جائے تو اس ماحول سے اس کی موافقت عظیم الشان دکھائی دیتی ہے۔ اسی طرح کسی ولی کی مثال اگر دوسروں میں خیر و صداقت کو ترقی دیتی ہے اور ان کے اندر اپنی ہم رنگ خوبیاں پیدا کرتی ہے تو اس کو کامیاب ہی سمجھنا چاہئے خواہ جسمانی لحاظ سے اس کا انجام بخیر نہ ہوا ہو۔ روحانیت کے بڑے بڑے ابطال

http://www.Mypdfsite.com

و ائمہ فرانسس ، لیوتھر ، اور برنارڈ کی قسم کے لوگ اپنی زندگی کے دوران ھی میں کامیاب دکھائی دیتے ھیں۔ ان کی عظمت اور قوت ان کے معاصرین پر بھی آشکار ھو جاتی ھے ۔ ان کا احساس سر کائنات ، ان کا جذبہ اور ان کی نیکی آفتاب کی طرح ھر طرف نور پاش ھوتی ھے اور دائرۂ نور کو وسیع کرتی ھے ۔ وہ ایسی تصاویر کی طرح ھوتے ھیں جن میں ایک مخصوص فضا اور ایک مخصوص پس منظر بھی محسوس ھوتا ھے ۔ دنیاوی لحاظ سے قوت و اقتدار والے لوگوں کو اگر ان کے دوش بدوش کھڑا کیا جائے تو وہ چوب خشک یا سنگ و خشت دکھائی دینگے جن میں نہ کوئی زندگی ھے اور نہ کوئی جمال ۔

مذھب کو جانچنے کے عام مسلمہ دنیاتی معیارات کو ترک کر کے محض عملی عقل سلیم اور تجربی طریق تحقیق سے اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے پر بھی تاریخ انسانی میں مذھب کا مقام بلند ھی رھتا ھے ۔ افادیت کے نقطہ نظر سے بڑے بڑے انبیاء و اولیاء تو اپنی زندگی ھی میں کامیاب ھو جاتے ھیں اور ان کے اثر و مثال سے بے شمار لوگوں کی زندگیاں اخلاق و روحانی حیثیت سے سنور جاتی ھیں ۔ کم تر درجے کے ولی کسی بہتر دنیاوی نظام کی طرف رھنمائی کرتے ھیں اور خمیر کا کام دیتے ھیں ۔ لہٰذا ھر شخص کو روحانی کمال کے حصول کی کوشش کرنی چاھئے خواہ اس کو ظاھری اور فوری کامیابی نصیب ھو یا نہ ھو ۔ خدا کے وسیع گھر میں بے شمار اور طرح طرح کے کمرے ھیں ۔ ھر شخص کو اپنی مذھبیت کے اظہار کی مخصوص صورت ڈھونڈنی چاھئے ۔ ھر شخص کو اپنی قوتوں کا اندازہ

http://www.Mypdfsite.com

لگانا چاهئے اور دیکھنا چاهئے که فطرت نے اس کو کس انداز حیات کے لئے موزوں بنایا هے۔

(هر کسے را بهر کارے ساختند میل وے اندردلش انداختند)

اس معاملے میں تقلید سے نہیں بلکه تحقیق سے فائده پہنچ سکتا هے۔ کوئی شخص کسی فرد کی کامیابی کا ضامن نہیں هو سکتا اور نه اس کی هدایت کے لئے کوئی اٹل قاعدے بنا سکتا هے۔ اپنے عمل کی خوبی یا خرابی هر شخص کو خود تجربه کر کے هی معلوم هو سکیگی۔

یہاں تک تو میں اسی نتیجے پر پہنچا هوں۔ آپ میں سے بعض اس پر حیرت کرتے هونگے که مذهب کی صداقت کو جانچنے کے لئے اس قسم کی افادیت کو معیار بنایا گیا هے۔ آپ کہینگے که مذهب تو دو عالموں کا قائل هے، ایک عالم محسوس ومرئی اور دوسرا عالم غیب، و نا محسوس۔ اس لئے روحانیت کو محض اس معیار سے کیوں پرکھا جائے که اس دنیاوی زندگی میں اس سے کیا مفاد حاصل هوتا هے؟ آپ کہینگے که مذهب کو اس کی صداقت مطلقه سے جانچنا چاهئے نه که حیات دنیا میں اس کی افادیت سے۔ اس دنیا میں روحانیت سے خواه خاک بهی حاصل نه هو تو بهی روحانیت کے نتائج اچهے هی شمار هونے چاهئیں کیونکه ان نتائج کا تعلق ایک دوسرے عالم سے هے لہذا دینی عقائد کی صداقت پر بحث هونی چاهئے نه که ان کی افادیت پر۔ یہاں هم بعض اهم حل طلب مسائل میں گهر جاتے هیں اور صداقت کی نظری بحث کے بغیر چاره معلوم نہیں هوتا اس لئے همیں اس ذمه داری کو قبول

http://www.Mypdfsite.com

کرنا چاھئے ۔ مذھبی صداقت کی نسبت بعض روحانی لوگوں میں ایک خاص قسم کے انداز ادراک کا دعوہ ملتا ھے جس کو مسٹسزم ، سریت یا تصوف کہتے ھیں ۔ آئندہ خطبے میں میں بالتفصیل اس کے مظاھر کو بیان کرونگا اور اس کے بعد فلسفۂ مذھب کی نسبت کسی قدر اختصار سے اپنے خیالات پیش کرونگا ۔

http://www.Mypdfsite.com

سولھواں اور سترھواں خطبہ

تصوف

گزشتہ خطبوں میں میں نے کئی سوالات اٹھائے مگر جوابات کو تشنہ چھوڑ دیا اور کہتا رہا کہ پوری بحث تصوف پر غور کے بعد ہوگی۔ آپ میں سے بعض مسکراتے ہونگے کہ یہ شخص مسلسل ٹال مٹول کرتا چلا جا رہا ہے۔ اب ہمیں تصوف پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنا اور منتشر افکار و نتائج کی کڑیوں کو ملانا پڑیگا۔ ذاتی روحانی تجربے کا مرکز و محور صوفیانہ احوال شعور ہیں۔ ان خطبات میں ہمارا اصل مقصد و موضوع ذاتی روحانی تجربہ ہی تھا اس لئے تصوف کا باب ہمارے لئے ایک نہایت اہم باب ہے، اس سے دوسرے ابواب پر بھی روشنی پڑیگی۔ لیکن جہاں تک ذاتی تجربے کا تعلق ہے میں خود تو اس کوچے سے قطعاً نابلد ہوں اس لئے میں نہیں کہہ سکتا کہ میری بحث و تحقیق اس مضمون پر روشنی ڈالیگی یا اس کے اندر اور اندھیرا کردیگی۔ میرے ذاتی ادراک کے دروازے اس طرف سے بالکل بند ہیں اس لئے مجھے دوسروں کی بیان کردہ کیفیتوں ہی سے بحث کرنی ہوگی۔ میرے لئے یہ سنی سنائی باتیں ہیں مگر شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اگرچہ میں خارج سے ان احوال کا شاہد ہوں لیکن پوری طرح بے تعصب کوشش کرونگا کہ شرح قلب کے ساتھ سمجھنے اور جانچنے کی کوشش کروں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کے اندر یہ یقین پیدا کر سکونگا کہ اس قسم

http://www.Mypdfsite.com

کے روحانی احوال موھوم نہیں بلکہ حقیقی ھیں اور غیر معمولی اھمیت رکھتے ھیں۔

سب سے پہلے اس کی وضاحت ضروری ھے کہ صوفیانہ احوال شعور سے کیا مراد ھے اور ان احوال کو شعور کی دوسری کیفیتوں سے کس طرح الگ اور ممتاز کر سکتے ھیں۔

اکثر لوگوں کے نزدیک تصوف اور صوفیانہ احوال عقلاً کچھ بدنام سی چیزیں ھیں۔ بہت لوگ انہیں شطحیات اور مجذوب کی بڑ سمجھتے ھیں اور خیال کرتے ھیں کہ یہ کوئی مبہم جذباتی کیفیتیں ھیں جن کی تائید نہ واقعات سے ھوتی ھے اور نہ منطق سے۔ بعض کے نزدیک مادی اور جسمانی وسائل کے بغیر انتقال خیال یا مردوں کے ارواح کو بلانے کا نام مسٹسزم (Mysticism) ھے۔ وضاحت کے لئے میں شروع میں یہ کہونگا کہ چار علامات جن تجربات شعور میں پائے جائیں ان کو صوفیانہ وجدان قرار دیا جائے۔ عام مذھبیت کے بارے میں بھی ھم نے یہی کہا تھا کہ ابہام سے بچنے کے لئے کچھ امتیازی صفات کو چن لیا تھا جن کی موجودگی مذھبیت کے لئے لازم ھے۔ اس طرح ھم ض لفظی مناقشوں سے بچ جائینگے۔

پہلی علامت یہ ھے کہ جس کو بھی کوئی ایسا تجربہ ھوتا ھے وہ اسے ناقابل بیان سمجھتا ھے اور کہتا ھے کہ انسان کی عام زبان اور ادراک کے عام سانچے اس معاملے میں] بے کار اور بے بس ھیں۔ کوئی صاحب حال شخص محض صاحب قال کو سمجھا نہیں سکتا، اس کو سمجھنے کے لئے خود تجربہ کرنا لازمی ھے۔ اس لحاظ سے ان کی مشابہت عقلی افکار کی بجائے تاثراتی

http://www.Mypdfsite.com

کیفیات سے ہے۔ اگر کوئی ایسا تاثر ہے جو سننے والے نے کبھی محسوس نہیں کیا تو کسی شرح و بیان سے اس کی کیفیت سمجھائی نہیں جا سکتی۔ جس طرح مادر زاد اندھے کو کسی ترکیب سے بھی روشنی کا علم نہیں ہو سکتا خواہ عمر بھر اس کو کوئی بتاتا رہے۔ اگر کسی میں موسیقی کے ذوق کا فقدان ہو تو نغمہ و ساز کی لطافتیں اس پر آشکار نہیں ہو سکتی۔ عاشق کی کیفیت کوئی ایسا شخص نہیں سمجھ سکتا جو کبھی عشق میں مبتلا نہ ہوا ہو۔ نغمہ و عشق سے بے بہرہ انسان موسیقی سے وجد و مستی میں آنے والے شخص یا عاشق زار کو ضعیف العقل انسان سمجھتا ہے جو جلدی جذبات کی رو میں بہ جاتا ہے۔ ہر صوفی جانتا ہے کہ اس کے احوال کو اس کوچے سے نابلد لوگ کچھ ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ (ذوق ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی)۔

۲۔ دوسری علامت یہ ہے کہ اس قسم کا صاحب حال شخص اپنی اس شعوری کیفیت کو جذبہ و تاثر سے مشابہ ہونے کے باوجود علم و عرفان کی کیفیت سمجھتا ہے جس کی بدولت حقیقت حیات کی اتھاہ گہرائیاں اس پر منکشف ہوتی ہیں جہاں استدلالی عقل کی رسائی نہیں۔ وہ ان کو نور حقیقت اور ماہیت صداقت محسوس کرتا ہے اگرچہ وہ اس کو دوسروں پر واضح نہیں کر سکتا۔ ان کے مستند اور قابل اطاعت ہونے کا حق الیقین ان کا لازمی عنصر ہے جو صاحب حال کی تمام زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جس کیفیت شعور میں یہ دو علامتیں پائی جائیں میں اس کو صوفیانہ حال کہونگا۔ ان کے علاوہ دو اور علامتیں ہیں

http://www.Mypdfsite.com

جو اس قدر واضح نہیں مگر اکثر احوال میں پائی جاتی ہیں۔

۳۔ یہ حالتیں نہ مستقل ہوتی ہیں اور نہ دیر پا۔ ایسا بہت شاذ ہوتا ہے کہ طویل عرصے تک یہ کیفیت باقی رہے ورنہ عام طور پر نصف ساعت۔ ایک دو گھنٹوں کے بعد صاحب حال اپنے معمولی شعور میں واپس آ جاتا ہے اور ان کے گزر جانے کے بعد حافظے میں بھی ان کا پوری طرح اعادہ نہیں ہو سکتا لیکن دوبارہ جب کبھی وہ حالت طاری ہو تو صاحب حال اس کو پہچان لیتا ہے۔ بعد میں ایک یا کئی بار اعادہ و تکرار میں وہ کیفیت ترقی یافتہ صورت اختیار کرتی ہے اور اس کی وسعت، اس کی گہرائی اور اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

۴۔ ارادہ اور کوشش سے یا توجہ سے یا خاص جسمانی اعمال سے ان احوال کے ورود کے لئے راستہ صاف کیا جا سکتا ہے لیکن ورود کے بعد صاحب حال کی قوت ارادی بالکل معطل ہو جاتی ہے اور اس کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی اعلے اور زبردست قوت کے تسلط میں ہے۔ صوفی کی یہ حالت ان حالتوں کے مماثل ہوتی ہے جن میں کسی کے اندر کوئی دوسری شخصیت کار فرما ہوتی ہے یا کوئی نبوت کے انداز کی باتیں کرنے لگتا ہے یا بے ارادہ اس کے قلم سے کوئی تحریر سرزد ہونے لگتی ہے یا واسطۂ ارواح بننے سے کسی پر بیخودی طاری ہوتی ہے اور کوئی دوسری روح اس کے اندر گویا یا عامل بن جاتی ہے۔ مگر ان حالتوں اور صوفیانہ حال میں ایک بین فرق ہے۔ یہ حالتیں بعد میں شعور پر کوئی نقش نہیں چھوڑتیں اور جو شخص اس حال کا محل تھا اس کو کچھ بھی یاد نہیں رہتا اور اس کی

http://www.Mypdfsite.com

باطنی زندگی اس سے کچھ متاثر نہیں ہوتی - لیکن صوفیانہ وجدان اس طرح کی مداخلت بے جا نہیں ہوتا ، اس کی کچھ یاد اور اہمیت صاحب حال کے شعور میں موجود رہتی ہے اور احوال کے درمیانی زمانے میں عام حالت میں بھی اس کی باطنی زندگی پر اس کا اثر ہوتا ہے لیکن اس بارے میں کیفیات کے مختلف مدارج ہیں - بعض حالتیں خالص ہوتی ہیں اور بعض میں کچھ ملاپ ہوتا ہے - کوئی معین اصول نہیں ہیں جو سب پر حاوی ہوں -

مذکورہ صدر چار علامات جن احوال شعور میں پائی جائیں ہم ان کو صوفیانہ احوال کہینگے - انہیں احوال کا مطالبہ ہمارا مقصود ہے -

اب ہمارا دوسرا قدم یہ ہونا چاہئے کہ ہم ان احوال کی کچھ نوعی مثالوں سے واقفیت حاصل کریں - بعض صوفی اپنے ارتقا کے درجۂ کمال میں نہایت منظم تجربات و احوال کے حامل ہوتے ہیں اور ان کی بنا پر ایک فلسفہ بھی تعمیر کرتے ہیں - لیکن آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے پہلے ہی خطبے میں کہا تھا کہ فہم مظاہر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کا ایک تدریجی سلسلہ بنایا جائے ، پہلے دیکھا جائے کہ معرض شہود میں آنے کے وقت ابتدا میں ان کی کیا کیفیت ہے اور پھر ثمر پختہ کی طرح جب بہت زیادہ پک کر سڑنے لگتے ہیں تو کیا حال ہوتا ہے - پھر ان مظاہر کی مبالغہ آمیز اور انحطاط یافتہ صورتوں کا مطالعہ کیا جائے - صوفیانہ احوال کا میدان اس قدر وسیع ہے کہ مختصر وقت میں اس کا احاطہ کرنا ناممکن ہے لیکن تدریجی مطالعہ معقول نتائج تک پہنچنے کے لئے نہایت لازمی ہے - میں پہلے ایسے مظاہر

http://www.Mypdfsite.com

کو بیان کرتا ہوں جن کو کوئی مخصوص مذہبی اہمیت حاصل نہیں اور آخر میں ان مظاہر کا ذکر کرونگا جن کے متعلق روحانی دعوے بہت بلند ہیں۔

روحانی تجربے کی ایک ہلکی سی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ کوئی ہدایت یا اصول کی بات جو ایک شخص عمر بھر سنتا اور دہراتا رہا ہے کسی وقت یک بیک ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے پورے معنی اور اس کی غیر معمولی اہمیت اب منکشف ہوئی ہے۔ لیوتھر کہتا ہے کہ ”میرے ایک ساتھی راہب نے ایک روز عقیدۂ مسیحی کا یہ فقرہ بولا کہ ’میں گناہوں کی معافی پر ایمان رکھتا ہوں‘ تو مجھے محسوس ہوا کہ پہلی مرتبہ اسی لمحے میں تمام انجیل میرے لئے ایک نئے نور ہدایت کے ساتھ منور ہو گئی ہے اور میں پہلی زندگی سے مر کر ایک نئے جسم میں آ گیا ہوں اور جنت کا دروازہ میرے لئے کھول دیا گیا ہے“۔ یہ ضروری نہیں کہ کسی معقول فقرے سے یہ حالت پیدا ہو۔ بعض اوقات محض ایک لفظ یا کچھ الفاظ کو یکجا دیکھ کر یا بر و بحر پر روشنی کے اثرات سے یا بعض خوشبوؤں سے یا موسیقی سے نفس کے اندر ایک خاص حالت میں یہ بات پیدا ہو جاتی ہے۔ جوانی کے زمانے میں پڑھے ہوئے بعض اشعار ہمیں ایسے متاثر کرتے اور روح میں وہ ارتعاش و اہتزاز پیدا کرتے ہیں کہ سر حیات اور زندگی کا درد و سوز قلب و روح میں اور رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے۔ محض الفاظ کی موزونیت تو سطح پر ہی رہتی ہے لیکن ان کے اندر جو روح تغزل اور موسیقی ہے وہ اس حد تک ہمارے لئے زندگی

http://www.Mypdfsite.com

اور اهمیت کی حامل هوتی هے جس حد تک که زندگی کی وہ مبہم وسعتیں ـ هماری ذاتی زندگی بھی جن سے همکنار هے ـ پس پردہ هم کو اپنی طرف بلاتی هوئی مگر ادراک کی گرفت سے گریز کرتی هوئی محسوس هوتی هیں - جس حد تک یہ نوائے راز یا سریت کا یہ احساس هم میں موجود هے اس حد تک هم شعر و نغمہ یا دیگر فنون لطیفہ کے ازلی پیغام کی قبولیت کی صلاحیت رکھتے هیں - روح کے زندہ یا مردہ هونے کا مدار اس صلاحیت یا عدم صلاحیت پر هے -

سری احساس کے نردبان میں ایک قدم اوپر ایک اور عجب قسم کا احساس هے جو اکثر انسانوں کو کبھی کبھار هوتا هے که کسی ایک مقام پر کوئی انسان یک بیک محسوس کرتا هے که کسی زمانہ قدیم میں میں اس سے پیشتر بھی یہاں تھا اس وقت بھی یہی ماحول تھا اور یہی لوگ تھے اور اسی قسم کی باتیں هو رهی تھیں - ٹینی سن نے اپنی نظم ٹو وائسز (دو آوازیں) میں اسی کیفیت کو بیان کیا هے - اس نے مسٹر بلڈ کے نام ایک خط میں اپنا ایک اور روحانی تجربہ مفصلہ ذیل الفاظ میں بیان کیا : ''هے میں نے کسی نشہ آور چیز سے کبھی کوئی روحانی کیفیت پیدا نہیں کی لیکن بعض اوقات ایک ایسی حالت مجھ پر طاری هوتی هے جس کو زیادہ موزوں الفاظ نہ ملنے کی وجہ سے میں 'بیدار بے خودی' کہہ سکتا هوں - بچپن سے اب تک تنہائی میں کئی مرتبہ یہ حالت مجھ پر گزری هے - میں آهستگی سے دو چار مرتبہ اپنا نام دهراتا هوں تو یک بیک خودی کی شدت شعور میں میری خودی ایک هستئی لا محدود میں گم هو جاتی هے - شعور

http://www.Mypdfsite.com

کی یہ کوئی مبہم دھندلی کیفیت نہیں ہوتی بلکہ اس کے اندر ایسی کمال درجے کی وضاحت اور یقین ہوتا ہے جو الفاظ میں ادا نہیں ہو سکتا۔ موت یہاں مضحکہ خیز حد تک نا ممکن معلوم ہوتی ہے۔ انفرادی خودی کا فقدان فنا کی بجائے بقائے حقیقی محسوس ہوتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ان الفاظ میں اس کی حقیقت کو واضح نہیں کر سکا مگر میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ حالت ناقابل بیان ہے۔"

پروفیسر ٹنڈل نے بھی اپنے ایک خط میں ذکر کیا ہے کہ ٹینی سن نے اس حالت کی نسبت کہا: "قسم ہے قادر مطلق خدا کی کہ اس حالت میں کوئی نفسی دھوکا نہیں، یہ کوئی مبہم ہستی نہیں بلکہ فوق الادراک حیرت کی حالت ہے جس میں نفس کے اندر کمال درجے کا نور شعور ہوتا ہے۔"

ان حالتوں کے لئے جن میں انسان سمجھتا ہے کہ میں پہلے بھی کسی زمانۂ قدیم میں بعینہ اسی حال اور ماحول میں رہ چکا ہوں سر جیمز کرشٹن برون 'کیفیات نوم' یعنی خواب کی سی حالت کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ اس حالت میں اشیاء کی فوق الطبعی ثنویت اور ایک راز کا احساس ہوتا ہے کہ جو کچھ اب یہاں ہے وہ بعینہ کہیں اور بھی ہے اس کے 'اندر شعور مائل بہ وسعت معلوم ہوتا ہے مگر کبھی اس کی تکمیل نہیں ہوتی۔ برون تو اس کی نسبت کہتا ہے کہ یہ حالت اس سے مشابہت رکھتی ہے جو بعض اوقات مرگ کے حملے سے قبل ایک مریض شعور ذات کے انتشار اور خوفزدگی میں محسوس کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جنونی امراض کا یہ ماہر ایک معمولی مظہر

http://www.Mypdfsite.com

شعور کو خواہ مخواہ ایک بھیانک چیز بنا رہا ہے، وہ اس کو نیچے کی طرف دھکیل کر جنون ثابت کرنا چاہتا ہے لیکن ہمارے نزدیک اس کا رخ شعور کی بلندیوں کی طرف ہے۔ دیکھئے کہ محل اور ماحول کے اختلاف سے کسی مظہر کی نسبت زاویہ نگاہ میں کس قدر تبدیلی ہو جاتی ہے اور دو محقق کس طرح مختلف اور متضاد نتائج پر پہنچتے ہیں۔

ایک اور قسم کی خواب کی طرح کی کیفیت ہے جس میں سری شعور کے اندر ذرا زیادہ گہرا غوطہ لگتا ہے۔ اس حالت کو چارلس کنگزلے نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"میدانوں میں سیر کرتے ہوئے کسی وقت مجھ پر یہ احساس طاری ہوتا ہے کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں اس کے کچھ اہم اور گہرے معنی ہیں بشرطیکہ میں ان کو سمجھ سکوں۔ یہ خیال کہ میں چاروں طرف حقائق سے گھرا ہوا ہوں میرے نفس کو اس طرح مرعوب کرتا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ ایسے ہی چند مقدس لمحوں میں اپنی روح کی حقیقت انسان کے سامنے آتی ہے جس کا ادراک پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔"

سری شعور کی ایک زیادہ شدید صورت کو سائمنڈ نے بیان کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس قسم کے تجربات والے لوگوں کی کافی تعداد ہے، وہ اتنے کمیاب نہیں جتنا کہ ہم سمجھتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے: "یک بیک گرجے کے اندر یا دوسروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے یا بڑھتے ہوئے مگر ہمیشہ اس حالت میں جب میرا جسم حالت

http://www.Mypdfsite.com

سکون میں ہو میں اس کیفیت کی آمد کو محسوس کرتا تھا۔ میرا نفس اس سے مغلوب ہو جاتا تھا۔ اس حالت کی مدت مجھے نہایت طویل محسوس ہوتی تھی۔ پھر یہ کیفیت سرعت سے رفع ہونا شروع ہوتی تھی جیسے کوئی شخص بیہوشی سے بیداری کی طرف آ رہا ہو۔ مجھے یہ کیفیت اس وجہ سے ناگوار معلوم ہوتی تھی کہ میں اپنے آپ کو بھی اسے سمجھا نہ سکتا تھا۔ اس وقت بھی میرے پاس اس کے بیان کے لئے الفاظ نہیں۔ ہوتا یہ تھا کہ بتدریج مگر سرعت کے ساتھ زمان و مکان اور حواس و شعور کے تمام عناصر جن کو مجموعی طور پر ہم اپنا نفس کہتے ہیں منسوخ و مفقود ہو جاتے تھے۔ عام شعور کے ان عناصر کے برطرف ہونے پر ایک زیادہ اساسی شعور کی شدت ترقی کرتی تھی یہاں تک کہ ایک خالص مجرد اور مطلق نفس باقی رہ جاتا تھا اور کائنات تمام صورتوں سے معرا ایک خلاء محسوس ہوتی تھی لیکن نفس کی شدت ادراک بڑھ جاتی تھی اور ہستی کی حقیقت کی نسبت شدید شک پیدا ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک سیمیائی حباب ہے جو پھوٹنے والا ہے۔ میں خیال کرتا تھا کہ میں عدم کے کنارے تک پہنچ گیا ہوں اور مایا یا ازلی فریب ہستی سے آشنا ہو گیا ہوں۔ اس کے بعد میں اپنے معمولی شعور کی طرف عود کرتا تھا۔ پہلے حاسۂ لمس اور اس کے بعد دوسرے حواس اور محسوسات واپس آتے تھے تو میں اپنے آپ کو ایک انسان سمجھتا تھا۔ اگرچہ اس کیفیت میں معمائے حیات کا کوئی حل مجھے میسر نہ آتا تھا لیکن میں عدم سے عود کرنے پر شکر گزار ہوتا تھا

http://www.Mypdfsite.com

کہ میں تشکیک میں غرق ہو کر پھر ہستی میں ابھر آیا ہوں اور ایک خوفناک حالت سے نجات پائی ہے۔

اٹھائیس برس کی عمر تک پہلے جلدی جلدی اور پھر طویل وقفوں کے بعد یہ حالت عود کرتی رہی۔ اس کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ میں عالم مظاہر و حوادث کو سیمیا کی سی نمود سمجھنے لگا۔ ایسی حالت سے عود کر کے میں اکثر اپنے آپ سے سوال کرتا تھا کہ کیا یہ حالت نمود بے بود تھی جس میں ہستی کی حقیقت ہی کی نسبت شک پیدا ہوتا تھا یا یہ عالم مادی و جسمانی اور عالم مظاہر محض حلقۂ دام خیال باطل ہے۔ کیا انسان بھی کسی خواب ہی کے اجزا ہیں اور اس کا خواب ہونا ان لمحات میں اس پر منکشف ہوتا ہے؟ اگر میں اس حالت میں عدم کے کنارے پہنچا ہوا وہاں سے واپس نہ ہو سکتا تو کیا ہوتا؟"

اس بیان میں یقیناً کچھ امراضی کیفیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اب ہم ایسے سری احوال کا ذکر کرنے والے ہیں جن کو رائے عامہ اور اخلاقیات نے ہمیشہ سے سقیمانہ احوال کہا ہے اگرچہ بعض لوگوں کو ذاتی طور پر اور بعض اقسام کے تغزل میں وہ بلند درجے کی کیفیتیں شمار ہوتی ہیں۔ میری مراد اس انداز شعور سے ہے جو مسکرات اور بیخودی آور چیزوں سے پیدا ہوتا ہے خصوصاً شراب سے۔ میں سمجھتا ہوں کہ نوع انسان کے لئے شراب کی کشش بے شبہ اس کی اس خاصیت کی بدولت ہے کہ وہ زندگی کی سختی اور عقل و ضمیر کی خشک تنقید سے بیزار انسان کے اندر گہرے اور وسیع نفسی شعور کو بیدار کرتی ہے۔ سنجیدگی یا ثقہ پن مسلمہ اصول و عقائد کی بنا

http://www.Mypdfsite.com

پر معاشرے کے دباؤ کی وجہ سے انسان کی اکثر تمناؤں کو پورا نہیں ہونے دیتا۔ یہاں اجازتیں کم ہیں اور رکاوٹیں زیادہ۔ شراب کا نشہ عارضی طور پر خیال میں فراخی اور اضداد میں اتحاد پیدا کر کے ہر آرزو کی نسبت 'نہیں نہیں' کی بجائے 'ہاں ہاں' کہتا جاتا ہے۔ اس کی حرارت زندگی کی حرارت بن جاتی ہے اور واقعات کی سرد مہری سے ٹھٹھرا ہوا انسان اس آتش بے دود سے دل و دماغ کو گرما لیتا ہے۔ شکوک و موانع کے دور ہو جانے وہ سے محسوس کرتا ہے کہ میں حقیقت سے ہم کنار ہو گیا ہوں۔ اکثر لوگ جو شراب کے طالب ہیں اس کی وجہ ان کی بد فطرتی نہیں۔ ایک مفلس اور جاہل انسان کو نہ نغمہ و ساز میسر آتے ہیں اور نہ وہ ادبیات سے لطف اندوز ہو سکتا ہے لہٰذا ایک خوش حال اور تعلیم یافتہ شخص کو موسیقی اور شاعری سے جو غذائے روح حاصل ہوتی ہے مفلس جاہل اسے شراب سے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ [اکبر الہ آبادی کہتے ہیں ؎

غم دھر سے بچاتا ہے بشر کو مست رہنا
مجھے شاعری نہ آتی تو میں بادہ خوار ہوتا]

حیات انسانی کی یہ المناک کیفیت ہے کہ لطافت شعور کی خاطر اس کو شراب جیسے زہر سے مدد لینی پڑے جس کے اثرات بحیثیت مجموعی اس قدر ذلت آفرین ہیں۔ نشۂ شراب کی ابتدائی حالت میں کیفیت شعور میں واقعی دلربائی محسوس ہوتی ہے لیکن انجام افسوسناک ہوتا ہے۔ بہر حال نشہ کی حالت میں شعور کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ ایک وسیع اور عمیق شعور کا حصہ

http://www.Mypdfsite.com

ھے اس لئے اس کی نسبت جو رائے قائم کی جائے وہ اس رائے کے ساتھ وابستہ ھوگی جو ھم گہرے سری شعور کی نسبت قائم کرینگے۔

اگر ایتھریا نائٹرس اوکسائڈ کو ھوا کی آمیزش سے ان کی تیزی کو کم کر کے سونگھا جائے تو حیرت انگیز حد تک ان سے ایک سری شعور پیدا ھوتا ھے۔ معلوم ھوتا ھے کہ انسان حقیقت کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کر رھا ھے اور اس پر حقائق کا عجیب انکشاف ھو رھا ھے لیکن ھوش کے نمود کرتے ھوئے وہ تمام حقائق مدھم ھو" ھوئے آخر میں ناپید ھو جاتے ھیں۔ اگر ان میں سے کسی منکشف حقیقت نے الفاظ کا جامہ پہنا تھا اور وہ الفاظ ذھن میں باقی رہ گئے تھے تو وہ نہایت درجہ لغو اور مہمل ھوتے ھیں۔ لیکن ایک دھندلا احساس باقی رہ جاتا ھے کہ کچھ گہرے معانی کا انکشاف ھوا تھا۔ مجھے کئی ایسے اشخاص ملے ھیں جنھوں نے نائٹرس اوکسائڈ پر تجربہ کیا تھا اور وہ اس کے قائل تھے کہ اس سے پیدا شدہ بیخودی میں در اصل فوق الفطرت حقیقت منکشف ھوتی ھے۔

چند سال ھوئے میں نے خود بھی اپنی ذات پر نائٹرس اوکسائڈ کے سکر کا تجربہ کیا۔ میں اس تجربے سے جس نتیجے پر پہنچا اس کی صداقت کا یقین اب تک بر قرار ھے اور وہ نتیجہ یہ ھے کہ ھمارا معمولی بیداری کا شعور جسے ھم عقلی شعور بھی کہتے ھیں شعور کی ایک مخصوص نوع ھے جس کے گردا گرد کئی انواع شعور اور بھی ھیں۔ ھمارے معمولی شعور اور ان انواع کے درمیان ھلکا سا باریک پردہ ھے جو بعض حالات میں

http://www.Mypdfsite.com

ھٹ جاتا ھے - شعور کے انواع ممکنہ ھمارے معمولی شعور سے بالکل مختلف ھیں اسی لئے وہ ھمارے عقل و ادراک اور زبان و بیان کے سانچوں میں نہیں ڈھل سکتے - یہ ھو سکتا ھے کہ ھم اپنی عمر بھر ان میں سے کسی ایک نوع سے بھی آگاہ نہ ھوں لیکن کسی مناسب محرک کے پیدا ھوتے ھی فوری طرح ان کا ظہور ھوتا ھے - ھماری معمولی زندگی پر وہ قابل اطلاق معلوم نہیں ھوتے لیکن ھو سکتا ھے کہ کسی اور سطح حیات اور کسی اور عالم میں وہ موزوں اور کار آمد ھوں - اگر ھم ان انواع شعور کو نظر انداز کر کے حیات و کائنات کی کوئی مکمل توجیہ کرنا چاھیں تو یہ غلط ھوگا - سوال ان کی حقیقت کا نہیں بلکہ یہ ھے کہ ان کی نسبت ھم کیا رائے قائم کریں ؟ فہم کائنات میں ان کا کیا مقام ھے اور ھماری موجودہ زندگی سے ان کا کس قسم کا رابطہ ھے یا ھو سکتا ھے ؟ ھمارے ذھنی اور اخلاق زاویے ان سے متعین ھو سکتے ھیں اگرچہ ان کے ذریعہ سے کوئی معین عقائد و اصول مرتب نہیں ھو سکتے - وہ ایک اور عالم کی نشاندھی کرتے ھیں گو اس کا کوئی نقشہ پیش نہیں کرتے - بہر حال کائنات و حیات کی توجیہ ان کو مطلقاً نظر انداز کر کے نہیں ھو سکتی - میرے ذاتی تجربات کے خطوط ایسی بصیرت پر مرتکز ھوتے ھیں جو میرے نزدیک فلسفیانہ اور فوق الفطرت اھمیت رکھتی ھے - اس بصیرت کی اساسی خصوصیت توافق اختلافات اور رفع اضداد ھے - ھماری تمام مشکلات اضداد کی پیکار سے پیدا ھوتی ھیں جو اس شعور وحدت میں ضم ھو کر ناپید ھو جاتی ھے - یہ تمام انواع شعور ایک ھی جنس کی مختلف انواع معلوم

http://www.Mypdfsite.com

ھوتی ھیں اور ان میں سے ایک بلند تر نوع خود وہ جنس اعلیٰ ھے جو دیگر انواع کو اپنے اندر جذب کر لیتی ھے ۔ میرے اس ناقص منطقی بیان میں آپ کو اندھیرا ھی معلوم ھوگا لیکن میرے لئے اس کو مستند سمجھنے کے بغیر چارہ نہیں ۔ مجھے اس کے وھی معنی معلوم ھوتے ھیں جن پر ھیگل نے اپنے فلسفے کی تعمیر کی ھے ۔ جو کوئی گوش باطن سے یہ آواز سن سکتا ھے وہ سنے مگر میں خود تو مصنوعی ذرائع سے اس شعور و بصیرت پر پہنچا ھوں ۔ ھیگل کے نہاں خانۂ شعور میں اضداد کی وحدت مطلقہ کا گہرا یقین موجود ھوگا جس کو استدلالی جامہ پہنانے کے لئے اس نے اپنا عظیم الشان فلسفہ تعمیر کیا ۔ اس کا تمام فلسفہ اسی غلبۂ وجدان کی پیداوار ھے ۔

جن لوگوں میں کسی نشہ سے یہ شعور بیدار ھوا ھے ان کا بھی یہی عقیدہ ھے کہ یہ شعور وحدت مطلقہ کا انکشاف ھے جس میں تمام ماسوا یا عالم صور ایک ذات احد میں جذب ھو جاتا ھے ۔ پول بلڈ نے ان تجربات کو ایک کتاب میں مرتب کیا ھے ۔ وہ کہتا ھے :

”ھم اس روح بسیط و منبسط میں داخل ھو جاتے ھیں، اپنی خودی بھی فراموش ھو جاتی ھے اور باقی سب کچھ بھی غائب ھو جاتا ھے ۔ سب کچھ ایک خدا میں گم ھوتا ھے ۔ ھماری زندگی کی جو اساس ھے اس میں نہ کوئی بلند ھے اور نہ کوئی پست ۔ ایک حیات مطلقہ کے سوا اور کچھ نہیں ۔ اس کے اندر کوئی فرد اپنی انفرادی خودی محسوس نہیں کرتا ۔ وحدت قائم رھتی ھے کثرت معدوم ھو جاتی ھے ۔ ھر روح ذات مطلقہ بن

http://www.Mypdfsite.com

جاتی ہے۔ اس خلوت الٰہیہ میں نہ کوئی دوئی ہے نہ کثرت نہ اضداد۔ بس ایک دریائے وحدت موجزن ہوتا ہے۔ حق الیقین میں کوئی مسائل باقی نہیں رہتے، اس میں ماضی حال اور مستقبل کی تفریق و تقسیم بھی نہیں۔ عام فلسفہ اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتا، فلسفی کا تو اس کتے کا سا حال ہے جو اپنی دم کو پکڑنے کے لئے تگ و دو کر رہا ہے۔ وحدت کے متلاطم بحر بیکراں میں نہ محبت ہے نہ نفرت، نہ لذت نہ الم، نہ خیر نہ شر، نہ ابتدا نہ انتہا، نہ مقصد و غایت۔

[عالم بخروش لا الٰہہ الا ہوست
غافل بہ گماں کہ دشمن است او یا دوست
دریا بہ وجود خویش موجے دارد
خس پندارد کہ ایں کشا کش با اوست (سحابی)]

سائمنڈ نے کلورا فورم سونگھ کر جو حالت شعور بیان کی ہے اس کا لب لباب یہ ہے:

"پہلے تو مجھے دم گھٹنے کا احساس ہوا۔ اس کے بعد لوح شعور بالکل بے نقش ہو گئی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے روشنی اور اندھیرا طاری ہوتا رہا۔ کمرے میں جو کچھ ہو رہا تھا اس کو میں اچھی طرح دیکھ رہا تھا مگر لمس کا احساس باقی نہ تھا۔ میں نے سوچا کہ اب میں مرنے لگا ہوں۔ پھر یک بیک میں نے شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ خدا بذات خود کر رہا ہے۔ خدا ایک نور کی رو تھی جو میری رگ و پے میں داخل ہو گئی۔ اس سرور و مستی کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ ہوش میں آنے پر

http://www.Mypdfsite.com

خدا کا احساس جاتا رہا اور میں پھر دنیاوی علائق کی لپیٹ میں آ گیا۔ میں نے چیخنا شروع کیا کہ غضب ہو گیا کہ وہ خلد سرور جاتا رہا۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ تم مجھ کو اس حالت میں مار ڈالتے تو بہتر تھا تاکہ میں ہوش میں ہو کر اس اذیت رساں خیال سے بچ جاتا کہ سب کچھ حقیقی نہ تھا بلکہ دماغ کی ایک غیر معمولی حالت کا پیدا کردہ دھوکا تھا۔

لیکن ابھی تک میں اس کا فیصلہ نہیں کر سکا کہ وہ کیفیت شعور حقیقی تھی یا ہمارا عالم محسوسات حقیقی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ کلورو فورم کی مدد سے میں کچھ لمحوں کے لئے اس حقیقت سے آشنا ہو گیا جو اولیاء محسوس کرتے رہے ہیں یعنی ذات الٰہی کا نا قابل رد حق الیقین جو قابل استدلال اور قابل بیان نہیں۔ کیا ممکن نہیں کہ عالم مادی، عالم صور، عالم کثرت، عالم اضداد اور ان کے ساتھ جو ہمارا شعور وابستہ ہے وہ مقابلتاً غیر حقیقی ہو اور اس فریب آگہی کا پردہ ہٹ جانے پر انسان کا شعور حقیقت سے آگاہ ہوتا ہو خواہ یہ پردہ کسی خاص چیز کے کھانے پینے سے ہے یا کسی اور ذریعہ سے۔"

ایتھر کے سونگھنے کے بعد ایک قابل عورت نے جو کچھ محسوس کیا اس کا بیان مجھے ایک دوست نے انگلستان سے بھیجا ہے۔ اس کا خلاصہ ہے کہ "میں حیران تھی کہ کیا میں کسی زندان میں ہوں اور مجھے اذیت پہنچائی جا رہی ہے۔ میں نے پہلے سن رکھا تھا کہ مصیبت سے انسان علم حاصل کرتا ہے لیکن اس حالت میں میں نے اس کو کافی سمجھ کر یہ محسوس کیا کہ اذیت ہی علم ہے۔ اس کے بعد میں نے محسوس کیا

http://www.Mypdfsite.com

کہ کوئی عظیم ہستی آسمانوں سے گزر رہی ہے اور اس کے قدم بجلی پر پڑ رہے ہیں۔ یہ بجلی کے چمکارے بے شمار ارواح سے نکل رہے ہیں جن میں سے میں بھی ہوں۔ ہر روح کی چشمک برق اس لئے ہے کہ یہ ہستی اس پر قدم رکھ کر اس کو کچلتی ہوئی گزرے۔ میں نے سوچا کہ اس ہستی کی زندگی میری مصیبت سے ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ راستہ بدل کر مڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے مڑنے سے مجھے نا قابل بیان اذیت پہنچی لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے ایسے حقائق کا احساس ہوا جو میں اب بھول گئی ہوں مگر وہ ایسے نہ تھے کہ انسان انہیں یاد کرے، اور اس کو جنون نہ ہو۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر وہ ہستی اور زیادہ پلٹتی تو شکست اعضا سے میری جان نکل جاتی۔ اس کے بعد مجھے ہوش آ گیا۔ اس لمحے میں میری تمام زندگی میرے سامنے سے گزر گئی۔ نہایت معمولی تکلیفیں جو میں نے کبھی سہی تھیں وہ بھی واضح طور پر یاد آ گئیں اور میں ان کا مطلب سمجھ گئی۔ مگر میں یہ نہ سمجھ سکی کہ اس تمام آزار میں خط کا کیا مقصد تھا فقط اتنا دیکھا کہ اس کا جو کچھ بھی ہو اس کو پورا کرتے ہیں اس کو کسی فرد کی اذیت کا خیال نہ تھا۔ شراب کی بوتل کا کاک اس میں نوک دار پیچ کھبو کر نکالا جاتا ہے، کسی کاک نکالنے والے کو کبھی کاک پر بھی کچھ رحم آیا ہے یا بندوق چلاتے ہوئے کبھی کسی کو کارتوس پر بھی رحم آیا ہے؟ اس ہستی کی بے نیازی ارواح کے دکھ کے متعلق اسی فہم کی تھی۔ اس اذیت کے باوجود جب میں ہوش میں آئی تو اس خیال سے میرے آنسو

http://www.Mypdfsite.com

نکل رہے تھے کہ مجھ جیسی ناچیز اور نا اہل کو یہ مرتبہ عطا کیا گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس نصف گھنٹے میں میں نے خدا کی جو خدمت کی ہے وہ عمر بھر کبھی نہ کی تھی اور نہ ہی میں اپنی معمولی حالت میں اس قسم کی اذیت رساں خدمت کی آرزو کر سکتی ہوں۔ خدا میرے ذریعہ سے اپنا مقصد پورا کر رہا تھا اور اپنا انکشاف کر رہا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد میں سوچنے لگی کہ ہستی کی گہرائیوں میں اس قدر اترنے کے بعد بھی مجھ پر اس چیز کا انکشاف کیوں نہیں ہوا جسے اولیاء محبت الٰہی کہتے ہیں؟ میں نے اس اذیت میں بے رحمی ہی دیکھی ہے۔ اس خیال کے آتے ہی مجھے جواب ملا کہ معرفت اور مصیبت ایک ہی چیز ہیں اور ان کا حصول تکلیف کی نسبت سے ہوتا ہے، جس قدر تکلیف جھیلو اسی قدر معرفت بھی حاصل ہوگی اور محبت الٰہی بھی۔ رنج و الم حقیقت کی بصیرت کے لئے لازمی ہیں۔ تکلیف اٹھانے والے کے علاوہ دوسروں کو بھی اس سے فائدہ پہنچتا ہے مگر ہزار گنا زیادہ خود اپنی روحانی تربیت اور بصیرت کے لئے لازمی ہے۔

خارجی فطرت کے بعض مظاہر خاص طور پر اس سرّی کیفیت نفس کے محرک معلوم ہوتے ہیں۔ اکثر لوگوں کے بیان کردہ احوال سے پتا چلتا ہے کہ زیادہ تر ایسی کیفیت باہر کھلی ہوا اور فضا میں انسان پر طاری ہوتی ہے۔ ادبیات میں ہمیں ایسی کیفیت کے نہایت درجہ حسین بیانات ملتے ہیں۔ آمیل کے روز نامچے میں لکھا ہے:

"کیا ایسے دلچسپ بیداری کے خواب پھر کبھی میری

http://www.Mypdfsite.com

زندگی میں نمود کرینگے - جوانی کے زمانے میں ایک روز علی الصباح خوسگنی کے قلعہ کے کھنڈروں میں بیٹھے ہوئے اور پھر کہسار میں دوپہر کی سہانی دھوپ میں کسی درخت کے سائے تلے تین تتلیوں کا نظارہ کرتے ہوئے یا ایک بار ساحل بحر پر ریت پر چت لیٹے ہوئے کہکشاں کی طرف نظر جمائے میں نے بیداری میں ایسے وسیع لاثانی لافانی تصورات و تاثرات سے لطف اٹھایا جو تمام حیات کائنات سے ہم آغوش تھے، روح بے کنار ہو کر فطرت کی لاتناہی سے ہم کنار تھی۔

ہرچہ در مبداء فیاض بود آن من است
گل جدا نا شدہ از شاخ بدامان من است (غالب)

یہ وجد و مستی کے الٰہی لمحے جن میں خیال اپنی پرواز میں عالم بہ عالم سیر کرتا اور پردۂ وجود کو چیر کر معمائے حیات سے آگاہ ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں سانس کی بھی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ گویا حالت سکون میں سینۂ بحر کا اتار چڑھاؤ ہے۔ نفس انسانی آسمانی وسعتوں کو محیط ہوتا ہے۔ دل کے اندر کائنات کی وسعت اور دیوتاؤں کی عظمت محسوس ہوتی ہے۔ خوشا وہ دلکش لمحے! خوشا ان کی روح پرور یاد! ان گزری ہوئی ساعتوں اور کیفیتوں کے مٹے مٹے سے نقوش قدم بھی روح میں یقین اور جوش و گرمی پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ایسی کیفیتیں روح القدس کا نزول معلوم ہوتی ہیں۔"

ایک دلچسپ جرمن عورت اپنے سوانح میں لکھتی ہے:

"میں سمندر کے کنارے تنہا بیٹھی تھی کہ نفس کو وسیع

http://www.Mypdfsite.com

کرنے والے اور زندگی میں موافقت اور اہم آہنگی پیدا کرنے والے خیالات دل میں موجزن ہونے لگے۔ زمانۂ ماضی میں بھی الپس کے پہاڑوں میں ایک مرتبہ یہی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔ میں نے بے بس ہو کر بحر بے پایاں کے سامنے گھٹنے ٹیک دئے جو ہستیٔ لا محدود کا مظہر ہے۔ میری روح دعا میں مشغول ہوئی اور زندگی میں پہلی مرتبہ دعا کی ماہیت مجھ پر منکشف ہوئی اور میں نے محسوس کیا کہ دعا انفرادیت کی تنہائی سے ہستئی کل کی وحدت کے شعور کی طرف عود کرنے کا نام ہے۔ گھٹنے ٹیکتے ہوئے میں ایک ہستیٔ فانی تھی لیکن جب بعد از دعا اٹھی تو ہستیٔ لا فانی تھی۔ خاک و افلاک، بحر و بر سب میں ایک ہمہ گیر ہم آہنگی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تمام گذشتہ اور موجودہ روحیں بہ یک آہنگ نغمہ ریز ہیں اور میں بھی ان کے ساتھ ہم وجود ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجھے مبارکباد دے رہی ہیں کہ تم بھی اب ان ارواح میں شامل ہو جو موانع حیات پر غالب آچکے ہیں۔"

ایسی کیفیات کے تجربہ سے پیشتر یہ عورت اپنے مادیاتی عقائد کی وجہ سے دعا بھی نہ کر سکتی تھی۔ والٹ وھٹمین کہتا ہے:

"اے میری روح میں تجھ پر ایمان رکھتا ہوں۔ چلو کام کاج سے الگ ہو کر گھاس پر لیٹیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب موسم گرما کی ایک شفاف صبح کو اسی طرح ہم بے پرواہ گھاس پر دراز تھے کہ یک بیک ایسی سلامتی اور ایسی معرفت ہر طرف چھائی ہوئی دکھائی دی جو منطقی استدلال سے ماوریٰ ہے۔ ہم

http://www.Mypdfsite.com

نے محسوس کیا کہ خدا کا ہاتھ ہمارے ہاتھ پر ہے اور روح الٰہی اور میری روح میں اخوت کا رشتہ ہے اور آج تک دنیا میں جتنے انسان گزرے ہیں مرد ہوں یا عورتیں سب کے سب میرے بھائی اور بہنیں ہیں جن میں محبت کا رشتہ ہے اور محبت ہی تمام مخلوقات کی شیرازہ بند ہے۔"

وھٹمین نے ایک اور جگہ ذرا کم جوش کے ساتھ سادہ طور پر اسی سری ادراک کو بیان کیا ہے جو غالباً اس کی ایک دائمی کیفیت تھی۔ وہ کہتا ہے:

"ہر اچھے انسانی نفس میں عقل کے علاوہ ایک اور حیرت انگیز ملکہ بھی ہے جو بغیر استدلال اور اکثر بغیر تعلیم، زمان و مکان کے اندر اس بے پایاں کثرت و تنوع اور احمقوں کی حماقتوں، ریا و نمود اور بے اطمینانی کے باوجود جسے ہم دنیا کہتے ہیں ایک ہمہ گیر ہم آہنگی اور توازن کا وجدان ہے۔ اس وجدان سے روح اس رشتہ کو دیکھ لیتی ہے جو تمام تاریخ، تمام زبانوں اور ادنیٰ و اعلیٰ تمام اشیاء کا شیرازہ بند ہے۔ تمام کائنات اس کے قابو میں ہے جس طرح کتا شکاری کی زنجیر میں بندھا ہوتا ہے۔"

مرکز وجود کی اس بصیرت کے مقابلے میں محض رجائیت اور خوش بینی ایک سطحی چیز معلوم ہوتی ہے۔ وھٹمین کا رلائل پر یہ الزام لگاتا ہے کہ اس میں یہ بصیرت نہ تھی۔ ٹریور اپنے خود نوشتہ سوانح میں لکھتا ہے:

"اتوار کی ایک صبح کو جب کہ موسم خوشگوار تھا میری بیوی اور بیٹے مکلس فیلڈ میں موحد عیسائیوں کے گرجے میں

http://www.Mypdfsite.com

چانے کے لئے تیار ہوئے لیکن میری طبعیت اس پر آمادہ نہ ہوئی
کہ میں بھی ان کے ہمراہ چلوں۔ کہسار کی خوشگوار سہانی
دھوپ کو چھوڑ کر گرجے کے اندر جانا مجھے روحانی خود کشی
معلوم ہوتی تھی۔ میری روح وسعت فکر و تاثر کی طالب تھی
اور زندگی کی نسبت کسی جدید کشف کی متمنی تھی۔ بصد حسرت و
افسوس میں بیوی اور بیٹوں کو چھوڑ کر چھڑی ہاتھ میں لئے اپنے
کتے کو ہمراہ لے کر پہاڑ کی طرف چل دیا۔ صبح کی دلکشی
اور وادی و جبل کے جمال سے میری تمام غمگینی و پشیمانی رفع
ہو گئی۔ کوئی ایک گھنٹہ سیر کرنے کے بعد میں گھر کی طرف
لوٹا۔ واپسی میں یک بیک میں نے محسوس کیا کہ میں جنت
میں ہوں۔ یہ حالت اس قدر سکون و اطمینان اور لطف و یقین
کی تھی کہ بیان نہیں ہو سکتی۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے
گردا گرد تمام فضا نور ہی نور ہے گویا کہ اس خارجی فضا
نے میرے باطن میں یہ اثر پیدا کیا ہے حالانکہ گرد و پیش
کی تمام چیزوں کو میں مزید وضاحت سے دیکھ رہا تھا مگر میں
محسوس کر رہا تھا کہ میں اپنے جسم میں نہیں ہوں۔ یہ کیفیت
رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی یہاں تک کہ میں گھر پہنچ گیا لیکن
کچھ عرصہ بعد تک بھی اس کا اثر باقی تھا۔ اس قسم کے اور
تجربات کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اہل حال کے
لئے تو روحانی زندگی حقیقی ہوتی ہے لیکن جو اہل حال نہیں
انہیں ہم اس کی نسبت کیا کہہ سکتے ہیں؟ ان کو اس کی حقیقت
کا یقین دلانے کے لئے ہم بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ جن لوگوں
نے اس کا تجربہ کیا ہے وہ گرد و پیش کے عالم سے اس کا

http://www.Mypdfsite.com

مقابلہ کر کے اس کو بے اصل نہیں سمجھتے ، یہ محض ذاتی خواب و خیال نہیں ہو سکتا ۔ جب کوئی شخص خواب سے بیدار ہوتا ہے تو بیداری کے عالم سے اپنے سپنوں کا موازنہ کرکے ان کو مقابلتاً بے بنیاد قرار دیتا ہے لیکن روحانی کیفیات کی یہ حالت نہیں ۔ صاحب حال ان کو کبھی عالم مادی کے مقابلے میں محض واہمہ کا عمل نہیں سمجھتا ، بلکہ مادی عالم کے مقابلے میں عالم روحانی کو زیادہ حقیقی یقین کرتا ہے ۔ مجھے خدا کے حضور کے جو تجربے ہوئے ہیں وہ شاذ تھے اور دیر پا نہ تھے لیکن مجھے حق الیقین تھا کہ خدا یہاں موجود ہے ۔ میں نے ان احوال کو خود کئی مرتبہ گہری نظر تنقید سے دیکھا ہے لیکن ان کی حقیقت کسی تنقید و تشکیک سے بھی متزلزل نہیں ہو سکی ۔ ان تجربات نے میرے لئے باقی تمام زندگی کے مسائل بھی حل کر دئے ۔ میرے لئے ان کی حقیقت اور ان کی دور رس اہمیت زیادہ واضح ہوتی گئی ۔ جب یہ احوال مجھ پر طاری ہوئے تو میں جسمانی اور دماغی دونوں حیثیتوں سے نہایت مضبوط اور تندرست تھا ، کسی قسم کے عارضے کا کوئی شائبہ بھی نہ تھا کہ میں ان کو عصبی یا دماغی اختلال کی طرف منسوب کر سکتا ۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں ان احوال کا طالب بھی نہ تھا ، میں فقط اپنی زندگی کو عمدگی سے بسر کرنا چاہتا تھا ۔ ایسی ہی اچھی حالتوں اور سمتوں میں میں نے خدا کا حضور پوری شدت اور یقین کے ساتھ محسوس کیا ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں ذات الٰہی کے بحر بے پایاں میں غوطہ زن ہوں ۔"

آپ میں سے جو لوگ کم سے کم سری احساس رکھتے ہیں

http://www.Mypdfsite.com

وہ بھی ان بیانات کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہونگے کہ شعور کی یہ کیفیتیں بالکل الگ اور خاص قسم کی ہیں اور صاحب حال پر وہ نہایت گہرا اثر چھوڑتی ہیں۔ کینیڈا کے دماغی مراض کے ماہر ڈاکٹر بک نے ان مظاہر شعور کا نام شعور کونی رکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شعور کوئی ہمارے معمولی شعور ہی کی توسیع کا نام نہیں ہے، یہ شعور ہمارے معمولی شعور سے اسی قدر مختلف ہے جس قدر ہمارا شعور ذات اس شعور و ادراک سے الگ ہے جو حیوانات کی اعلیٰ اقسام میں بھی پایا جاتا ہے

شعور کونی کی امتیازی خصوصیت کائنات اور اس کے اندر حیات و نظم کا شعور ہے۔ اس شعور کے اندر ایسی عقلی تنویر بھی ہوتی ہے جو ایک فرد کو ایک نئی سطح حیات پر لے آتی ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ گویا وہ ایک اور ہی نوع کا کا فرد ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک اخلاقی رفعت کا بھی احساس ہوتا ہے جس میں نا قابل بیان احساس سرور ہوتا ہے۔ یہ اخلاقی بصیرت عقلی بصیرت سے بھی زیادہ نمایاں اور زیادہ اہم ہوتی ہے۔ اس کے اندر بقا کا احساس بھی ہوتا ہے۔ حیات ابدی کا یہ شعور اس امر کا یقین نہیں ہوتا کہ مجھ کو بقا حاصل ہوگی بلکہ یہ تحقق ہوتا ہے کہ مجھ کو اب بھی بقا حاصل ہے اور میری زندگی سرمدی ہے۔ ڈاکٹر بک کو اس کا ذاتی تجربہ ہوا اس لئے اس نے دوسروں کے ایسے احوال کا بھی مطالعہ شروع کیا۔ اس نے نتائج تحقیق کو ایک نہایت دلچسپ کتاب میں شائع کیا ہے جس میں سے مفصلہ ذیل اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

”میں نے دو دوستوں کے ساتھ ایک بڑے شہر میں ایک

http://www.Mypdfsite.com

شام بسر کی جس میں ہم کچھ پڑھتے رہے اور کچھ شعر و فلسفہ پر بحث کرتے رہے۔ ہم کوئی نصف شب کے قریب جدا ہوئے۔ میں ایک گھوڑا گاڑی میں ایک طویل فاصلہ طے کر کے اپنی جائے اقامت پر پہنچا۔ اس صحبت میں پیدا شدہ افکار و تصورات و تاثرات میرے دل میں موجزن تھے، میری حالت میں پورا سکون تھا مگر میں خود کچھ سوچ نہ رہا تھا۔ میری کیفیت انفعالی تھی اور افکار و تاثرات بے ارادہ میرے دل پر گزر رہے تھے۔ یک بیک میں نے دیکھا کہ میں ایک شعلہ رنگ بادل میں گھر گیا ہوں۔ پہلے میرے ذہن میں یہی آیا کہ کہیں زبردست آگ لگ گئی ہے لیکن اس کے بعد فوراً ہی میں نے محسوس کیا کہ شعلے میرے اندر ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مجھے بے پایاں مسرت و بہجت کا احساس ہوا اور میں نے اپنی عقل میں بھی ایسی تنویر محسوس کی جو بیان نہیں ہو سکتی۔ میں نے محسوس کیا کہ کائنات جامد و بے جان مادے پر مشتمل نہیں ہے بلکہ ایک زندہ ہستی ہے۔ مجھ کو اپنے اندر حیات ابدی کا احساس ہوا، یہ نہیں کہ مجھے بقا حاصل ہوگی بلکہ یہ کہ مجھے بقا حاصل ہے۔ میں نے دیکھا کہ تمام انسان لا فانی ہیں اور نظام کائنات ایسا ہے کہ تمام اشیاء اتفاقی طور پر نہیں بلکہ فطرتاً حصول خیر میں ایک دوسری کی معاون اور ہم آہنگ ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ محبت تمام عالموں کی بنیادی حقیقت ہے اور انجام کار ہر ایک کے لئے حصول سعادت یقینی ہے۔ یہ کشف چند لمحوں کے بعد غائب ہو گیا لیکن اس کی یاد اور جو کچھ مجھ پر منکشف ہوا اس کی حقیقت کا احساس ایک ربع صدی گزرنے پر بھی میرے اندر باقی ہے۔ میں نے

http://www.Mypdfsite.com

جو کچھ دیکھا اس کی صداقت میں قطعاً مجھے کوئی شک نہیں۔ طبعیت کی حد درجہ پستیوں کے لمحوں میں بھی یہ یقیں یا یہ شعور میرے دل سے ناپید نہیں ہوا۔"

مذکورہ صدر بیانات ان لوگوں کے ہیں جن پر ایسی حالتیں بے ارادہ یک بیک طاری ہوئیں۔ اب ہم اس طرف آتے ہیں کہ ہندو، مسلمان، بدھ مت کے پیرو اور عیسائی اپنی اپنی مذہبی زندگی میں اس شعور کے حصول کے لئے کیا کچھ طریقے اختیار کرتے رہے ہیں۔

ہندوستان میں اس تعلیم و تربیت کو یوگ کہتے ہیں۔ یوگ کے معنی ہیں 'فرد کے ذات الٰہی سے متحد ہونے کے طریقے'۔ اس کے لئے با قاعدہ مسلسل مشقیں کی جاتی ہیں۔ یوگ کے مختلف سلسلوں میں غذا کے ضوابط، جسم کے آسن، تنفس کے انداز، فکری توجہ اور اخلاقی ضبط کے طریقے تھوڑے بہت مختلف ہیں۔ جب یوگی ان مشقوں سے ادنیٰ فطری تقاضوں پر غالب آ جاتا ہے اور اپنے جسم و نفس پر قابو پالیتا ہے تو وہ اس حالت میں آ جاتا ہے جسے سمادھی کہتے ہیں۔ اس میں کامیاب ہونے والے یوگیوں کا بیان ہے کہ اس حالت میں صاحب حال ایسے حقائق سے رو شناس ہوتا ہے جن تک نہ انسان کی عام جبلت پہنچ سکتی ہے اور نہ اس کی عقل۔ سوامی ویویکا نند اس کی نسبت کہتا ہے کہ اس حالت میں' یہ عرفان حاصل ہوتا ہے کہ "نفس انسانی کی ایک بلند تر سطح حیات بھی ہے جو ہماری عقل اور ہمارے عام شعور سے ماوریٰ ہے۔ اس سطح پر پہنچ کر ماورائے استدلال علم حاصل ہوتا ہے۔ یوگ کی تمام مشقیں اور

http://www.Mypdfsite.com

منزلیں اسی فوق الشعور حالت یعنی سمادھی کے حصول کے لئے ہیں - جس طرح نفس میں ایک تحت الشعور کی سطح ہے اسی طرح ایک سطح فوق الشعور کی بھی ہے جو بالکل ایک الگ عالم ہے - اس میں انفرادی خودی کا احساس نہیں ہوتا - انانیت کے احساس کے بغیر بھی نفس بے آرزو اور بے تعلق جسم اطمینان سے عامل ہوتا ہے - ایسی حالت میں اس حقیقت کا پورا انکشاف ہوتا ہے کہ میں اپنی ماہیت میں ایک آزاد، قادر مطلق روح ہوں - میری اور روح کل کی عینیت ایک لا فانی، ہے جو محدودیت سے آزاد اور خیر و شر کے تضاد سے برتر ہے -"

ویدانتی کہتے ہیں کہ کبھی کبھی کسی انسان پر بے ارادہ و کوشش یک بیک بھی اس حالت کا کشف ہوتا ہے لیکن یہ بے خلل اور بے غل و غش نہیں ہوتا، اس کے خالص ہونے کا ثبوت کسی کی زندگی میں اس کا ثمر ہے - اگر سمادھی اصلی اور خالص تھی تو تمام عمر اس کے نتائج اچھے ہونگے - ایسے شخص کا ضمیر منور ہو جاتا ہے، اس کی زندگی نبیوں ولیوں اور رشیوں کی سی زندگی بن جاتی ہے، اس کی تمام سیرت میں مکمل انقلاب واقع ہوتا ہے - ایک یورپین مصنف کارل کانر نے بھی تحقیق کے بعد یہ لکھا ہے کہ یوگ سے پیدا شدہ احوال اور ہپناٹزم وغیرہ میں بین فرق ہے - ہپناٹزم میں—یا میڈیم یعنی روحانی معمول بننے کے حال میں—یہ ہوتا ہے کہ انسان کی اپنی خودی کسی دوسری خودی کے حوالے ہو جاتی ہے - اس کے بر عکس یوگ میں جسم اور نفس پر پورا قابو ہوتا ہے اور ایک مخصوص استوار

http://www.Mypdfsite.com

سیرت و کردار پیدا ہوتے ہیں، فطرت کے تمام تقاضے یوگی کے قوی ارادے کے ماتحت اور اس سے مغلوب ہوتے ہیں اور یہ ارادہ خیر مطلق کے نصب العین پر مرتکز ہوتا ہے۔ ایسی ثابت و قائم شخصیت پر کوئی شے اور کوئی شخص خارج سے اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

بدھ مت والے بھی ہندوؤں کی طرح سمادھی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں لیکن اعلیٰ احوال شعور کے لئے ان کی خاص اصطلاح دھیان ہے۔ دھیان کے چار مدارج ہیں۔ پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ توجہ کو ایک نقطے پر جمایا جائے۔ اس منزل میں آرزو نہیں ہوتی لیکن حسی اور عقلی ادراک ہوتا ہے۔ دوسری منزل میں تعقل ساقط ہو جاتا ہے لیکن احساس وحدت کی تسکین موجود ہوتی ہے۔ تیسری منزل میں یہ تسکین بھی جاتی رہتی ہے اور بے طرفی یا بے نیازی کا آغاز ہوتا ہے جس کے ساتھ یاد بھی ہوتی ہے اور شعور ذات بھی۔ چوتھی منزل میں یاد، شعور ذات اور بے نیازی کی تکمیل ہوتی ہے۔ (یاد اور شعور ذات سے ان کی مراد کچھ عام معنوں سے الگ ہی معلوم ہوتی ہے)۔ مراقبے کے اور بلند تر منازل بھی ہیں جہاں عدم ہی عدم ہے اور جہاں پر پہنچ کر ایک سالک کہہ اٹھتا ہے کہ مطلقاً کسی چیز کا وجود نہیں اور وہاں رک جاتا ہے پھر آگے بڑھتا ہے تو کہتا ہے کہ تصورات نہ موجود ہیں اور نہ معدوم اور یہاں بھی ذرا رک جاتا ہے۔ اس سے آگے کی منزل میں نہ تصور رہتا ہے نہ ادراک اور یہ آخری منزل ہے۔ یہ آخری منزل بھی نروان نہیں لیکن اس سے بہت قریب ہے۔

http://www.Mypdfsite.com

اسلامی دنیا میں صوفیوں میں سرّی روایات پاتی جاتی ھیں۔ صوفی ایران میں اسلام کی ابتدائی صدیوں ھی میں موجود ھوگئے تھے۔ ان کی وحدت وجود حجاز کی گرم اور سخت توحید سے اس قدر مختلف ھے کہ بعض لوگوں کا خیال ھے کہ اسلام پر یہ پیوند ھندی اثرات نے لگایا ھوگا۔ عیسائیوں کو اسلامی تصوف کا بہت کم علم ھے کیونکہ صوفیا کے ھاں یہ علم سینہ بہ سینہ منتقل ھوتا ھے۔ آپ کے ذھنوں میں تصوف کی تعلیم کسی قدر واضح کرنے کے لئے میں ایک بڑے ایرانی صوفی اور فقیہ غزالی کے خود نوشتہ سوانح میں سے ایک اقتباس پیش کرتا ھوں۔ اھل حال عیسائیوں نے تو اپنے احوال بہت کچھ خود بیان نوشتہ سوانح ھمارے پاس موجود ھیں لیکن مسلمان صوفیا کے کئے ھیں اور ان کے خود خود نوشتہ احوال بہت کم ملتے ھیں۔ غزالی مسلمانوں میں ایک عالم اجل شمار ھوتا ھے۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاھب کی نسبت بھی باطنی احوال کے متعلق ھمارا علم نہایت تشنہ ھے کیونکہ اھل احوال نے اپنا حال سپرد قلم نہیں کیا۔ شموئلڈرز نے غزالی کی خود نوشتہ سوانح عمری کا ایک حصہ فرانسیسی زبان میں منتقل کیا ھے۔ اس کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ھے:

''صوفی کا علم و عمل یہ ھے کہ خدا کے سوا ھر چیز سے دل کو الگ کیا جائے اور صرف خدا کی ذات و صفات پر غور کیا جائے۔ علم عمل کے مقابلے میں آسان ھے اس لئے میں نے کتابوں میں اس کا مطالعہ کیا اور جہاں تک کتابوں سے یا دوسروں سے سن کر یہ بات سمجھ میں آسکتی

http://www.Mypdfsite.com

ھے اس حد تک میں سمجھ گیا۔ لیکن میں اس نتیجے پر پہنچا کہ تصوف کی اصلیت خاص قسم کے عمل کے بغیر واضح نہیں ہو سکتی۔ حال اور وجد و مستی اور روح کی قلبی ماھیت سب عمل کا نتیجہ ھیں۔ مثلاً صحت اور سیری کی نسبت باتیں بہت کچھ کر سکتے اور سن سکتے ھیں۔ ان کی علتوں اور شرائط کا علمی طور پر احاطہ کر سکتے ھیں لیکن صحت کی کتاب پڑھ کر کوئی شخص تندرست نہیں ہو جاتا اور نہ ھی بھوکا انسان سیری کا حال سن کر سیر ہو سکتا ھے۔ اسی طرح شراب کا کتابی علم کسی شخص میں نشہ پیدا نہیں کر سکتا۔ نشہ شراب میں کوئی شرابی نہ سکر کی منطقی تعریف جانتا ھے اور نہ شراب کی نسبت اس کو وہ علم ہوتا ھے جو طبیب کو ھے۔ تمام علائق و شہوات سے انقطاع کے بعد روح کی کیا کیفیت ہوتی ھے اس کا علم نہ کسی تحریر سے ہو سکتا ھے اور نہ کسی تقریر سے۔ فقط پارسائی میں ترقی کر کے خاص طریقوں سے ایک خاص حال تک پہنچنے کے بعد ھی انسان اس حقیقت سے آشنا ہو سکتا ھے۔

"جب میں نے اپنی حالت پر غور کیا تو دیکھا کہ میں ہر طرف سے علائق دنیا سے پا بزنجیر ہوں اور نفسانی تحریکیں ہر طرف سے حملہ آور ہوتی ھیں۔ میں جو درس دیتا تھا وہ بھی خدا کے نزدیک کوئی پاکیزہ شے نہ تھی کیونکہ میں نے دیکھا کہ میری علمی کوششیں شہرت و عظمت دینوی کی خاطر تھیں۔ میں بغداد کی بڑی درس گاہ میں بڑا امام اور معلم تھا، اس کام اور عہدے کو یک بیک چھوڑ دینا آسان کام نہ تھا۔ کوئی چھ ماہ تک میں شدید باطنی کشمکش میں مبتلا رہا یہاں تک کہ

http://www.Mypdfsite.com

میری زبان بند ہو گئی۔ اپنے آپ کو عاجز پا کر اور اپنے ذاتی ارادے سے دست بردار ہو کر میں نے اپنے آپ کو پوری طرح خدا کے حوالے کر دیا کیونکہ مجھے اب اس کے سوا نہ کوئی چارہ نظر آتا تھا اور نہ یار و مددگار۔ خدا نے مجھے جواب دیا جیسا کہ وہ ہر اس مصیبت زدہ کو جواب دیتا ہے جو اس کو پکارتا ہے۔ اب مجھے جاہ و جلال اور مال و عیال کو ترک کرنے میں کوئی مشکل محسوس نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ میں بغداد سے نکل کھڑا ہوا۔ فقط اشد ضروری اور ناگزیر زاد راہ اپنے پاس رکھ کر باقی جو کچھ بھی تھا تقسیم کر ڈالا۔ میں شام چلا گیا جہاں مین دو سال تک رہا۔ میں نے وہاں کوئی شغل اختیار نہ کیا، سب سے الگ تھلگ خلوت میں میں نے اپنی خواہشوں اور نفس امارہ پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور تزکیہ نفس سے اپنی سیرت کی تکمیل میں لگا رہا تاکہ میرا دل پوری طرح ذات الٰہی کی طرف متوجہ ہو سکے۔ اس کارزار نفس میں میں نے وہی طریقے اختیار کئے جو صوفیا کی تعلیم سے میں نے اخذ کئے تھے جنہیں میں نے اپنے مطالعہ سے حاصل کیا تھا۔

"اس گریز سے میرا ذوق خلوت بڑھتا گیا اور میں تزکیہ نفس سے اپنے آپ کو مراقبے کے لئے تیار کرتا رہا۔ لیکن غم روزگار نے پوری طرح میری خلاصی نہ کی۔ کبھی اہل و عیال کی فکر دامنگیر ہوتی، کبھی روزی کی فکر ہوتی، کبھی کوئی اور دھندے مجھے پریشان کرتے جو میرے اصل ارادے اور خلوت گزینی میں خلل انداز ہوتے۔ وجد و مستی کی کیفیت کبھی کبھار چند ساعتوں کے لئے طاری ہوتی لیکن مجھے امید تھی کہ

http://www.Mypdfsite.com

میں اس حالت کے حصول میں کامیاب ہو جاؤنگا۔ جب کبھی حوادث مجھے ادھر ادھر بھٹکا دیتے میں سنبھل کر واپس ہونے کی کوشش کرتا۔ اس سعی تکمیل میں میں نے کوئی دس برس گزار دئے۔ اس خلوت میں مجھ پر ایسے حقائق کا انکشاف ہوا جنہیں بیان کرنا تو در کنار ان کی طرف اشارہ کرنا بھی ممکن نہیں۔ مجھے یہ یقین ہو گیا کہ صوفیا کا راستہ خدا کا راستہ ہے۔ وہ اپنے عمل اور اپنے سکون، اپنے ظاہر اور اپنے باطن میں نور نبوت سے مستنیز ہوتے ہیں۔ اس راہ میں شرط اول یہ ہے کہ خدا کے سوا ہر خواہش اور ہر خیال سے دل کو پاک کیا جائے۔ اس کے بعد خشوع و خضوع سے دعائیں کی جائیں جو روح کی گہرائیوں میں سے ابھریں اور خدا کی طرف ایسی توجہ کی جائے کہ دل اور کسی طرف مائل نہ ہو سکے۔ لیکن یہ ابتدائی منازل ہیں۔ انتہائی منزل مقصود کلیتاً خدا کے اندر جذب ہو جانا ہے۔ اس سے پہلے تمام وجدانات و احوال داخلے سے قبل محض دھندلی کی طرح ہیں۔ ابتدا ہی سے عجیب انکشافات شروع ہو جاتے ہیں۔ بیداری ہی میں ملائکہ اور انبیا کے ارواح نظر آنے لگتے ہیں۔ صوفیا ان کی آوازیں سنتے اور ان سے برکات حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بعد روح صورتوں کے ادراک کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ جاتی ہے اور ایسی حالت میں پہنچ جاتی ہے جو بیان میں نہیں آ سکتی۔ اگر کوئی شخص بیان کرنے کی کوشش کرے تو لازماً اس کے الفاظ میں کفر و گناہ کا انداز پیدا ہو جائیگا۔

"جس شخص کو اس بے خودی کا تجربہ نہیں ہوا اس نے

http://www.Mypdfsite.com

نبوت کا فقط نام سنا ہے مگر اس کی حقیقت سے قطعاً نابلد ہے۔ صوفیا کے بیان کو سچا سمجھ کر وہ اس کا قائل ہو سکتا ہے کہ ایسی حالت کا حقیقی وجود ہے۔ جیسے بعض لوگوں میں محسوسات سے گزر کر مجرد معقولات کے فہم کی صلاحیت نہیں ہوتی اسی طرح بعض معقولی ایسے ہیں جو اُن احوال کے منکر ہیں جن کا ادراک ملکۂ نبوت سے ہوتا ہے۔ ایک مادرزاد اندھے کو رنگوں کا کیا علم ہو سکتا ہے؟ رنگوں کی نسبت وہ فقط سنی سنائی باتیں دہراتا ہے مگر ان کی حقیقت سے قطعاً نا آشنا ہے۔ نبوت کے مماثل ایک حالت تک عام انسانوں کی رسائی کو ممکن کر کے خدا نے نبوت کے مقام کا سمجھنا ممکن بنا دیا ہے۔ میری مراد نیند کی حالت سے ہے۔ فرض کرو کہ کسی شخص کو نیند کا کوئی تجربہ نہ ہو اور کوئی اس سے کہے کہ ایک حالت ایسی ہوتی ہے کہ انسان بظاہر مردہ معلوم ہوتا ہے، اس میں نہ ہوش ہوتا ہے اور نہ حرکت، لیکن وہ دور دراز سیریں کرتا اور خفیہ چیزوں کو بھی دیکھتا ہے تو وہ اس حالت کو ناممکن سمجھ کر اس کا منکر ہوگا اور اس انکار کے لئے دلیلیں دیگا۔ مگر خود ایک مرتبہ سو جانا اُس کے تمام دلائل کو باطل کردیگا۔ یہ سمجھ لیجئے کہ جس طرح محسوسات سے اوپر عقل کا ایک مقام ہے جس سے انسان کو ان معقولات کا ادراک ہوتا ہے جو محسوسات سے ماورے ہیں اسی طرح مقام نبوت میں عقل سے بلند تر ایک ملکۂ ادراک ہے جس میں نور معرفت سے ایسے حقائق منکشف ہوتے ہیں جو عقل کی گرفت سے باہر

http://www.Mypdfsite.com

ھیں۔ نبوت کے خاص صفات صوفیا پر وجد و مستی کی حالت میں ظاھر ھوتے ھیں۔ نبی کے صفات و ملکات عام انسانوں میں نہیں ھوتے اس لئے وہ ان کو سمجھ بھی نہیں سکتے۔ جس بات کے سمجھنے کے لئے کسی میں صلاحیت ھی نہ ھو وہ اسے کیسے سمجھ سکتا ھے؟ حالت مستی میں صوفی کو ماورائے عقل و حس حقائق کا ادراک ایسا ھی براہ راست اور یقینی ھوتا ھے جیسا کہ کوئی شخص ھاتھ سے کسی چیز کو چھو کر اس کے وجود کو حقیقی سمجھتا ھے۔"

تمام مذاھب کے صوفی اس میں ھم نوا ھیں کہ اس حالت کے بیان کے لئے نہ کوئی زبان ھے اور نہ کوئی فہم کے سانچے۔ جس کو یہ تجربہ ھو اس کے لئے وہ یقینی اور حقیقی ھے لیکن جو اس سے محروم ھو اس کو بتانا اور سمجھانا ناممکن ھے۔ اس لحاظ سے روحانی حال تعقل کے مقابلے میں محسوسات سے زیادہ مشابہ ھے۔ عقلی تصورات مجرد اور حس سے دور ھوتے ھیں اسی لئے بعض مفکرین نے عقل کا مقام حس سے بالاتر نہیں سمجھا۔ مابعدالطبیعیات میں عام طور پر یہی عقیدہ ملتا ھے کہ خدا کے متعلق علم منطقی نہیں ھو سکتا بلکہ وجدانی ھوتا ھے۔ اس کا تعلق براہ راست احساس و تاثر سے ھے نہ کہ منطقی قضایا سے۔ لیکن ھمارے محسوسات تو وھی ھیں جو حواس خمسہ کے ذریعہ سے ھمیں حاصل ھوتے ھیں۔ صوفی کے لئے ذات الٰہی محسوس ھے نہ کہ معقول۔ مگر وہ اس بات کا بشدت منکر ھے کہ جس وجدان میں وہ خدا کو محسوس کرتا ھے اس میں ھمارے حواس خمسہ اور ان کے محسوسات کا بھی کوئی فعل ھے۔

http://www.Mypdfsite.com

عیسوی کلیسا میں بھی صاحب حال لوگ ہمیشہ رہے ہیں۔ ان میں سے بعض کو تو کلیسا نے شبہ کی نظر سے دیکھا لیکن بعض کلیسا کے ارباب کے نزدیک مقبول قرار پائے۔ مقبولوں کے تجربات کو کلیسا نے منضبط کر لیا۔ اس سے ایک صوفیانہ دینیات مرتب ہو گئی جس میں تمام جائز باتوں کو شریک کر لیا گیا۔ اس تمام نظام کی بنیاد مراقبہ ہے جس کی مشق سے ایک صوفی بلند احوال کی طرف ترقی کرتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ پروٹسٹنٹ فرقے نے اس مرتب تصوف کو بظاہر کلیتاً ترک کر دیا۔ محض دعا سے جو کچھ حاصل ہو جائے اس کے علاوہ جو احوال کسی پر طاری ہوتے ہیں وہ کسی قاعدے کے اندر نہیں ہوتے اور وہ ہر صاحب حال کی خود رو ذاتی کیفیت ہوتی ہے۔ زمانہ حال میں نفسی علاج والوں نے دوبارہ مراقبے کو خاص قواعد کے ساتھ اپنی مذہبی زندگی میں داخل کیا ہے۔

مراقبے میں پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ نفس میں تمام خارجی محسوسات کا داخلہ بند کیا جائے کیونکہ وہ ارفع چیزوں پر توجہ کو جمانے میں مخل ہوتے ہیں۔ سینٹ اگناٹیوس نے روحانی مشقوں پر جو رسالے لکھے ہیں ان میں سب سے پہلے یہ ہدایت ہے کہ مرید مقدس چیزوں پر اس طرح توجہ کو مرتکز کرے کہ بتدریج خارجی محسوسات کا دروازہ بند ہو جائے۔ مثلاً اگر تصور میں فنافی المسیح ہو جائے تو اس کو مسیح کی صورت نظر آنے لگیگی اور نفس میں صورت مسیح کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ کسی ایک واحد تصور پر توجہ کو جمانے سے یہ فریب احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ اصلی یا علامتی تصورات کی حسی صورت پذیری

http://www.Mypdfsite.com

سرّی احوال میں بکثرت پائی جاتی ہے لیکن اعلیٰ احوال میں تمام صورتیں ساقط ہو جاتی ہیں تو یہ کیفیت الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی۔ تمام مذاہب کے صوفیا اس بارے میں متفق ہیں۔ سینٹ جون صلیبی جو بہت بڑا عیسائی صوفی ہے اس حالت کو 'اتحاد محبت' کہتا ہے جو 'تاریک مراقبے' سے حاصل ہوتی ہے۔ اس میں انسان کی روح اور روح الٰہی کا اتحاد 'او درمن و من دروے' کے انداز کا ہوتا ہے۔ اس حالت میں جو عرفان اور روحانی کیفیت حاصل ہوتی ہے اس کے اظہار کے لئے نہ الفاظ کام دے سکتے ہیں اور نہ کوئی تشبیہ و تمثیل۔ صدور اشکال و محسوسات و تصورات جن سے ہم اپنی معمولی زندگی میں کام لیتے ہیں عرفان الٰہی ان میں سے کسی سانچے میں نہیں آ سکتا۔ اس عرفان میں بڑی وضاحت اور بہت شرینی ہوتی ہے لیکن وہ کسی بیان میں نہیں آ سکتی۔ اگر کوئی محسوس چیز بھی ایسی ہو جسے انسان نے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو تو وہ اسے دیکھتا جانتا اور اس سے لطف اندوز ہوتا ہے لیکن اس کو کوئی نام نہیں دے سکتا۔ مگر شے محسوس اگر ہمارے جسمانی حواس سے ماورے' کوئی چیز ہو تو اس کے لئے کوئی نام تجویز کرنا کس قدر محال ہوگا۔ معرفت کا یہی حال ہے۔ روحانی احوال جس قدر حواس سے ماورے' ہونگے اسی قدر ان کی نسبت سکوت لازم آئیگا۔ روح ایسی حالت میں ایک وسیع خلوت کدے میں ہوتی ہے جہاں مخلوقات میں سے کسی چیز کو بار حاصل نہیں ہو سکتا۔ خلوت کا یہ دشت بے پایاں نہایت شیریں معلوم ہوتا ہے۔ معرفت کی ان گہرائیوں

http://www.Mypdfsite.com

میں روح جام محبت سے سرشار ہوتی ہے اور اس سے غذا حاصل کر کے نشو و نما پاتی ہے ۔ اس حالت کو بیان کرنے کے لئے جس قدر بھی فصاحت و بلاغت استعمال کی جائے وہ ناموزوں، ہیچ بلکہ لغو معلوم ہوتی ہے ۔ محسوسات کی زبان کا استعمال مفید ہونے کی بجائے ضرر رساں ہوتا ہے ۔

عیسائیوں کی سری زندگی کے مختلف مدارج و منازل کو بالتفصیل بیان کرنا میرے بس کی بات نہیں ۔ اس کے لئے بہت وقت بھی چاہئے اور دوسری دقت یہ ہے کہ کیتھولک کتابوں میں جو انواع اور جو مصطلحات ملتے ہیں ان کا مفہوم بھی مجھ پر واضح نہیں ۔ ان تجربات میں تنوع بھی بہت ہے اور مختلف اہل حال کا حال بھی مختلف معلوم ہوتا ہے ۔

براہ راست ہماری تحقیق کی غرض یہ ہے کہ یہ جانیں کہ ان تجربات اور انکشافات میں علم کا پہلو کیا ہے اور زندگی کے لئے ان کی کیا قدروقیمت ہے ۔ یہ تجربات اہل حال پر نہایت گہرا اثر پیدا کرتے ہیں اور یہ راسخ یقین ان کے دل میں چھوڑتے ہیں کہ ان پر حقیقت کی نئی گہرائیاں منکشف ہوئی ہیں ۔ سینٹ ٹیریسہ کو ان احوال کے بیان میں بہت مہارت حاصل ہے اس لئے مراقبۂ اتحاد کے متعلق اس کا بیان نقل کرتا ہوں جس کا مرتبہ احوال میں نہایت بلند ہے ۔ یہ ولیہ کہتی ہے :

”مراقبۂ اتحاد میں روح خدا کی نسبت پوری طرح بیدار ہوتی ہے مگر خود اپنی نسبت یا دنیا کے امور کی بابت بالکل خفتہ ہوتی ہے ۔ اتحاد کی ساعتوں میں اس کے اندر کسی قسم کا احساس نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تو وہ کسی شے

http://www.Mypdfsite.com

کے متعلق کچھ نہ سوچ سکے - سوچنے کے عمل کو روکنے کے لئے اس کو کوئی طریقہ برتنے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ عقل اس قدر مفلوج ہو جاتی ہے کہ وہ نہیں جانتی کہ کس سے محبت کر رہی ہے اور کس طرح محبت کر رہی ہے اور نہ اس کے اندر کوئی ارادہ ہی باقی رہتا ہے - وہ خدا کے بارے میں زندہ اور دنیا کے بارے میں مطلقاً مردہ ہوتی ہے - اس حالت میں سانس لینے کی طاقت بھی معلوم نہیں ہوتی - اگر سانس چل بھی رہی ہو تو انسان اس سے آگاہ نہیں ہوتا - عقل کے اندر کچھ طاقت نہیں رہتی - اگر کچھ ہوتی تو اسے اس حالت کو سمجھنے کی خواہش ہوتی - اس عالم بے خودی میں انسان بظاہر بالکل مردہ ہو جاتا ہے -

''خدا جب کسی روح کو اپنی ذات سے متحد کرنا چاہتا ہے تو اس کے تمام فطری ملکات کو معطل کر دیتا ہے - اس حالت اتحاد میں روح کچھ نہ دیکھتی ہے نہ سنتی ہے نہ سمجھتی ہے - مگر یہ لمحہ اتحاد نہایت مختصر ہوتا ہے اور جتنا مختصر ہوتا ہے اس سے زیادہ محسوس ہوتا ہے - خدا روح کے اندر اس طرح داخل ہوتا ہے کہ ہوش میں آنے کے بعد اس کو قطعاً کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ خدا اس کے اندر تھا اور وہ خدا کے اندر تھی - یہ حالت بعد میں خواہ کبھی عود نہ کرے تو بھی یہ یقین کبھی زائل یا متزلزل نہیں ہوتا کہ روح کو خدا سے اتحاد نصیب ہوا تھا - اگر کوئی یہ کہے کہ جس حالت میں نہ احساس تھا اور نہ عقل اس کے متعلق کوئی کس طرح کہہ سکتا ہے کہ روح خدا سے متحد تھی

http://www.Mypdfsite.com

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حالت کے گزر جانے کے بعد انسان سوچتا ہے اور اپنے اندر اس یقین کو راسخ پاتا ہے جو اس کو خدا عطا کرتا ہے ۔ میں ایک ایسے شخص کو جانتی ہوں جو اس سے بالکل ناواقف تھا کہ خدا تین طرح سے کسی کے اندر ہو سکتا ہے یا اپنے حضور سے یا اپنی طاقت سے یا اپنی ذات سے ۔ وہ اس حقیقت کے کچھ معنی نہ سمجھتا تھا لیکن جب خدا کے فضل سے اس کو حالت اتحاد نصیب ہوئی تو اس کے یقین کی پختگی کی کوئی حد نہ تھی ۔ جب نیم خام انسان نے اس سے کہا کہ حلول و اتحاد سے نہیں بلکہ محض اپنے فضل سے خدا ہمارے اندر ہوتا ہے تو اپنے یقین پختہ کی وجہ سے اس نے اس توجیہ کو ماننے سے انکار کر دیا ۔ اس کے بعد زیادہ معرفت رکھنے والوں نے اس کی تائید کی کہ حلول و اتحاد درست ہیں ۔ اگر آپ کہیں کہ جب نفس کی حالت مردے کی سی ہوتی ہے تو رویت اور حقیقت کا نفس کہاں سے پیدا ہوتا ہے تو میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ۔ یہ خدا کی قدرت مطلقہ کا ایک راز ہے جس کو کھولنا انسان کے بس کی بات نہیں ۔ میں صرف اتنا ہی کہ سکتی ہوں کہ میں ایک حقیقت بیان کر رہی ہوں ۔ جس روح کے اندر یہ یقین نہیں اس کو خدا سے کبھی اتحاد نصیب نہیں ہوا ۔ ''

ان پراسرار طریقوں سے جن حقائق کا انکشاف ہوتا ہے وہ کئی کئی طرح کے ہیں ۔ کبھی ان کا تعلق عالم محسوس سے ہوتا ہے اور کبھی فوق الحس امور سے ، کبھی مستقبل کی نسبت کوئی کشف ہوتا ہے تو کبھی دوسروں کے دلوں کا

http://www.Mypdfsite.com

حال معلوم ہو جاتا ہے، کبھی کسی آیت کی نسبت یک بیک کوئی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی دور کے حالات سے آگاہی ہوتی ہے لیکن زیادہ اہم الہامات فوق الفطرت حقائق اور عقائد کی نسبت ہوتے ہیں۔

ایک روز سینٹ اگناٹیوس نے اب کلیسا لینے سے کہا کہ ماتریسا کے مقام پر ایک ساعت کے مراقبے میں آسمانی باتوں کی نسبت مجھے اتنا علم عطا ہوا جو مجموعی طور پر تمام دینی اور روحانی عالموں کی تعلیمات سے کم نہیں۔ ایک روز حالت اتحاد میں تکوین عالم کی تمام الہی حکمت مجھ پر منکشف ہو گئی۔ اس طرح ایک مرتبہ تثلیث مقدس کا عمیق راز اس قدر مجھ پر کھول دیا گیا جس قدر کہ اس دنیا میں رہنے والے کی عقل ضعیف پر کھولا جا سکتا ہے۔ اس کشف سے مجھے ایسا لطف محسوس ہوا کہ اس کی محض یاد سے میری آنکھوں سے اشک مسرت ٹپک پڑتے ہیں۔

یعقوب بوہمے مشہور جرمن صوفی جو موچی کا کام کرتا تھا اپنی ایک عرفانی کیفیت کو یوں بیان کرتا ہے: ''میری عمر پچیس برس کی تھی جب میں نے دیکھا کہ میں نور الہی میں غرق ہوں۔ خدا کی طرف سے مجھ میں یکدم یہ علم پیدا ہو گیا کہ میں کھیتوں میں تمام جڑی بوٹیوں کے خواص جان گیا، ان کا جوہر اور ان کا استعمال بھی مجھے معلوم ہو گیا گویا کہ سب کچھ ان پر لکھا ہوا تھا۔ پندرہ منٹ میں مجھ کو وہ علم حاصل ہوا جو برسوں میں کسی یونیورسٹی میں تعلیم پا کر مجھے حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا

http://www.Mypdfsite.com

کہ ہستی کا ماخذ کیا ہے اور میں تثلیث مقدس کے راز سے بھی آشنا ہو گیا۔ میں نے دیکھ لیا کہ یہ خارجی دنیا روحانی اور باطنی دنیا میں سے کس طرح نکلتی ہے، ازلیت کے رحم میں سے کائنات کیسے برآمد ہوتی ہے۔ میں اس حکمت آموزی سے سراپا حیرت و مسرت تھا اگرچہ میں اپنی معمولی حیثیت میں اس کو سپرد قلم نہیں کر سکتا۔"

جورج فوکس کہتا ہے کہ روحانی وجدان میں میں نے یہ محسوس کیا کہ میں اس حالت میں ہوں جس میں ہبوط سے پیشتر آدم تھا۔ اشیا کی ماہیت اور ان کے صفات و اسما مجھ پر منکشف ہو گئے یہاں تک کہ میں سوچنے لگا کہ مجھے اس علم کے ساتھ طبابت کا کام شروع کر دینا چاہئے۔

کمال معرفت کے ساتھ کمال سرور بھی ان حالتوں میں پایا جاتا ہے جس کا اظہار جسمانی احساسات میں بھی ہوتا ہے۔ ناقابل برداشت ہونے کی وجہ سے جسمانی دکھ معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس کی دلدوز لطافت بیان میں نہیں آ سکتی۔ جسم کے اندر اس کے اثر کو عیسائی صوفیوں نے مختلف طرح محسوس کیا ہے۔ کسی کو خدا کے لمس کا احساس ہوتا ہے، کوئی محسوس کرتا ہے کہ خدا کی برچھیاں اس کو چبھ رہی ہیں، کوئی نشہ محسوس کرتا ہے، کسی کو ازدواجی وصل کی لذت محسوس ہوتی ہے۔ ان تمام احساسات کے باوجود وہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کا تعلق نہ ظاہری حواس سے ہے اور نہ عقل سے۔ جس پر یہ حالت طاری ہوتی ہے وہ اس کو سمجھ نہیں سکتا۔ سینٹ ٹیریسہ کہتی ہے کہ یہ ایک راز ہے جس میں

http://www.Mypdfsite.com

نفس گم ہو جاتا ہے۔

بعض حالتوں میں تنفس اور دوران خون اس قدر کم ہو جاتا ہے کہ بعض علماء دین کا خیال ہے کہ اس حالت میں غالباً عارضی طور پر جسم و روح کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔

جسمانی طبیب تو ایسی حالتوں کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں کہ یہ ہپناٹزم کی حالتیں ہیں۔ اپنے عقیدہ یا خواہش سے یہ لوگ کچھ خیال انگیزی کرتے ہیں اور جن احوال کو روایتاً سن چکے ہیں غیرشعوری طور پر محض نقل و تقلید سے ان کو اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں۔ یا یہ حالتیں اعضا و اعصاب کے اختلال کا نتیجہ ہوتی ہیں جن سے بعض اوقات ہسٹیریا پیدا ہو جاتا ہے۔ بلا شبہ یہ امراضی کیفیات اکثر پائی جاتی ہیں اور ممکن ہے کہ ہر قسم کے اہل حال میں کچھ نہ کچھ یہ عوامل بھی موجود ہوں لیکن جسم کی معمول سے ہٹی ہوئی حالت کی وجہ سے ہم یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ ان امراضی کیفیات کے ساتھ جو شعور پیدا ہوتا ہے محض اسی وجہ سے وہ بے حقیقت ہے۔ ہم کو تو یہ دیکھنا ہے کہ اقدار حیات یا علم و عمل کے لئے اس غیر معمولی شعور کی کیا قدر و قیمت ہے۔ کسی انداز شعور کی صحت اور کسی قسم کے علم کی قیمت کا اندازہ ہم اس کے نتائج ہی سے کر سکتے ہیں۔

مختلف اہل حال میں ان کی غیر معمولی حالتیں مختلف قسم کے ثمرات پیدا کرتی ہیں۔ کہیں یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے معمولی فرائض کی انجام دہی کے لئے بے کار ہو جاتا ہے۔ بعض کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ ان کے مرید ان کی دیکھ بھال اور حفاظت

http://www.Mypdfsite.com

نہ کریں تو وہ زندہ ھی نہ رہ سکیں۔ جن کی سیرت میں کمزوری اور عقل میں کمی ھوتی ھے انہیں پر یہ مجذوبیت اور بے بسی طاری ھوتی ھے لیکن مضبوط دل و دماغ کے لوگوں کی زندگی میں نتائج اس کے بالکل بر عکس ھوتے ھیں۔ ھسپانیہ کے عیسائی صوفیوں میں وجد و مستی کی انتہائی حالتوں کے باوجود زبردست جسم و نفس کی قوتیں بھی پائی جاتی ھیں۔ اس لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ تمام اھل حال انسانی زندگی کے اغراض و مقاصد کے لئے بالکل اپاھج ھو جاتے ھیں۔ بعضوں کی عقلی و عملی و اخلاقی حیثیت ان تجربات کی بدولت اور زیادہ استوار ھو جاتی ھے۔

سینٹ اگناٹیوس بھی صوفی تھا لیکن اس کے تصوف نے اس کو غیر معمولی طور پر زبردست عامل انسان بنا دیا۔ سینٹ جون صلیبی لکھتا ھے کہ روح انسانی کے ساتھ خدا کا یہ لمس اور وجدان روح میں غیر معمولی بصیرت اور ھمت و ثروت پیدا کرتا ھے۔ انسان جن کمزوریوں کو عمر بھر رفع نہ کر سکا وہ یک بیک ناپید ھو جاتی ھیں اور ان کی جگہ فوق الفطرت قوتیں اور فضائل پیدا ھو جاتے ھیں اور خدا کی راہ میں انسان ھر قسم کی اذیت کو بخوشی برداشت کرتا ھے۔ عجب بات یہ ھے کہ تکلیف سے گریز نہیں کرتا ھے بلکہ اس کا طالب ھوتا ھے۔

سینٹ ٹیرسہ کے خود نوشتہ حالات اس امر کا یقین دل میں پیدا کرتے ھیں کہ ''ایسے تجربوں کے بعد روحانی قوتوں میں غیر معمولی اضافہ ھوتا ھے اور ایسے مقاصد کے لئے ھمت ایسی بلند ھو جاتی ھے کہ خدا کی راہ میں میں انسان کی تکا بوٹی بھی کر دی جائے تو اس کو راحت محسوس ھو۔ جذبات پاکیزہ اور ارفع ھو جاتے

http://www.Mypdfsite.com

ھیں، دنیاداری کی ھوسیں ناپید ھو جاتی ھیں، انسان خدمت خدا و خلق کے بڑے بڑے عہد کرتا ھے اگرچہ وہ خدا کے سامنے کمال درجے کا عجز برتتا ھے اور اپنے آپ کو نیچ سمجھتا ھے کیونکہ وہ جانتا ھے کہ قوت و ھمت کا ماخذ وہ خود نہیں بلکہ خدا ھے۔ تمام دنیا کی لذتیں اور نعمتیں، مال و جاہ و جلال اس کے زیر قدم ھوتا ھے مگر کوئی ھوس اس کو مغلوب نہیں کر سکتی۔ دنیا کی کون سی بادشاھی فقر کی اس سلطانی کا مقابلہ کر سکتی ھے؟ روح کو اپنی گذشتہ ھوسیں کس قدر شرمنا کی معلوم ھونے لگتی ھیں؟ انسان اپنی پیشینہ بے بصری پر حیرت کرتا ھے۔ جو لوگ ابھی تک حرص و جہل کی ظلمت میں ھیں ان کی حالت کیا قابل رحم معلوم ھوتی ھے، جھوٹی عزت کے حصول کے لئے انسان کس قدر حساس ھوتے اور کوشاں رھتے ھیں ـــــ معرفت کے بعد اس حماقت پر انسان نہایت پشیمان ھوتا ھے اور اپنی گذشتہ خود فریبی پر حیرت کرتا ھے۔ دنیاوی عزت اب اس کو سراسر دروغ بے فروغ دکھائی دیتی ھے۔ نور معرفت کی بدولت عزت کا معیار بالکل بدل جاتا ھے۔ اصل عزت وھی ھے جو بلند مقاصد میں جد و جہد کی بدولت حاصل ھو اور جو خدا کے نزدیک عزت ھو۔ خدا رسیدہ روح کو حیرت ھوتی ھے کہ بعض نہایت سنجیدہ لوگ بھی محض جھوٹی عزت کے خیال سے عمل کرتے ھیں اور سمجھتے ھیں کہ ان کے عہدے یا مرتبے کا وقار قائم رکھنے کے لئے ایسا انداز کردار لازمی ھے۔ عزت خلق کی بجائے اگر محبت خدا ان کے اعمال کی محرک ھوتی تو وہ ایک دن میں انسانوں کے لئے اتنی بھلائی کر سکتے جو دنیا داری کی

http://www.Mypdfsite.com

جھوٹی عزت کا شکار ھو کر دس برس میں نہ کر سکتے ۔ انسان نے روپے کے ساتھ کس قدر وابستگی پیدا کر رکھی ھے اگر لوگ اس کو محض کیچڑ سمجھیں تو ان کی زندگی میں کس قدر محبت اور ھم آھنگی پیدا ھو سکتی ھے ۔ جھوٹی عزت اور حصول دولت کی خواھش نے انسانوں کو باھمی اخوت کے ناقابل بنا دیا ھے ۔ میں سمجھتی ھوں کہ عزت اور مال کی نسبت اگر انسانوں کا زاویۂ نگاہ درست ھو جائے تو ان کی تمام مصیبتیں رفع ھو جائیں ۔"

وجدان و حال جس حقیقت و صداقت کا انکشاف کرتے ھیں اس کے عمل تحقق کے لئے روح میں زیادہ قوت پیدا ھو جاتی ھے ۔ لیکن اس اضافۂ قوت سے اسی حالت میں فائدہ ھو سکتا ھے کہ کشف کے اندر صداقت ھو ۔ اگر وہ صداقت سے مبرا ھو تو یہ اضافہ قوت مفید ھونے کی بجائے اور مضر ھو جائیگا ، اس لئے ھم کو پھر اس مسئلے کی طرف عود کرنا پڑتا ھے کہ ان احوال کی صداقت کو کس طرح جانچا جائے ۔ کیا یہ احوال ان دینی عقائد کی صداقت کے ضامن ھو سکتے ھیں جو اھل حال کی حیات فقر کا محور ھوتے ھیں ؟

اگرچہ سب اھل حال یہی کہتے ھیں کہ ان وجدانات کو بیان کرنے میں عقل و زبان قاصر ھیں لیکن ان میں سے اکثر کے بیانات سے ایک مخصوص فلسفیانہ نظریۂ حیات اخذ ھو سکتا ھے ۔ اس نظریۂ حیات کے دو عناصر ھیں : رجائیت اور وحدت وجود ۔ عام شعور سے صوفیانہ وجدان کی طرف آ کر اھل حال یہ محسوس کرتے ھیں کہ وہ تنگی سے وسعت اور

http://www.Mypdfsite.com

بے چینی سے سکون و راحت کی طرف عبور کر آئے ہیں۔ ان احوال میں کثرت وحدت میں تبدیل ہوتی ہوئی نظر آتی ہے اور اضداد میں موافقت اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ ان میں رد کی بجائے قبول اور انکار کی جگہ اقرار نظر آتا ہے۔ اشیاء و حوادث کی محدودیت لاتناہی میں جذب ہو جاتی ہے اور اطمینان کے ساتھ تمام تضاد ختم ہو جاتے ہیں اگرچہ ان کے بیانات میں اثبات کی بجائے نفی زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ حقیقت مطلقہ کی نسبت وہ ہر صفت کی نفی کرتے ہیں، جو کچھ بھی سوچو یا کہو اس کا اطلاق حقیقت مطلقہ پر نہیں ہوتا۔ اپنشدوں میں جا بجا اس کی نسبت 'نہیں ، نہیں' ملتی ہے۔ لیکن اس نفی میں ایک گہرا اثبات پنہاں ہوتا ہے۔ [رومی نے خوب کہا ہے:

ہرچہ اندیشی پذیرائے فناست انچہ دراندیشہ ناید آں خداست]

ذات مطلق کی نسبت کہنا کہ وہ یہ ہے اس کو مستلزم ہے کہ وہ اس کے برعکس دوسری صفت سے محروم ہے۔ غرضیکہ کسی ایک صفت کے انتساب سے مطلق مقید ہو جاتا ہے لہذا ذات مطلق کی مطلقیت ہی کا تقاضا ہے کہ اس کی نسبت ہر معین صفت کی نفی کی جائے۔ نفی صفات ایک بلند سطح پر ذات مطلق کا اثبات ہے اور اس لئے صوفیانہ وحدت وجود کو سلبی نہیں کہہ سکتے۔ عیسوی تصوف کا سرچشمہ ڈائیونیسی اس آریو پیجائٹ (Dionysius Areopegite) ہے۔ وہ صداقت مطلقہ کے لئے نفی ہی نفی استعمال کرتا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ تمام اشیا کی علت نہ روح ہے اور نہ عقل۔ اس میں

http://www.Mypdfsite.com

نہ تخیل ہے نہ تفکر نہ فہم - وہ نہ عقل ہے نہ سخن نہ فکر - وہ نہ عدد ہے نہ نظم ہے نہ کمیت - وہ نہ قلیل ہے نہ کبیر - اس میں نہ مساوات ہے نہ عدم مساوات ، نہ مشابہت نہ عدم مشابہت - اس میں نہ حرکت ہے نہ سکون - وہ نہ جوہر ہے نہ سرمدیت - نہ زمانی نہ لازمانی - اس کا کسی چیز سے رابطہ نہیں ، وہ نہ حکمت ہے نہ صداقت - وہ نہ وحدت ہے نہ الوہیت نہ نیکی - روح کے جو معنی ہم سمجھتے ہیں ان معنوں میں وہ روح بھی نہیں -

ڈائیونیسی اس نفئی صفات پر اس لئے زور دیتا ہے کہ حقیقت مطلقہ اس کے نزدیک ان سب سے ماورےٰ ہے - وہ فوق الکل ہے ، انسانی تصور میں آنے والی ہر صفت اس حقیقت سے بدرجہا پست ہے - ہیگل کی منطق میں بھی نفئی مطلق کا اسلوب پایا جاتا ہے - صوفی کا سفر بھی نفئی مطلق سے اثبات مطلق کی طرف ہے اسی وجہ سے صوفیا کے بیان میں آپ کو کثرت سے متضاد نما باتیں ملتی ہیں - جرمن صوفی اکہارٹ کہتا ہے : ''الوہیت کے دشت خاموش میں اختلاف کا وجود نہیں - اس کے اندر باپ ، بیٹا اور روح القدس کی تثلیث نہیں ، اس کے اندر کسی کا مقام نہیں - اس کے باوجود روح کو اتنا سکون و اطمینان اپنے اندر نہیں مل سکتا جتنا کہ اس الوہیت میں ملتا ہے'' - دوسرا بڑا جرمن صوفی بوہمے لکھتا ہے کہ عشق ازلی کو آپ عدم سے مشابہ کہ سکتے ہیں کیونکہ وہ ہر وجود سے بالاتر ہے - وجود شے کا جو مفہوم بھی ہمارے نزدیک ہو سکتا ہے اس کا اطلاق عشق ازلی پر نہیں ہوتا - انگلیوس سالیسیوس ایک شعر میں کہتا ہے :

http://www.Mypdfsite.com

"خدا عدم مطلق ہے، زمان و مکان کا اس پر اطلاق نہیں ہوتا، اس کے ہاں یہاں اور وہاں، اب اور جب نہیں۔ اس کے ادراک کی جس قدر کوشش کی جائے اسی قدر وہ اس کی گرفت سے گریز کرتا ہے۔"

عقلی اور منطقی نفی و اثبات کے ساتھ ایک اخلاقی پہلو بھی وابستہ ہے جہاں اپنے ارادے کی نفی ہی انسان کو خدا کی مرضی کے حوالے کر دیتی ہے۔ جب تک کہ ذاتی ارادوں اور خواہشوں کی نفی نہ ہو انسانی روح خدا سے ہم کنار یا یوں کہئے کہ خدا سے لبریز نہیں ہو سکتی۔

[من از هر سه عالم جدا گشته ام تهی گشته از خود خدا گشته ام

ترجمه بهگوت گیتا از فیضی]

اسی لئے روحانی زندگی اعلےٰ ترین سطح پر فقر ہی کی زندگی ہوتی ہے

یہ اخلاقی معما بھی عقلی معما سے کم حیرت انگیز نہیں کہ زندگی کی انتہائی غایت اور آرزوؤں کا آخری مقصود آرزوؤں کی نفی ہو۔ ایک عیسائی صوفی بہمن کہتا ہے:

"عشق عدم کا نام ہے۔ مخلوقیت اور فطرت کو مطلقاً ترک کر کے انسان ذات سرمد میں پہنچ جاتا ہے جو خدا ہے۔ اسی طریقے سے عشق کی تکمیل ہوتی ہے جو فضائل میں سب سے برتر ہے۔ روح کا اصلی گنجینہ اسی عدم میں ہے کیونکہ اسی عدم میں سے تمام موجودات پیدا ہوتے ہیں۔ جب روح اس وجدان پر پہنچ جاتی ہے کہ میں کچھ نہیں ہوں اور جو کچھ ہوں وہ خدا کے وجود کا محض سایہ ہے تو پھر اپنا ارادہ منسوخ ہو جاتا ہے اور فقط خدا کی ذات اور اس کی مرضی باقی رہ جاتی ہے۔

http://www.Mypdfsite.com

عدم میں روح کو العظمت للہ کا وجدان ہوتا ہے۔ انفرادی انا کے معدوم ہونے پر خدا اس کے اندر موجود ہو جاتا ہے۔ ایسی ہی حالت میں سینٹ پال نے کہا کہ زندہ ہونے کے باوجود میں خود اپنی ذات سے زندہ نہیں ہوں بلکہ مسیح میرے اندر زندہ ہے۔ خدا کے اندر اس طرح ختم ہو جاتے ہی انسان اور خدا کا فرق مٹ جاتا ہے۔"

باطن میں خدا کے حضور کے احساس سے جو مسرت حاصل ہوتی ہے اس کے بیان کا اقتباس میں ایک فرانسیسی کتاب سے پیش کرتا ہوں۔ صاحب حال کہتا ہے:

"مسیح نے میرے اندر سکونت اختیار کرلی ہے۔ اس کو سکونت سے زیادہ اتحاد ذات کہہ سکتے ہیں۔ اس حالت میں کمال درجے کی سعادت اور تنویر ہے۔ جس طرح سورج کے چمکنے سے ہر تاریک چیز منور ہو جاتی ہے اور ذروں میں بھی آفتاب کی تجلی نظر آتی ہے یہی حالت روح کی ہوتی ہے جب وہ خدا سے ہم کنار ہوتی ہے۔ پہلے خدا کے غیاب سے میں غمزدہ رہتا تھا مگر اب وہ ہر وقت میرے ساتھ ہوتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ کا لمس محسوس کرتا ہوں۔ میں ایک اور سعادت و مسرت کو بھی بیان کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ روح القدس کا مجھ پر ورود مسعود ایسا نہیں ہوتا کہ کسی وقت آیا اور پھر چل دیا۔ میری ذات اور اس کا وجود ایک ہو گیا ہے۔ وہ مجھ سے متصل نہیں بلکہ میرے اندر حلول کرگیا ہے اور اس لئے مجھ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اس حلول سے میری فطرت کی قلب ماہیت ہوگئی ہے۔ میں کچھ اور سے اور ہو گیا ہوں۔"

http://www.Mypdfsite.com

صوفی کی معراج یہ ہے کہ اس کی انفرادی روح اور ہستئی مطلق کے درمیان کوئی دیوار حائل نہ رہے ۔ ایسی حالت میں انسان خدا کے ساتھ ایک ہو جاتا ہے ۔ تمام مذاہب کے صوفی اس بارے میں متفق الرائے ہیں ۔ ہندو مت میں ، نوفلاطونیت میں ، اسلامی تصوف میں ، عیسوی سریت میں ، وھٹمن کی قسم کے احساس میں ہمیں اسی یقین و وجدان کی تکرار ملتی ہے ۔ اسی لئے صوفیانہ لٹریچر ہر زمانے اور ہر قوم میں اساسی طور پر یکساں نظر آتا ہے ۔ دین و وطن اور قومیت کا فرق اس پر اثر انداز نہیں ہوتا ۔ [رومی نے کیا خوب کہا ہے ؎

مذہب عشق از همه دین ها جداست]

تمام زمانوں کے اور تمام ادیان کے صاحبان حال ہم آہنگ معلوم ہوتے ہیں ۔ یہ مضمون قدیم ترین ہونے کے باوجود کبھی پرانا نہیں ہوتا ۔ آج بھی کسی مذہب کا صوفی وہی کہیگا جو ہزارہا سال پیشتر اس کا کوئی ہم مشرب کہہ چکا ہے ۔ اپنشد کہتے ہیں کہ وہ تو ہی ہے (تت توم اسی) اور ویدانتی اس کی تشریح میں یہ اضافہ کرتا ہے کہ تو اس کا جزو نہیں اور نہ ہی تو اس کی ہستی کا کوئی انداز ہے بلکہ عین وہی ہے جو ہستی کی روح مطلق ہے ۔ اے گیوتم جس طرح خالص پانی خالص پانی میں مل کر ایک ہو جاتا ہے گیان والے گیانی کی روح کا بھی یہی حال ہے ۔ پانی پانی میں ، آگ آگ میں ، ایتھر ایتھر میں مل جائے تو ان میں کوئی فرق و امتیاز نہیں رہتا ۔ روح انسانی اور روح کل کا بھی ایسا ہی معاملہ ہے ۔ صاحب گلشن راز کہتا ہے کہ جس دل میں شک کا کوئی شائبہ نہ رہے وہ یقین کے ساتھ

http://www.Mypdfsite.com

جان جاتا ہے کہ ہستی ایک ذات واحد کے سوا کچھ نہیں۔ اس وحدت کے اندر من و تو کا کوئی امتیاز نہیں۔ ہر وجود کو اپنی تنسیخ کے بعد اناالحق کی آواز سنائی دیتی ہے، اس ذات کی آواز جو ازلی و ابدی اور فنا سے بری ہے"۔ فلاطینوس کہتا ہے کہ رویت الٰہی میں دیکھنے والی قوت عقل نہیں بلکہ عقل سے ماورا ایک حقیقت ہے۔ اس کو عام معنوں میں دیکھنا نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس میں ناظر و منظور کی دوئی نہیں ہوتی۔ دیکھنے والا اس میں غائب ہو جاتا ہے۔ جس طرح دو ہم مرکز دائروں کے مرکز منطبق ہو کر ایک ہو جاتے ہیں اسی طرح شاھد و مشہود ایک ہو جاتے ہیں۔

[اصل شہود و شاھد و مشہود ایک ہیں
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں (غالب)]

سو سو کہتا ہے کہ انفرادی روح پر موت طاری ہونے کے باوجود وہ خدا کی حیرت انگیز وحدت میں زندہ ہوتی ہے اگرچہ وہ نظارہ سوز تجلی میں گم اور وحدت بسیط و سکوت ازلی میں محدود انفرادیت کے لحاظ سے ناپید ہوتی ہے۔ سعادت بر تریں اسی بے تعین مقام میں ہے۔ انگیلیوس سائلیوس اس مقام کی نسبت کہتا ہے کہ اس میں نہ خدا بڑا ہوتا ہے اور نہ میں چھوٹا، نہ وہ میرے اوپر ہو سکتا ہے اور نہ میں اس کے نیچے۔ میں اس کی طرح بڑا ہو جاتا ہوں اور وہ میری طرح چھوٹا۔

صوفیانہ ادب میں اکثر آپ کو متضاد جملے ملینگے مثلاً نظارہ سوز ظلمت، سکوت گویا، آباد بیابان۔ اس قسم کے داخلی تضاد

http://www.Mypdfsite.com

تصوف کے کلام میں عام ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت سری عقل کی زبان سے نہیں بلکہ موسیقی کی زبان سے بیان ہوتی ہے جس کے لئے الفاظ غیر ضروری ہوتے ہیں۔ الفاظ کا استعمال اس حالت کے بیان میں معاون نہیں بلکہ مزاحم ہوتا ہے۔ مادام بلاواٹسکی تھیوسوفی کی امام 'آواز سکوت' کے عنوان کے تحت لکھتی ہے :—

"جو کوئی خدا یا آواز بے آواز کو سننا اور سمجھنا چاہتا ہے اس کو دھارن کی ماہیت سے آگاہ ہونا چاہئے۔ جس انسان کو اپنی صورت ایسی ہی غیر حقیقی معلوم ہونے لگے جیسی کہ بیداری کے بعد خواب کی صورتیں معلوم ہوتی ہیں اور جب کثرت کی آوازوں کی طرف سے گوش ظاہر و باطن بند ہو جائے تو وہ اس آواز وحدت کو سن سکتا ہے جو خارجی آوازوں کو فنا کر دیتی ہے۔ ایسی حالت میں روح سن سکتی ہے اور یاد بھی رکھ سکتی ہے۔ گوش باطن خاموشی کی آواز سنتا ہے۔ پھر تمہاری روح اس روح میں گم ہو جائیگی جس میں سے وہ برآمد ہوئی تھی۔ تم خود نور حقیقت اور صدائے حقیقت بن جاؤگے۔ تم آپ بھی اپنے مالک اور خدا ہو گے۔ طالب بھی تم ہوگے اور مطلوب بھی تم۔ آواز سکوت ازل سے گونج رہی ہے، تغیر اور گناہ سے منزہ، سات آوازوں کی ایک آواز، آواز سکوت۔ اوم تت ست۔"

اگر اس قسم کے بیان کو تم مضحکہ خیز نہ سمجھو اور محض شطحیات خیال نہ کرو تو اس کا امکان ہے کہ تمہارے دل کے تار اس سے اسی طرح مرتعش ہوں جس طرح موسیقی

http://www.Mypdfsite.com

سے مرتعش ہوتے ہیں اور تمہیں وہ کچھ محسوس ہو جو زبان اور موسیقی میں مشترک ہے۔ موسیقی میں ماہیت وجود کا ایک پیغام ہوتا ہے جس کی تردید عقل منطقی نہیں کر سکتی اگرچہ اس کو اہم سمجھنے والے کی ہنسی اڑا سکتی ہے۔ ناقابل فہم اشارے اور پیغام شعور کے کناروں پر نادیدہ ارواح کی طرف گھومتے ہیں۔ ان کی سرگوشیاں ہمارے معمولی فہم کے ساتھ اس طرح آمیختہ ہو جاتی ہیں جس طرح بحر بے پایاں کی لہریں ساحل کے سنگریزوں سے کھیلتی ہیں۔ ہمارا ایک ساحل ہے جس سے ہستی کے ناپیدا کنار سمندر کی موجیں ٹکراتی ہیں۔ اس بحر کا پیغام ہمیں یا موسیقی کے ذریعہ پہنچتا ہے یا مذکورہ صدر صوفیانہ بیانات سے جن میں الفاظ کے لحاظ سے تضاد ہی تضاد نظر آتا ہے۔ اس کے باوجود انسانی روح اپنی گہرائیوں میں ان کو پیام حقیقت سمجھتی ہے۔

یہ نظریہ کہ ابدیت لازمانی ہے یعنی وہ محض لامتناہی طوالت زمان کا نام نہیں بلکہ وہ حقیقت ہے جس میں ماضی و حال و مستقبل کا وجود نہیں اور یہ تعلیم جو بعض فلسفوں میں ملتی ہے کہ ہماری بقا کے یہ معنی نہیں کہ ہم مستقبل لامتناہی میں زندہ رہینگے بلکہ اپنی ماہیت میں ہم کو اب بھی ابدیت حاصل ہے ــ ہماری روح کی پراسرار گہرائیاں اس نظریے کی تصدیق کرتی ہیں۔ جو الفاظ اس طرف رہنمائی کرتے ہیں ان کو ہماری روح پہچانتی ہے لیکن ہم بے توفیق اُدھر جا نہیں سکتے۔

مختصر وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے میں نے نہایت اختصار کے ساتھ ان امتیازی صفات کو بیان کر دیا ہے جو شعور سری

http://www.Mypdfsite.com

میں پائے جاتے ھیں۔ میں نے اپنی طرف سے حتی الوسع بے لاگ کوشش کی ھے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ھوں کہ اس کے اندر وحدت وجود بھی ھے اور رجائیت بھی۔ رجائیت اگر نہ بھی کہیں تو یہ کہ سکتے ھیں کہ وہ حالت قنوط کے بالکل برعکس ھے۔ یہ شعور ھماری مادی اور جسمانی فطرت کو بھی باطل سمجھتا ھے۔ مرنے سے پیشتر مر کر ایک نیا روحانی جنم لینا اس کا شیوہ ھے اور اس کا واسطہ ھماری دنیا کی بجائے کسی اور حاکم سے ھے۔

اب سوال یہ ھے کہ کیا اس انداز شعور کی صداقت کی کوئی سند بھی ھے؟ اسی زندگی میں اسی جنم میں رھتے ھوئے دوسرا جنم، یہ فوق الفطرت عالم، یہ وحدت وجود، ان کے حقیقی ھونے کا ثبوت کیا ھے؟ ان کی صداقت کو جانچنے کے لئے ھمارے پاس کیا کسوٹی ھے؟

مختصراً میرا جواب مفصلہ ذیل ھے جس کو میں تین حصوں میں تقسیم کرتا ھوں۔

۱۔ اپنی ترقی یافتہ صورت میں سرّی احوال کو یہ حق حاصل ھے کہ وہ صاحب حال کے لئے مطلقاً مستند ھوں۔

۲۔ لیکن ان کا صاحب حال کے لئے مستند و مقتدر ھونا اس امر کی دلیل نہیں ھے کہ دوسرے لوگ بھی ان کو بے تنقید تسلیم کر لیں۔

۳۔ سرّی وجدان اس امر کی شہادت ھے کہ ھمارا شعور عقلی جس کی بنیاد ھمارے حواس اور ھمارا معمولی فہم ھیں، شعور کے کئی ممکنہ اقسام میں سے محض ایک قسم ھے اور اس لئے

http://www.Mypdfsite.com

ھستی کے تمام پہلوؤں پر اس کا حاوی ھونا لازمی نہیں۔ اگر ھماری فطرت میں غیر معمولی احوال نفسی کو مستند اور قابل قدر سمجھنے کا میلان پایا جائے تو اس یقین کے راستے میں ھمارا حسی اور عقلی علم سد راہ نہیں بن سکتا۔ ھمارے عالم محسوس و مرئی کے علاوہ اور عالم بھی ھو سکتے ھیں جن کے لئے مختلف قسم کا شعور درکار ھو۔

اب میں سلسلہ وار ان نتائج کو دلائل سے واضح کرنے کی کوشش کرتا ھوں۔

۱- یہ ایک نفسیاتی حقیقت ھے کہ واضح اور پرزور سّری احوال عام طور پر صاحب حال کے لئے شک و شبہ سے پاک صداقت کی سند ھوتے ھیں اگرچہ بعض معمولی نفسی احوال کے بارے میں صاحب حال کے یقین کے باوجود اس کا مرشد اس کو خبردار کرتا ھے کہ ان کے شیطانی الہام ھونے کا امکان ھے۔ لیکن بلند مرتبہ صوفی کو اپنے عرفان پر کامل یقین ھوتا ھے۔ ھماری عقلیت کے لئے اس سے پرخاش بے کار ھے۔ اگر سری احوال سے حاصل شدہ عرفان صاحب حال کی زندگی میں اس کی رھبری کرتا اور اس کو ایک مخصوص انداز میں ڈھالتا ھے تو ھم بیرونی لوگ اپنی کثرت کے باوجود اس کو مجبور کرنے کا حق نہیں رکھتے کہ وہ اس سے ھٹ کر کوئی اور طریق زندگی اختیار کرے جسے ھم بھی درست سمجھیں۔ ھم اس کو زندان میں یا پاگل خانے میں بند کر سکتے ھیں لیکن ھم اس کے نفس کو بدل نہیں سکتے۔ ھم اس کو جس قدر اذیت پہنچائیں اس قدر وہ اپنے یقین میں اور راسخ ھو جائیگا۔ ھماری کوشش اور ھماری

http://www.Mypdfsite.com

منطق اس بارے میں لا حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً مادی اشیا کے حقیقی ہونے کا ثبوت ہمارے پاس اس کے سوا اور کیا ہے کہ ہمارے حواس ان کے وجود کی قطعی شہادت دیتے ہیں۔ صوفی بھی یہی کہتا ہے کہ جس حالت کو اس نے حقیقی سمجھا ہے اس کے وجود کو اس نے اسی طرح محسوس کیا ہے جس طرح ظاہر میں مرئی چیز کو ظاہری آنکھ دیکھتی ہے۔ اس کا یقین بھی براہ راست احساس پر مبنی ہے، وہ محض کوئی نظریہ پیش نہیں کر رہا جس پر کوئی منطقی رد و قدح ہو سکے۔ ماورائے فطرت حقیقت اس کے لئے ایک محسوس حقیقت ہے، وہ کوئی رائے یا عقیدہ یا نظریہ نہیں۔ صوفیا کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری حواس خمسہ کے معطل ہونے کے باوجود ان کے احوال محسوسات ہی ہیں جن کا تعلق کسی اور حاسہ سے ہے۔ انہوں نے جو کچھ دیکھا وہ ان کے روبرو تھا۔ ان کا تجربہ براہ راست اور بلا واسطہ تھا۔

لب لباب یہ ہے کہ آپ صوفی کی تردید نہیں کر سکتے، وہ اپنے تجربے کے باطل ہونے کا ہرگز قائل نہیں ہو سکتا۔ آپ کو لازماً اس کو اس کی حالت پر چھوڑنا پڑیگا خواہ آپ اس کو پسند کریں یا نہ کریں۔ ٹالسٹائے کہتا ہے کہ یقین اس کو کہتے ہیں جس پر صاحب یقین زندگی بسر کرتا ہے۔ صوفی کی کیفیت بھی یقین ہی کی کیفیت ہے جو لازماً اس کی زندگی کو ڈھالتی ہے۔

۲۔ لیکن صوفی کو یہ حق حاصل نہیں ہو سکتا کہ اس کے مخصوص تجربات کی حقیقت کو ہم بھی اس کی طرح تسلیم کریں۔

http://www.Mypdfsite.com

اگر ہماری طبیعت اس پر آمادہ نہیں تو وہ بھی ہم کو ماننے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر صوفی یہ کہے کہ ان احوال کی صداقت اس لئے مسلم ہے کہ تمام صوفیا اس کی نسبت متفق الرائے ہیں تو اس کے مقابلے میں فقط عقل اور محسوسات جسمانی کو ماننے والا بھی بعینہ یہی کہ سکتا ہے کہ تمام غیر صوفی عاقل بھی اپنے زاویۂ نگاہ کے متعلق متفق ہیں، لہٰذا کسی ایک گروہ کا اتفاق رائے اس رائے کی صداقت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ صوفیا کہتے ہیں کہ ہم سب کے سب غلط اور فریب خوردہ تو نہیں ہو سکتے۔ ان کے جواب میں آپ اپنے ہم خیالوں کی کثرت اور اتفاق رائے کو پیش کر سکتے ہیں۔ غرضیکہ کثرت آرا از روئے منطق کوئی مکتفی دلیل صداقت نہیں۔ ہم عام اتفاق کو محض عملی سہولت کے لئے تسلیم کر لیتے ہیں۔ صوفی زیادہ سے زیادہ ہمارے لئے اپنی صداقت کا احتمال مہیا کر سکتا ہے لیکن جو یقین اس میں ہے وہ ہم میں پیدا نہیں کر سکتا۔

میں نے صوفیا کے جس اجماع و اتفاق رائے کا ذکر کیا ہے اس میں بہت کچھ ترمیم کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا تھا کہ ان میں وحدت وجود اور رجائیت مشترک عناصر ہیں۔ روائیتی طور پر جن صوفیا کو مسلم قرار دیا گیا ہے ان میں تو اکثر کے اندر یہ صفات ملینگے۔ در اصل ان لوگوں کو روحانیت کی تاریخ نے ایک کثیر تعداد میں سے منتخب کر لیا ہے۔ جو نمونے مذہبی روایات کو صالح معلوم ہوئے ان کو چن کر باقی کو نظر انداز کر دیا ہے وگرنہ سب قسم کے صوفیانہ احوال والوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو مذکورہ صدر صفات پر بھی اجماع ناپید

http://www.Mypdfsite.com

ہو جائیگا۔ تصوف کی وسیع تاریخ میں مختلف قسم کے نمونے ملتے ہیں۔ کہیں تصوف میں زہد و تقشف ہے اور کہیں اخلاقی زندگی میں بے عنانی بھی نظر آتی ہے ۔ خود مسیحی کلیسا کے اندر اخلاقاً بے راہ روی بھی دکھائی دیتی ہے جہاں ایک صوفی مسلمہ اخلاقی پابندیوں کا احترام نہیں کرتا ۔ وحدت وجود کی نسبت بھی کافی اختلاف رائے ہے ۔ ہندی تصوف کے اندر سانکھیہ میں دوئی یا ثنویت ہے اور ویدانت میں وحدت وجود ۔ ویدانت میں بھی دویت ویدانت اورادویت ویدانت کے دو مختلف مذاہب ہیں۔ ہسپانیہ کے بڑے عیسائی صوفی وحدت وجود کا عقیدہ نہیں رکھتے، ان کا میلان مابعد الطبیعیاتی نہیں ۔ ان کے ہاں خدا اور انسان کی شخصیت قائم و دائم ہے، ان کے ہاں خدا اور انسان کا اتحاد حلول یا وحدت عینی نہیں بلکہ بعض حالات میں ہم آہنگی کا احساس ہے ۔ والٹ وھٹمین، ایڈورڈ کارپینٹر اور رچرڈ جیفریز کے انداز میں عام عیسوی عقائد سے ہٹ کر فطرت کی وحدت وجود کا احساس ہے ۔ روایتی عیسائی صوفیوں اور ایسے لوگوں میں احساس سرور و سعادت مشترک ہے لیکن باقی چیزوں میں وہ مخصوص عیسوی انداز سے الگ نہیں ۔ توسیع نفس، روحانی آزادی اور ہستی کی وحدت کا شعور کسی ایک مخصوص عقلی نظریہ کے ساتھ وابستہ نہیں ۔ کئی قسم کی دینیات اور کئی قسم کے فلسفے جذبہ سری کے اندر اپنا مقام تلاش کرلیتے اور اس کے ساتھ ہم آغوش ہو جاتے ہیں ۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ مطلق تصوریت یا وحدت وجود یا ہستی عالم کا سراپا خیر سمجھنا ہر قسم کے تصوف کے اندر لازماً داخل ہے ۔ ہاں یہ کہہ

http://www.Mypdfsite.com

سکتے ہیں کہ اضافی طور پر بحیثیت مجموعی تصوف کو یہ عقائد پسند ہیں اور اس کے اندر یہ علامات غالب ہیں۔

اب تک ہم نے زیادہ تر مذہبی رنگ کے تصوف کا ذکر کیا ہے لیکن غیر معمولی سری شعور مذہبی زندگی کے باہر بھی ملتا ہے ۔ اس لامذہبی سری شعور کی کوئی مقرر روایات نہیں۔ ان کا حال زیادہ تر جنون کی کتابوں میں ملتا ہے ۔ کمزور اور فریب خوردہ نفوس میں اس سے ملتی جلتی چیزیں ملتی ہیں جو مذہبی تصوف میں بھی پائی جاتی ہیں لیکن ان کا ماخذ و موضوع مذہبیت کے مقابلے میں شیطانی معلوم ہوتا ہے ۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو غیر معمولی اہمیت دینا ، الفاظ و آیات کے نئے اور انوکھے معنوں کا انکشاف ، آوازوں کا سنائی دینا ، عجیب مناظر دیکھنا ، کسی مخصوص مشن کے لئے باطنی ترغیب ، خارجی قوتوں کا تسلط ، یہ سب باتیں مذہبی تصوف میں بھی ملتی ہیں اور جنون میں بھی لیکن فرق یہ ہوتا ہے کہ جنون کے اندر جذبہ قنوطی اور یاس انگیز ہوتا ہے اور تسکین کی بجائے اندوہ حاصل ہوتا ہے ، جو کچھ سنا یا دیکھا ہے وہ خوفناک ہوتا ہے اور مسلط قوتیں زندگی کی دشمن معلوم ہوتی ہیں۔ مذہبی تصوف عالیہ کی طرح ان کا مقام پیدائش بھی انسان کا تحت الشعور ہے جس کی نسبت حال ہی میں تحقیق عملی کا آغاز ہوا ہے لیکن ابھی تک یہ نحتائی خطۂ شعور ظلمت ہی میں گھرا ہے ۔ اتنا کہہ سکتے ہیں کہ غیر معمولی جذبات و محرکات اسی خطے سے سرزد ہوتے ہیں ۔ یہاں فرشتے بھی ہیں اور سانپ بھی یا یوں کہئے کہ جنت بھی یہیں ہے اور دوزخ کا بھی یہی مقام ہے ۔ کسی خیال یا

http://www.Mypdfsite.com

جذبے کا یہاں سے سرزد ہونا اس کی صحت و صداقت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ خیر و شر اور حق و باطل یہاں دوش بدوش رہتے ہیں۔ یہاں سے جو کچھ سرزد ہوتا ہے اس کو کسی معیار حیات پر پرکھنا پڑیگا جس طرح ہم محسوسات کی حقیقت کو بھی تجربے کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور اصلیت کو دھوکوں سے الگ کرتے ہیں۔

میں یہاں اپنے اس خیال کو دھراتا ہوں کہ غیر معمولی احوال نفسی کو ان کی کسی داخلی صفت کی بدولت برتر و صادق تر سمجھنا ہمارے لئے لازمی نہیں۔

۳- لیکن سری شعور نے کم از کم ہم پر یہ واضح کر دیا ہے کہ انسانی نفس کے اندر ہمارے معمولی شعور کے علاوہ اور کیفیات شعور کے امکانات بھی موجود ہیں اور اس بارے میں ہم اپنے معمولی شعور کو حکم نہیں بنا سکتے۔ عام طور پر سری کیفیات ہمارے معمولی شعور کے عام مواد میں فوق الحس معانی کا اضافہ کرتے ہیں۔ جس طرح عشق ہماری جانی بوجھی چیزوں پر بھی ایک نیا رنگ چڑھا دیتا ہے اور عاشق کے لئے ہر چیز ایک خاص کیفیت پیدا کرتی ہے اور ہر چیز کے لئے عاشق کا عمل بدل جاتا ہے اسی طرح ایک سری کیفیت بھی ہمارے تمام ماحول کو نفسی لحاظ سے دگرگوں کر دیتی ہے۔ سری کیفیات معمولی واقعات و محسوسات کا انکار نہیں کرتیں لیکن ان کی نسبت زاویہ نگاہ اور تاثر بدل جاتا ہے۔ اس بارے میں عقلیتی تنقید خواہ مخواہ انکار کا شیوہ اختیار کرتی ہے حالانکہ اس انکار کے کوئی قوی وجوہ نہیں۔ تجربۂ حیات کی وسعت اور گہرائی کے

http://www.Mypdfsite.com

ساتھ ہر شے میں نئے معنی نظر آتے ہیں ۔ اس یقین کا امکان ہمیشہ رہیگا کہ ان سری احوال کی بدولت ہماری نظر میں وسعت اور بلندی پیدا ہوتی ہے اور ان دریچوں میں سے صاحب حال کسی وسیع تر اور بالا تر عالم کا مطالعہ کرتا ہے ۔ اگر مختلف اہل حال میں اس وسیع تر عالم کا ادراک مختلف معلوم ہو تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس عالم کا وجود ہی نہیں ۔ اس اختلاف نظر سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وسیع تر عالم بھی اس لحاظ سے ہماری دنیا کے مشابہ ہے جس میں اچھی اور بری چیزوں کی آمیزش ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ اس عالم میں بھی کچھ جنتی خطے ہوں اور کچھ دوزخی خطے ، کچھ حقیقت ہو اور کچھ دھوکا ، کچھ تخریب کچھ فلاح ۔ لیکن بہر حال خیر و شر کی اس آمیزش کے باوجود وہ ایک وسیع تر عالم ہوگا ۔ اس عالم کے متعلق بھی ہمیں وہی رویہ اختیار کرنا چاہئے جو اپنی اس دنیا میں برتتے ہیں کہ اغراض حیات کے ماتحت انتخاب سے کام لیتے ہیں ، اچھے برے کو پرکھتے ہیں ، کسی کو بلند سمجھتے ہیں کسی کو پست ، کسی کو رد کرتے ہیں کسی کو قبول ۔ جیسے ہم یہاں غلطی کرتے ہیں ویسے ہم وہاں بھی غلطی کر سکتے ہیں لیکن حقیقت ہستی کو پوری طرح جاننے کے لئے یہ لازمی ہے کہ اس دوسرے عالم سے بھی انسان آگاہ ہو خواہ یہ آگاہی پریشان کن ہی ہو ۔

اس مضمون کو ہمیں یہیں چھوڑنا پڑیگا ۔ ہر قسم کے سری احوال میں کوئی نا قابل رد صداقت کی سند نہیں ہوتی ۔ لیکن بلند قسم کی کیفیات ایسی سمت حیات کی طرف اشارہ کرتی ہیں جس

http://www.Mypdfsite.com

کی جانب وہ عام مذہبی لوگ بھی مائل ہیں جن کو صوفیانہ احوال کا کوئی تجربہ نہیں۔ بلندئی مقصد، وسعت نظر، وحدت حیات، سلامتی، سکون و اطمینان ان سری کیفیات کا لازمہ ہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ماہیت حیات کی نسبت یہ مفروضات ہیں۔ آپ چاہیں تو ان مفروضات کو قابل اعتنا نہ سمجھیں لیکن کسی مفکر کے لئے ان کا قطعی رد بھی ممکن نہیں۔ جن فوق الفطرت مظاہر اور جس رجائیت کی طرف وہ رہنمائی کرتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ کسی نہ کسی رنگ میں ماہیت حیات کی نسبت وہ صحیح ترین بصیرت کے حامل ہوں۔

شعور کے ذرا سے اضافے سے اور عوالم کھل جاتے ہیں اور ذرا سی کمی سے کئی عوالم غائب ہو جاتے ہیں جس طرح ظاہری بصارت کا وجود اور عدم اسی عالم کو کس قدر وسیع اور کس قدر تنگ بنا سکتا ہے۔ شاید اس وسیع شعور کا امکان ہی مذہبی زندگی کا تقاضا ہو۔ اپنے آخری خطبے میں میں آپ کو یقین دلانے کی کوشش کروں گا کہ واقعہ یہی ہے۔ ابھی تک تو یہ بحث آپ کو تشنہ ہی محسوس ہوگی۔ آپ کہینگے کہ اگر فوق الفطرت عالم کا وجود ہے اور ذات الٰہی کے ساتھ اتحاد ایک حقیقت ہے تو اس کو ماننے نہ ماننے میں مرضی کا سوال نہیں ہو سکتا، انسانوں کو لازماً اس طرف آنا چاہئے۔ فلسفہ اکثر مذہبی صداقتوں کی نسبت قطعی دلائل مہیا کرنے کا مدعی رہا ہے اور مذہبی منکرین کا بھی یہ دلپسند شغل رہا ہے لیکن مذہبی فلسفہ ایک بہت وسیع مضمون ہے، میں اس کی طرف ایک طائرانہ نظر ہی ڈال سکتا ہوں۔

http://www.Mypdfsite.com

اٹھارواں خطبہ

فلسفہ

ولایت کے مضمون نے ہمارے لئے یہ سوال پیدا کردیا کہ ولی کے شعور میں خدا کے حضور کا احساس کوئی حقیقت ہے یا نہیں - ہم نے سری شعور یا تصوف سے اس کا جواب چاہا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ صوفی مذہب کی حمایت کے لئے پوری طرح آمادہ ہے لیکن صوفیا کے احوال اس قدر شخصی اور مختلف النوع ہیں کہ ان سے کوئی ہمہ گیر استناد حاصل نہیں ہوسکتا - فلسفہ اپنے نتائج فکر کے لئے کلیت کا دعوہ کرتا ہے اس لئے اب ہم اس کی طرف رجوع کرتے ہیں - کیا فلسفہ انسان کے اندر ہستئی باریتعالیٰ کے احساس پر مہر تصدیق لگا سکتا ہے ؟

میرا خیال ہے کہ سامعین میں سے اکثر اب قیاس آرائی کر رہے ہیں کہ میرا رخ کس آخری نتیجے کی طرف ہے اور میری بحث و تحقیق مجھے کس طرف لے جارہی ہے - آپ سوچتے ہوں گے کہ میں نے تصوف کے پاؤں تلے سے زمین نکال دی ہے اور غالباً اب فلسفے کے متعلق بھی یہی حرکت کروں گا - آپ کے دل میں یہ خدشہ ہوگا کہ مذہب کی نسبت میں آخر یہ کہدوں گا کہ یا تو اس کی بنا محض ایمان بالغیب ہے جو ایک مبہم سے جذبے سے پیدا ہوتا ہے یا صوفی کا واضح شعور جو غیب کے حقائق سے براہ راست آگاہ ہو جاتا ہے جس کی بہت سی مثالیں گذشتہ

http://www.Mypdfsite.com

خطبے میں بیان ہو چکی ہیں۔ صوفی کی کیفیت ایک نجی اور انفرادی کیفیت ہے جس کے بیان سے فہم اور زبان عاجز ہیں۔ ان کو فلسفیانہ نظریات و استدلال کے سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش ہمیشہ کی گئی ہے اور انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ یہ کوشش جاری رہے لیکن یہ کوشش اصل حقیقت کے مقابلے میں ایک ثانوی کوشش ہے جو صوفیانہ شعور کے مستند ہونے پر کوئی اضافہ نہیں کرسکتی ۔ متصوفانہ فلسفے اور ادبیات کا ماخذ ناقابل بیان احوال سری ہیں، ان کے اندر یقین کی جو جھلک ہے وہ عقل کی پیداوار نہیں۔ غرضیکہ اس معاملے میں ہر قال حال کا رہین منت ہے ۔ غالباً آپ سمجھتے ہیں کہ میں تعقل کے مقابلے میں تاثر کی حمایت کرنا چاہتا ہوں اور آپ کو اس طرف لانا چاہتا ہوں کہ کوئی معقول دینیات یا فلسفۂ مذہب ممکن نہیں کیونکہ مذہب کا کاروبار عقلیات سے بالکل الگ ہے ۔

مجھے اس کا اعتراف ہے کہ ایک حد تک آپ کا یہ قیاس اور خدشہ درست ہے ۔ میرا عقیدہ ہے کہ تاثر ہی مذہب کا عمیق تر ماخذ ہے ۔ دینیات اور مذہبی فلسفہ اسی تاثر کو فکر و بیان کا جامہ پہنانے کی کوششیں ہیں ۔ مذہبی تاثر کو الفاظ میں ڈھالنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا۔ اول تو تاثر کی کوئی زبان نہیں اور اگر ہے تو وہ زبان حال ہے جس کا زبان قال میں منتقل ہونا دشوار یا ناممکن ہے ۔ رومی اس حالت کے متعلق کہتا ہے :

کاشکے ہستی زبانے داشتے تا ز مستان پردہ ها برداشتے
اے خدا بنما تو جان را آں مقام کاندراں بے حرف می روید کلام

http://www.Mypdfsite.com

گرچہ تفسیر بیاں روشنگر است لیک عشق بے زباں روشن تر است]

اس معاملے میں اختصار بیان گمراہ کن ہوسکتا ہے اسلئے مفصل توضیح کے لئے مجھے کم از کم ایک گھنٹہ صرف کرنا پڑیگا۔

عقائد کے دینیاتی بیان کو میں اس لئے ثانوی کہتا ہوں کہ اگر دنیا میں مذہبی جذبے کا وجود نہ ہوتا تو کوئی فلسفیانہ دینیات بھی نہ ہوتی ۔ میرے نزدیک مذہب کے اصلی ماخذ دو ہیں: ایک انسان کا باطنی درد و کرب اور اس سے نجات کی تمنا اور دوسرا صوفیانہ سری شعور ۔ خالی عقل خنک کائنات پر غور وخوض کرکے کبھی مذہبی فلسفے پیدا نہ کرسکتی ۔ فطری مظاہر کو سمجھنے کی کوشش کا آغاز اس سے ہوتا ہے کہ انسان ہر مادی شے کو بھی اپنی طرح جاندار اور ذی روح سمجھتا اور فطری مظاہر کو اپنی زندگی پر قیاس کرتا ہے ۔ اس کے بعد ایک طویل ارتقائے فکر اس کو طبیعی سائنس تک پہنچا دیتا ہے ۔ کچھ غیر معمولی نفسی مظاہر کا مطالعہ آخر میں سائنس کا ایک جزو بن جاتا ہے جیسا کہ جدید زمانے میں سائکیکل ریسرچ میں ہو رہا ہے ۔ لیکن دینی ادعایت یا فلسفیانہ تصوریت کی پرواز فکر کے لئے خالی عقل کوئی محرک مہیا نہیں کرتی ۔ دینیاتی انداز کے فلسفیانہ افکار نے تعقل سے تجاوز کر کے جن عقائد کی تعمیر کی ہے ان کی نشاندھی اصل میں تاثر ہی نے کی تھی ۔ اس بارے میں عقل کو بھی پر پرواز تاثر ہی نے عطا کئے ہیں ۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ نشاندھی خواہ تاثر ہی نے کی ہو لیکن کیا تعقل اس سے زیادہ واضح اور بہتر انداز

http://www.Mypdfsite.com

میں اسے قابل یقین نہیں بنا سکتا ؟ محض تاثر انفرادی اور بے زبان ہوتا ہے اس لئے اپنے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تاثر اپنی نسبت راز اور معما ہونے کو تسلیم کرتا ہے اور عقلی تشریح سے انکار کرتا ہے۔ وہ اس پر رضا مند ہے کہ اس سے بے خبر لوگ اس کو متناقض اور لغو سمجھیں۔ فلسفے کا انداز اور مقصد اس کے بالکل بر عکس ہے۔ وہ راز حیات کا افشا اور معموں کا حل چاہتا ہے۔ غیر واضح اور شخصی افکار و تاثرات سے گزر کر وہ نتائج فکر میں ایسی کلیت پیدا کرنا چاہتا ہے جو تمام سوچنے والے انسانوں کے لئے مساوی طور پر قابل قبول ہو، جس کی صداقت ایک انسان دوسرے انسان پر واضح کر سکے۔ مذہب کے متعلق فلسفے کی کوشش یہ ہے کہ وہ بعض افراد کا محض ذاتی تجربہ نہ ہو کیونکہ محض انفرادی تجربات و تاثرات خلل سے بری نہیں ہوتے۔ جس طرح خارجی فطرت کی نسبت حکیمانہ علم اور صداقتیں انسانوں کے لئے عام طور پر قابل حصول اور قابل فہم نہیں اسی طرح مذہبی حقائق بھی چند افراد کا اجارہ نہ ہوں۔

عقل نوع انسان کی امتیازی خصوصیت ہے اس لئے انسان کبھی اس پر راضی نہیں ہو سکتے کہ زندگی کے کسی اہم شعبے کو عقل کی دسترس سے باہر شمار کر لیں۔ خلوت میں محادثۂ نفس کے اندر اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے بھی انسان اپنے تاثرات کو عقل کی زبان میں ڈھالتا اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ذاتی مقاصد حیات اور ذہنی و سری تجربات و احوال کو بھی سوچ بچار کے عالم میں لا کر عقلاً صحیح سمجھنا انسان کی

http://www.Mypdfsite.com

فطرت کا تقاضا ہے کیونکہ انسان عالم عقلی کا باشندہ ہے۔ ہمارے زمانے کی حکمت پسند فضا ہمیں اس پر مجبور کرتی ہے کہ ہمارے عقائد پیراھن عقلیت میں ملبوس ہوں۔ انسان کو اپنے تاثرات دوسروں تک پہنچانے کی ضرورت ہوتی ہے جس کے لئے زبان و بیان لازمی ہیں اور بیان عام و مجرد تصوراتؔ کے بغیر نا ممکن ہے۔ مذہب کو فکر و تنقید کے بغیر چارہ نہیں۔ عقائد و مفروضات کے تصادم میں عقل ہی کو حکم بننا پڑتا ہے لہٰذا عقلی تنقید یا فلسفے کی ہمیشہ ضرورت رہیگی۔ میں اس ضرورت کا کس طرح منکر ہو سکتا ہوں در آنحالیکہ ان تمام خطبات کا مقصد ہی یہی ہے کہ مذہبی تجربات کو نفوس کی خلوتوں سے نکال کر ان میں سے کچھ ایسے حقائق اخذ کئے جائیں جن پر سب سوچنے والے متفق ہو سکیں۔ یہ حکمت کی ماہیت میں داخل ہے کہ وہ جزئی نہیں بلکہ کلی ہوتی ہے۔ اس کا کام جزئیات سے کلیات کو اخذ کرنا ہے۔

مذہبی تجربات میں تو سب ہی کچھ ہوتا ہے۔ اس میں توہمات بھی ہوتے ہیں اور ہر قسم کے عقائد بھی۔ ان کے اندر فلسفیانہ دینیات بھی ہوتی ہے اور مخالفوں پر تنقید اور ان کی تردید بھی۔ یہ سب چیزیں مذہبی تجربوں میں لازماً خود بخود پیدا ہوتی ہیں۔ زمانۂ حال میں مذاہب کا بے تعصب موازنہ و مقابلہ ممکن ہو گیا ہے۔ اب ہم ان کو مختلف انواع میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ مختلف مذاہب کس طرح ایک دوسرے کی دھجیاں اڑاتے رہے ہیں یہ سب داستان اب ہمارے سامنے ہے۔ اب 'مذاہب کی سائنس' کا آغاز ہو گیا ہے۔ اگر یہ خطبات اس

http://www.Mypdfsite.com

کی تدوین میں ایک قلیل حصہ بھی لے سکیں تو میرے لئے نہایت مسرت کا باعث ہوگا۔

لیکن اس تمام ترکیب و تنقید کا مواد تو مختلف انسانوں کے مذہبی تجربات ہی مہیا کر سکتے ہیں۔ ہمارا کام تو واقعات و تجربات کا استقراء اور ان کی تاویل ہے۔ تنقید اپنی طرف سے کوئی مواد تو پیدا نہیں کر سکتی۔

مذہب کے بارے میں میں جس عقلیت کا مخالف ہوں وہ اور چیز ہے جو عقلیت محض عقل استدلالی سے مذہب تعمیر کرنا چاہتی ہے اور روحانی و نفسی حقائق کو نظر انداز کرتی ہے۔ میرے نزدیک اس کی سعی لا حاصل ہے اور اس کا دعوہ باطل ہے۔ وہ کبھی عقائدی دینیات کی صورت میں رو نما ہوتی ہے اور کبھی فلسفۂ ہستئی مطلق کی شکل میں۔ ایسی دینیات اور ایسا فلسفہ مذاہب کی سائنس نہیں کہلا سکتا۔ تمام تجربات کو نظر انداز کر کے عقلی ادلیات سے نتائج اخذ کر کے ان کو نا قابل رد صداقت سمجھ لینا ایسے انداز فکر کی خصوصیت ہے۔ خالی منطق پر مذہب کو تعمیر کرنے کی کوشش ہوا میں قلعہ بنانے والی بات ہے۔

یقینی اور مصدقہ نظامات عقائد حوصلہ مند نفوس کا نصب العین ہوتے ہیں۔ وہ ایسا نظام چاہتے ہیں جو سادہ بھی ہو اور محیط کل بھی ، بلند روشن صاف ستھرا پائدار اور سچا ہو ، محسوسات اور حوادث کے ابہام اور بد نظمی سے پریشان ارواح کو ایسا ہی استوار و واضح نظام عقائد ملجا و ماوی معلوم ہوتا ہے اسی لئے آج کل بھی دینیات دین کے معاملے میں محض امکان و ظن کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور محض

http://www.Mypdfsite.com

شخصی اور ذاتی ایمان و یقین بھی اس کو بے کار معلوم ہوتا ہے۔ متکلمین اور فلسفی دونوں یقینی علم کے مدعی ہیں جو استدلال سے پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ مثلاً پرنسپل جون کیرڈ اپنی کتاب 'تمہید فلسفۂ مذہب' میں لکھتا ہے:

"مذہب کا تعلق دل سے ضرور ہے مگر حق و باطل میں تمیز کرنے کے لئے اور اس کو شخصی تلون کی سطح سے بلند کرنے کے لئے یہ لازمی ہے کہ اس کو ایسے معیار پر پرکھا جائے جو سب کے لئے مستند ہو سکے۔ یہ ضروری ہے کہ دل جو کچھ محسوس کرے عقل بھی اس کو درست سمجھے۔ عقل کو حق حاصل ہے کہ وہ تاثر پر حکومت کرے۔ کوئی اصول ایسا ہونا چاہئے جس کی کسوٹی پر تاثر کو پرکھ سکیں۔ افراد یا اقوام کی مذہبی حیثیت کا اندازہ کرنے کے لئے پہلا سوال یہ نہیں ہونا چاہئے کہ ان کے مذہبی جذبات کس قسم کے ہیں بلکہ ان کے فکر و ایمان کی حالت کیا ہے اور خدا کی ذات و صفات کی نسبت ان کے تصورات کیا ہیں اور کس قسم کی روحانی باتیں ہیں جو ان کے اندر جذبات آفرین ہوتی ہیں؟ تاثر مذہب کے لئے ضروری ہے لیکن کسی مذہب کی قدر و قیمت کا اندازہ محض تاثر سے نہیں کر سکتے، یہ دیکھنا پڑے گا کہ اس کے عقائد میں معقولیت کتنی ہے۔"

کارڈینل نیومین اپنی تصنیف "ایک یونیورسٹی کے تصور" میں مذہب کے معاملے میں محض جذبے کے متعلق شدت سے مخالفت کا اظہار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دینیات کو صحیح معنوں میں ایک سائنس ہونا چاہئے۔ دینیات فطرت کے اندر ہستیٔ باریتعالیٰ کی شہادت

http://www.Mypdfsite.com

کی تلاش نہیں ھے جسے فطری مذھب کہتے ھیں، وہ اس کے نزدیک مبہم ذاتی تاویلات کا مجموعہ ھے۔ خدا کو حیات و کائنات کے مظاھر کے اندر تلاش کرنے کی کوشش کوئی معقول علم دین پیدا نہیں کرسکتی۔ اگر خدا کی عظمت اور اس کی حکمت بس اتنی ھے جتنی کہ دوربین یا خوردبین سے نظر آسکتی ھے، اگر اس کا اخلاق قانون حیوانی زندگی سے اخذ ھوسکتا ھے، اگر اس کا جوھر ذات فقط اتنا ھی بلند، عمیق اور وسیع ھے جتنی کہ یہ محسوس کائنات، تو میں اس کا اعتراف کرتا ھوں کہ خدا کی نسبت کوئی مخصوص سائنس نہیں ھوسکتی۔ دینیات محض نام ھی نام ھے اور اس کی حمایت ریاکاری ھے۔ فطرت کا مشاھدہ و تجربہ یا مجرد افکار کو دیکھتے ھوئے خدا کا خیال دل میں سے گزرنا پاکیزہ خیالی کہلا سکتی ھے لیکن یہ محض ایک شاعرانہ تاثر ھے جس سے آرائش بیان پیدا ھوتی ھے یا فطرت کے متعلق ایک زاویۂ نگاہ ھے جو ایک شخص میں پایا جاتا ھے اور دوسرے میں نہیں، جسے نابغہ نفوس دلکش انداز میں پیش کرتے ھیں اور دوسروں کے لئے بھی یہ احساس خوب ھے مگر اسے آپ مذھب کی دینیات نہیں کہہ سکتے، یہ فطرت کی دینیات ھے۔ اس کی حیثیت ایسی ھی ھے جیسے کہ تاریخ کا فلسفہ یا اس کی رومانیت یا بچپن کی شاعری یا مصوریت یا جذباتیت یا ظرافت یا کوئی اور مجرد صفت جو کسی فرد کی طبع زاد ھو یا فیشن کی پیداوار یا جسے عام طور پر دنیا نے پسند کر لیا ھے۔ اس قسم کی چیزیں دلکش ھونے کے باوجود علم نہیں کہلا سکتیں۔ خدا کے متعلق اس قسم کے مبہم تصورات و

http://www.Mypdfsite.com

تاثرات نہیں بلکہ مدلل علم ہونا چاہئے - یہ کہنا کہ خدا کی نسبت کوئی واضح علم نہیں ہو سکتا میں اسے انکار خدا کے مترادف سمجھتا ہوں -"

اس کے بعد نیو مین کہتا ہے کہ دینیات کو اسی طرح ایک سائنس ہونا چاہئے جس طرح علم ہیئیت اور علم طبقات الارض ایک سائنس ہیں - خدا کی نسبت بھی ہمارے معلومات اسی طرح منظم و مرتب ہونے چاہئیں - دینیات نہ شاعری کے انداز کی چیز ہے اور نہ وہ ظنی علم ہے -

پرنسپل کیرڈ اور کارڈنیل نیومین دونو کے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ مذہب کی بنا ایک فرد کا تاثر نہیں - اس جزئیت کے مقابلے میں وہ عقل کی کلیت کو پیش کرتے ہیں جس کی صحت عام اور مسلم ہو سکتی ہے - ان کے نزدیک یہ معیار عقلی نہایت سادہ و صریح ہے - عقل خالص کی بنا پر جو دینیات تعمیر کی جائے اسے سب انسانوں کے لئے قابل قبول ہونا چاہئے - اگر دینیات یہ نہ کر سکے تو وہ تاثر سے کس طرح برتر ہو سکتی ہے - اگر عقل خالص بھی سوچنے والے انسانوں کو مذاہب اور فرقوں میں بانٹ دے جس طرح تاثر یا تصوف کی بنا پر فرقے بن جاتے ہیں تو ذاتی تلون سے نجات کیسے حاصل ہو ؟

محض عقلیات کی بنا پر مذہب کی تعمیر کا یہ دعوہ میرے نزدیک باطل ہے - میں مذہب کی نسبت فلسفیانہ دلائل پر مخالفانہ تنقید کرنا نہیں چاہتا لیکن تمام تاریخ فلسفہ اس کی شاہد ہے کہ عقلیت کا یہ دعوہ غلط ہے کہ وہ ایسی ناقابل رد صداقتوں تک پہنچ سکتی ہے جو سب کے لئے

http://www.Mypdfsite.com

مساوی طور پر قابل یقین ہوں اور جن میں فلسفی کے طبعی رجحان اور تعصب کو دخل نہ ہو۔ کیا فلسفہ کبھی اختلاف رائے کو رفع کرسکا ہے ؟ جس طرح جذبات نے مذاہب اور فرقے بنا رکھے ہیں اسی طرح فلسفے میں بھی موجود ہیں ۔ اس لحاظ سے عقلیت جذبات پر فضیلت کا کیا دعوہ کرسکتی ہے ؟ دینی عقائد کی نسبت استدلال کرتے ہوئے ان کا جواز تلاش کرنے کی کوشش میں انسان وہی کچھ کرتے ہیں جو شخصی محبت یا حب وطن یا سیاست میں کرتے چلے آئے ہیں۔ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ اکثر زندگی کے اہم شعبوں کی نسبت انسانوں کے فکر و عمل کی اساس تاثری اور جذباتی ہوتی ہے۔ جب جذبہ یقین آفرینی کر چکتا ہے اور اس کی بنیاد پر عقیدہ معین ہو چکتا ہے تو اس کے جواز کے لئے دلائل تعمیر کئے جاتے ہیں ۔ فلسفۂ دین مرتب کرنے والا بھی اس خود-فریبی میں مبتلا ہوتا ہے کہ میں نے یہ عقائد عقل خالص کی بنا پر ذاتی تعصبات و رجحانات سے الگ ہو کر قبول کئے ہیں حالانکہ کوئی جذبہ ہی عقل کو اس کام پر لگا دیتا ہے کہ اس کے جواز کے لئے منطقی حیلے تراشے ۔ عقلی دلائل پہلے سے قائم شدہ عقیدے میں کچھ مزید تعین اور وسعت پیدا کرتے ہیں۔ استدلال اس کو باوقار اور دوسروں کے لئے قابل یقین بنانے کی کوشش کرتا ہے لیکن خود عقیدہ آفریدۂ عقل نہیں ہوتا اس لئے محض منطق اس کو استوار نہیں کرسکتی۔

آئیے ذرا قدیم دینیات کا جائزہ لیں ۔ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک دونوں فرقوں نے اپنی اپنی دینیات مرتب کر رکھی ہے خصوصاً

http://www.Mypdfsite.com

پاپائے روم لیو کے اس فرمان کے بعد کہ فلسفۂ دین کے لئے سینٹ طامس کا مطالعہ کیا جائے ۔ ہم ابتدا میں ان دلائل پر نظر ڈالتے ہیں جو ادعائی دینیات خدا کی ہستی کے ثبوت میں لاتی ہے ۔ اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ خدا کی ماہیت ذات کی نسبت اس کے کیا دلائل ہیں۔

خدا کی ہستی کے ثبوت میں دلائل صدیوں سے چلے آرہے ہیں مگر منکرانہ تنقید کی لہریں بھی اس حصار کی دیوار سے ہمیشہ سے ٹکرا رہی ہیں ۔ یہ تنقید مومنوں کے ایمان کو زائل تو نہیں کر سکی لیکن دیوار حصار کا چونا گارا بہت کچھ بہ گیا ہے اور دیوار کی چنائی میں پہلے کی سی مضبوطی باقی نہیں ۔ اگر آپ پہلے سے خدا کے قائل ہوں تو یہ دلائل آپ کے ایمان کو استوار کر دیتے ہیں لیکن اگر آپ خدا کے منکر ہوں تو یہ دلائل آپ کے دل میں یقین پیدا نہیں کرسکتے ۔ پہلی دلیل وہ ہے جسے اصطلاحاً دلیل کونی کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ کائنات کا ہر مظہر اور کائنات حادث ہے ، اس کے اندر کوئی چیز قائم بالذات نہیں ، ہر علت کسی اور علت کا معلول ہے ۔ یہ سلسلہ لامتناہی نہیں ہو سکتا اس لئے کسی ایک علت اولیٰ کا ہونا لازمی ہے جس کے اندر وہ تمام قوتیں اور خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہوں جو کائنات میں پائی جاتی ہیں ۔ دوسری دلیل 'دلیل نظم' ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ قوانین فطرت میں حیرت انگیز ریاضیاتی باقاعدگی پائی جاتی ہے ، اس کے مختلف اعضا و اعمال میں مقصد پرور ہم آہنگی ہے لہذا کوئی ناظم ہستی موجود ہے جو عاقل بھی ہے اور رحمان و رحیم بھی ۔ تیسری دلیل

http://www.Mypdfsite.com

اخلاق ہے کہ قانون اخلاق سے یہ لازم آتا ہے کہ ایک ہستی اس قانون کی وضع کرنے والی ہو۔ چوتھی دلیل یہ ہے کہ اجماع عام سے خدا کی ہستی ثابت ہوتی ہے چونکہ نوع انسان کی کثیر تعداد اس کی قائل ہے۔ انسان کی عقلی فطرت اس یقین کی اساس ہے اور اس لئے اس کا مستند ہونا لازمی امر ہے۔

میں ان دلائل کے متعلق کوئی فلسفیانہ بحث کرنا نہیں چاہتا لیکن یہ واقعہ ہے کہ کانٹ سے لیکر اب تک تمام آئڈیالسٹ فلسفی ان کو لاحاصل سمجھ کر قابل اعتنا نہیں سمجھتے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ ان دلائل سے مذہب کی بنیادیں عقلی طور پر استوار نہیں ہو سکتیں۔ عقلی دلائل اگر واقعی مظبوط ہوں تو عام سوچنے والوں کے لئے یقین آور ہونے چاہئیں۔ مگر فلاسفہ کے نزدیک یہ دلائل بودے ہیں۔ علت و معلول کا قانون خود ایک مبہم چیز ہے اس لئے اس ابہام پر کوئی دینی فلسفہ دینیات کا قصر فلک بوس تعمیر نہیں کرسکتا۔ حیات کائنات کے نظم و نسق اور عاقلانہ و رحیمانہ ڈیزائن کی دلیل کو ڈارون کے نظریۂ ارتقا، پیکار حیات اور بقائے اصلح نے بالکل الٹ دیا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو حسن و جمال اور ہم آہنگی زندگی میں نظر آتی ہے وہ لامتناہی تباہی کا بقیۃ السیف ہے۔ اس قسم کی زندگی اور کائنات کا خالق وہ خدائے علیم و رحیم تو نہیں ہو سکتا جس کی ہستی کے ثبوت میں قدیم دینیات یقین واثق کے ساتھ دلائل مہیا کرتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعات مجموعی طور پر ایک گمان غالب پیدا کرتے ہیں اور جذبہ اس کے ساتھ شامل

http://www.Mypdfsite.com

ھوتا ھے ۔ یہ دلائل اس کا نتیجہ ھوتے ھیں لیکن پختہ طور پر کچھ ثابت نہیں کر سکتے ، فقط ھمارے تعصبات و رجحانات کی تائید کر دیتے ھیں ۔

ان خطبات کے سپرد قلم کر دینے کے بعد فیلڈنگ کی کتاب میرے ھاتھ لگی ھے جس میں وہ کہتا ھے کہ معین عقائد مذھب کی گرامر ھیں الفاظ میں مرتب عقائد سے مذھب پیدا نہیں ھوا بلکہ فطرتاً مذھب کے وجود میں آنے کے بعد وہ ظہور میں آئے ھیں ۔ جس طرح زبان کے الفاظ انسان کی ضرورتوں نے پیدا کئے ھیں اور صرف و نحو کو انسان نے بعد میں مرتب کی ھے اسی طرح مذھبی جذبہ یا میلان منظم عقائد پر مقدم ھے ۔ جیسے جیسے انسان کی زندگی میں وسعت اور گہرائی بڑھتی ھے ویسے ویسے زبان میں کچھ ثروت کچھ لطافت کچھ پیچیدگی پیدا ھوتی ھے اور وسعت زبان کے ساتھ اس کی گرامر بھی بدلتی ھے ۔ مذھبی جذبہ اور عقائد کی دینیات کا بھی یہی حال ھے ۔ فیلڈنگ کی تمام کتاب اسی نظریہ کی تائید میں لکھی گئی ھے ۔

خدا کی ھستی کے ثبوت میں حیات و کائنات میں حسن نظم دینداروں کو ایک قوی دلیل معلوم ھوتا ھے لیکن در حقیقت اس کی بنیادیں نہایت کمزور ھیں ۔ ھستی میں کہیں نظم نظر آتا ھے اور کہیں بد نظمی ، کہیں تعمیر ھے کہیں تخریب ۔ اگر تعمیر کو خدا کی طرف منسوب کریں تو تخریب کا ذمہ دار کس کو ٹھہرائیں ؟ تخریب اور تباھی کی نسبت بھی یہ کہہ سکتے ھیں کہ تمام کائنات اور اس کے قوانین اور تمام گذشتہ تاریخ اٹل قوانین کے ماتحت کوئی تباھی پیدا کرتے ھیں ، لزبن کے

http://www.Mypdfsite.com

خوفناک بھونچال میں تعمیریں کھنڈر ہوگئیں۔ بے شمار بے گناہ انسان ہلاک ہوگئے، ہزاروں خاندان تباہ ہوگئے۔ کیا اس کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ جو کچھ ہوا وہ خدا کے مقرر کردہ علت و معلول کے قوانین کا لازمی نتیجہ تھا اور ایک الٰہی تجویز کے مطابق تھا؟ اگر الٰہی تجویزیں شر بھی پیدا کرتی ہیں اور خیر بھی تو محض خیر کو خدا کی طرف کیوں منسوب کیا جائے؟ شر کا بھی تو وہی خالق ہے جو اس کے اٹل قوانین کے مطابق لازماً واقع ہوتا ہے۔ خدا کو اس الزام سے بچانے کے لئے بعض دینی فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ فطرت کے تباہ کن اعمال کا خدا ذمہ دار نہیں، فطرت کی قوتیں اندھا دھند کام کرتی ہیں اور جو بد نظمی ہمیں دکھائی دیتی ہے وہ خدا کی مرضی سے نہیں۔ بچاؤ کی یہ ترکیب کس کے لئے تسلی بخش ہو سکتی ہے؟ اور اس بات کو بھی جدید حیاتیات نے غلط ثابت کر دیا ہے کہ فطرت حیات کے اندر تباہی ہی تباہی ہے۔

دینیاتی تعصب کو برطرف کر کے اگر دیکھا جائے تو صاف طور پر یہ دکھائی دیتا ہے کہ نظم اور بد نظمی انسانوں کے اپنے زاویۂ نگاہ کا نتیجہ ہیں۔ جو حوادث و حالات طبیعی ہوں یا اخلاقی ہمیں اپنے مقصد کے لئے مفید معلوم ہوتے ہیں، ان میں ہم کو خوبی اور ہم آہنگی نظر آتی ہے اور جو کچھ ہمارے مقاصد کے خلاف پڑے ہم اس کو بد نظمی یا شر سمجھ لیتے ہیں اور مفید مقصد پہلو ہمارے ذہن میں ثبت ہو جاتے ہیں۔ حیات و کائنات میں تو سب کچھ ملا جلا پایا جاتا ہے لیکن ہماری چشم انتخاب بعض پہلوؤں کو چن کر باقی پہلوؤں

http://www.Mypdfsite.com

کو قابل اعتنا نہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتی ہے۔ کائنات کی گڑ بڑ میں ہمارے مقاصد صرف مفید مطلب نظم کا ادراک کرتے ہیں اور اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ ذہن پر نقش ہی نہیں ہوتا۔ اگر میں سامنے اپنی میز پر مٹر کے ہزار دانے پھیلا دوں تو جو نقشہ میں چاہوں بنا سکتا ہوں، مربع یا مثلث یا مستطیل جو بنانا چاہوں وہ بعض دانوں کو قائم رکھ کر اور بعض کو الگ سرکا دینے سے بن سکتا ہے۔ دانے تو سب ایک جیسے ہی تھے مگر جن کو میں نے الگ کر دیا وہ میرے مطلب کے لئے بیکار تھے۔ اگر کوئی کہے کہ یہی نقشہ اصلی تھا جو منتخب دانوں کی فطرت میں مضمر تھا تو یہ غلط بات ہوگی۔ فطرت کے ساتھ بھی ہمارا معاملہ اسی قسم کا ہے۔ یہاں بھی ہر قسم کا مواد بکھرا ہوا ہے۔ ہماری نظر اس میں سے کئی نقشے بنا سکتی ہے۔ جو کچھ ہمارے نقشے کے اندر ہمارے عملی اغراض سے آ جائے اس کے لئے ہم نام بھی تجویز کرتے ہیں اور وہ ذہن نشین بھی ہو جاتا ہے باقی جو کچھ ہے اس کا نہ کچھ نام نہ کوئی کام۔ کائنات کی کثرت میں متوافق روابط کم ہیں اور غیر متوافق زیادہ لیکن ہماری نظر باقاعدگی پر جمتی ہے۔ بے قاعدگی جو دنیا میں بے شمار ہے اس کو ہم نظر انداز کر دیتے ہیں یہاں تک کہ ہمارے اذہان میں ان کا وجود تک نہیں رہتا۔ آئین و قوانین اور ہم آہنگی کے نقشے ذہن میں جمع ہو کر علوم و فنون کی قاموسیں تیار کر دیتے ہیں اور اس منتخب شدہ نظم کے گردا گرد جو لا متناہی بے نام بے صورت ہیولے ہے اس کی طرف کبھی ہماری توجہ

http://www.Mypdfsite.com

منعطف نہیں ہوتی۔

لہٰذا فطرت کے اندر جس نظم و نسق اور اجزاء کے باہمی توافق سے خدا کی ہستی کا ثبوت مہیا کیا جاتا ہے وہ تو انسانوں کی اعتباری اور اختیاری چیز ہے۔ اگر واقعہ یہی ہے کہ دنیا میں جو نظم و نسق اور خیر و خوبی نظر آتی ہے وہ ہمارے اغراض کے پیدا کردہ زاویۂ نگاہ کی بدولت ہے تو اس سے خدا کی ہستی کا انکار اگرچہ لازم نہیں آتا لیکن یہ اس کی ہستی کے ثبوت کے لئے کوئی برہان قاطع بھی نہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص پہلے سے خدا کا قائل ہو تو اس کے ایمان کو تقویت حاصل ہو سکتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ذات الٰہی کا وجود فلسفیانہ دلائل سے ثابت نہیں ہوتا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ صفات الٰہی کو ثابت کرنے کے لئے فلسفیانہ دینیات نے کس قسم کی کوشش کی ہے۔ اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ''چونکہ خدا علت اولیٰ ہے اس لئے اس کی ہستی کا انداز تمام مخلوقات کے وجود سے الگ قسم کا ہوتا ہے۔ خدا قائم بالذات ہے۔ اس صفت سے اس کے دیگر اوصاف کمال بطور ایک منطقی نتیجہ کے حاصل ہوتے ہیں۔ اس کی ہستی واجب الوجود بھی ہے اور مطلق بھی۔ اس کا نہ ہونا قطعاً ناممکن ہے اور کوئی دوسری ہستی اس کو متعین نہیں کر سکتی۔ اس کی ہستی کے لئے کوئی چیز موثر فی الوجود نہیں ہو سکتی۔ وہ خارج میں بھی لا محدود ہے اور باطن میں بھی لا محدود۔ تجدید عدم کے مرادف ہے اور ہستئی مطلق کے اندر عدم نہیں ہو سکتا۔ یہ لا محدودیت خدا کے ہر کمال کو لا محدود بنا دیتی ہے۔ خدا واحد اور

http://www.Mypdfsite.com

لا شریک ہے کیونکہ لامتناہی صاحب کمال ہستی ایک ہی ہو سکتی ہے - اس کی ہستی روحانی ہے کیونکہ اگر وہ جسمانی ہو تو وہ اجزا و اعضا پر مشتمل ہو اور ان کو متحد اور ہم آہنگ کرنے کے لئے کوئی اور قوت چاہئے اور یہ اس کے قائم بالذات ہونے کے منافی ہوگا ، لہذا وہ اپنی ماہیت میں غیر مادی اور بسیط ہے - مخلوق اشیاء میں ان کے صفات ان کی ذات سے الگ ہو سکتے کیونکہ ایک ہی صفت مختلف اشیاء میں پائی جا سکتی ہے - اس طرح اشیا کی ذات الگ الگ اور صفات مشترک ہو سکتے ہیں لیکن خدا کی ذات کو اس کے صفات سے الگ نہیں کرسکتے - مخلوق و محدود اشیا میں جو امتیازات پائے جاتے وہ خدا میں نہیں ہو سکتے مثلاً بالقوی اور بالفعل ہونے کا فرق ، جوہر اور اعراض کا فرق ، ہستی اور فعلیت کا فرق - خدا کی وحدت میں صفات کی کثرت نہیں ہو سکتی - ہم خدا کی قوتوں اور اس کی صفتوں کا ذکر کرتے ہیں مگر یہ ہمارا طرز بیان ہے - خدا کے اندر نہ صفات کی کثرت ہے اور نہ امتیازات -

اگر خدا میں بالقوی اور بالفعل ہونے کا فرق موجود ہوتا تو اس سے تغیر لازم آتا کیونکہ قوت سے فعل میں آنا ایک تغیر ہے - خدا کی ہستی میں سب کچھ بالفعل موجود ہے - قوت سے فعل میں آنے سے کمی یا زیادتی ہو سکتی ہے لیکن خدا کی ہستئی کامل میں نہ کمی ہو سکتی ہے اور نہ اضافہ - لہذا خدا کی ہستی ناتغیر پذیر ہے - وہ لا محدود ہے ، اگر فضا میں محدود ہوتا تو اس کا مرکب ہونا لازمی تھا اور اس محدودیت سے وہ ناقابل تقسیم نہ رہتا - وہ فضا کے ہر نقطے پر غیر منقسم حیثیت میں

http://www.Mypdfsite.com

ہر جگہ پوری طرح موجود ہے - جس طرح وہ مکان کے ہر نقطے پر پوری طرح موجود ہے اسی طرح وہ زمان کے ہر لمحے میں پوری طرح موجود ہے ، جس کے یہ معنی ہیں کہ اس کی ذات ازلی و ابدی ہے - اگر زمان کے اندر اس کی ہستی کا آغاز ہوتا تو اس سے قبل کوئی علت ہوتی - اسی طرح زمانے کے اندر اس کی ہستی کا اختتام بھی ناممکن ہے کیونکہ وہ واجب الوجود ہے - اس کے صفات اور اعمال میں یکے بعد دیگرے آنے کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ اس کے غیر متغیر ہونے کے منافی ہوگا -

چونکہ ہم میں عقل اور ارادہ ہے اس لئے خدا میں بھی اس کا درجۂ کمال ہونا لازمی ہے لیکن اس کے اندر عقل اور ارادے کا عمل زمانے کے تواتر کے ساتھ وابستہ نہیں ، ان کی حیثیت سرمدی اور مطلق ہے - خدا کی عقل کا موضوع یا اس کے ارادے کا موضوع کوئی غیر از خدا وجود نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر ماسوا اس کا موضوع ہو تو اس سے خدا محدود ہو جائے گا - وہ خود ہی اپنی عقل اور اپنے ارادے کا موضوع ہے - خدا کو جو اپنا علم ہے وہ ایک سرمدی اور ناقابل تقسیم فعل ہے - اپنی محبت کا معروض بھی وہ آپ ہی ہے - وہ اس طرح آزاد بھی نہیں جس طرح محدود اور باہم ہستیاں ایک دوسرے کے عمل سے آزاد ہو سکتی ہیں - اس کو اپنی فطرت کے اندر آزادی کی ضرورت نہیں ہو سکتی البتہ مخلوقات کے رو برو وہ آزاد ہے - اسے کسی چیز کو پیدا کرنے کی حاجت نہیں کیونکہ حاجت کا وجود اس میں نہیں ہو سکتا - وہ جو کچھ پیدا کرتا ہے کسی

http://www.Mypdfsite.com

مجبوری یا حاجت کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی .طلق آزادی سے پیدا کرتا ھے ۔

چونکہ اس میں عقل اور ارادہ اور آزادی ھے اس لئے اس میں زندہ شخصیت ھے ۔ وہ اپنی فعلیت کا موضوع بھی ھے اور معروض بھی ۔ وہ مکتفی بالذات ھے، اس کا علم ذات اور محبت ذات لا محدود ھیں جنہیں اپنی تکمیل کے لئے خارجی اسباب کی ضرورت نہیں ۔

وہ عالم مطلق بھی ھے کیونکہ خود علت العلل ھونے کی وجہ سے کوئی مخلوق چیز اس کے احاطۂ علم سے خارج نہیں ھو سکتی ۔ ماضی ، حال اور مستقبل کی تقسیم اس کے ھاں نہیں ۔ ھر ھونے والی بات اس کو ازل ھی سے معلوم ھے ۔ خدا کے زمان حال میں تمام زمانے داخل ھیں ۔ ھمارے اختیاری اعمال بھی اس کو ھمیشہ سے معلوم ھیں کیونکہ اگر وہ ھمارے اختیار کردہ عمل کے بعد اس کو جانتا تو یہ اس کے علم میں اضافہ ھوتا لیکن اس کے ھاں نہ اضافہ ممکن ھے اور نہ تغیر۔ وہ ھر بات پر قادر ھے بشرطیکہ اس میں منطقی تضاد نہ ھو ۔ اس میں قوت تکوین ھے ۔ وہ اشیا و اشخاص کو خلق کرسکتا ھے لیکن مخلوق محدود میں خدا کا جوھر نہیں ھو سکتا کیونکہ خدا کا جوھر لامحدود ھے۔ لیکن موجودات کا غیر الٰہی جوھر یعنی مادہ ازل سے موجود نہ تھا جس کو خدا نے محض حرکت و صورت بخشی ھے ۔ خدا کے سوا کوئی علت اولی نہیں ھو سکتی ۔ خدا چیزوں کو عدم سے وجود میں لاتا ھے ، اشیاء کو وہ جو صورتیں عطا کرتا ھے اس کی ازلی مثالیں ازل سے خدا کے علم میں تھیں ۔ ھمارے لئے

http://www.Mypdfsite.com

تو ان تصورات میں کثرت پائی جاتی ہے لیکن خدا کے ہاں وہ وحدت ہی کے مختلف پہلو ہیں۔

خدا قدوس، عادل اور خیر مطلق ہے۔ اس سے کوئی شر سرزد نہیں ہو سکتا کیونکہ شر ایک سلبی چیز ہے اور خدا کاملاً ایجابی ہستی ہے۔ یہ درست ہے کہ اس نے کہیں کہیں طبعی شر پیدا کیا ہے لیکن یہ شر کسی وسیع تر خیر کا لازمی نتیجہ بھی ہونا ہے۔ اخلاقی شر اس کے ارادے سے سرزد نہیں ہو سکتا نہ بحیثیت ذریعہ اور نہ بحثیت مقصود۔ اس قسم کے شر کا خالق ہونا اس کی قدوسیت کے منافی ہے۔ صاحب اختیار ہستیاں بنا کر وہ ان کو اعمالِ شر کی اجازت دیتا ہے کیونکہ اختیار کو عطا کرنے کے بعد بدی سے جبراً روکنا اور نیکی پر مجبور کرنا عدل، اور خیر کے خلاف ہوگا۔

تکوین کا مقصد خدا کی عظمت کو دوسروں پر آشکار کرنا ہے۔ خدا نے مخلوق کو مطلق آزادی کے ساتھ خلق کیا، اس کو کسی نے تکوین پر مجبور نہیں کیا۔ لیکن دوسروں پر اس کی عظمت اسی حالت میں آشکار ہو سکتی ہے اگر وہ عاقل ہوں، ان میں حصول علم اور محبت کی صلاحیت اور عزت نفس کا احساس ہو، مسرت و سعادت کی طلب ہو کیونکہ خدا کا عرفان اور خدا کی محبت ہی سعادت کا سرچشمہ ہے۔ اس لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ عظمت کی تجلی کے علاوہ محبت باعث تکوین ہے۔

اب میں اس کے بعد خدا کی تثلیث کے اسرار و رموز کے متعلق دینیاتی فلسفہ آپ کے سامنے پیش نہیں کرتا۔ مندرجہ صدر

http://www.Mypdfsite.com

اقتباسات کیتھولیکوں اور پروٹسٹنٹوں کی الہیات کا نمونہ ہیں۔ نیومین کے دل میں خدا کے اوصاف کمال کی نسبت قلب کو گرمانے والا جذبہ ہے جس نے اس کے بیان میں دلکش فصاحت و بلاغت پیدا کر دی ہے۔ وہ بڑی خوش آہنگی سے خدا کے صفات کو شمار کرتا ہے اور اس کی ثناء میں رطب اللسان ہوتا ہے کہ خدا ارض و سما، دنیا و مافیہا میں ہر شے کا مالک ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کے ارادے اور اس کی اجازت سے ہوتا ہے۔ نیومین کا علم کلام خشک نہیں بلکہ جذبہ آمیز ہے۔ فلسفے کے اندر کچھ سوز بھی ہو تو اس کو قابل فہم بنا دیتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عقائدی اور ادعائی دینیاتی فلسفہ بھی نیومین کی طبیعت والے لوگوں کو جذباتی انداز میں با قیمت معلوم ہوتا ہے۔ عقلی حیثیت سے اس کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے سے قبل میں تمہید کے طور پر کچھ کہنا ضروری سمجھتا ہوں جو اس اندازے میں معاون ہوگا۔

انجیل میں ہے کہ جن کو خدا نے جوڑا ہے انسان کو نہیں چاہئے کہ ان کو توڑے۔ فطرت نے انسان کے فکر اور عمل کو باہم وابستہ کیا ہے۔ میرے نزدیک انگریز اور اسکاچ مفکرین کی قابل تعریف امتیازی خصوصیت یہی ہے کہ انہوں نے فکر کو اس کے عملی نتائج کے ساتھ ملا کر جانچا ہے۔ ان کا اصول ہدایت یہ ہے کہ نظریات و افکار کے مابین حقیقی فرق صرف وہیں ہوتا ہے جہاں ان کے مطابق نتائج اعمال میں فرق پیدا ہو۔ دیکھنا صرف یہی ضروری ہے کہ اگر کسی ایک خیال کو درست مانیں تو عملاً اس سے کیا نتائج سرزد ہوتے ہیں اور اگر

http://www.Mypdfsite.com

اس کے مخالف دوسرے خیال کو صحیح سمجھیں تو عملاً کیا نتیجہ نکلیگا ، بالفاظ دیگر انسانی تجربے میں کسی خیال کی نقد قیمت کیا ہے ؟ مثلاً لوگ جب اس میں بحث کرتا ہے کہ کسی انسان کے نفس کی وحدت کے کیا معنی ہیں جو تمام عمر تغیر احوال نفسی کے باوجود مسلسل و قائم معلوم ہوتی ہے تو وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ بر بنائے تجربہ یہ غیر متبدل عینیت اور وحدت اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک شخص کی لاتعداد یادوں کی کڑیاں ایک زنجیر یا سلسلہ بناتی ہیں اور یادوں کا بے شکست تسلسل یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ میں آج بھی وہی ہوں جو آغاز زندگی سے تھا۔ نفسی تجربے میں وحدت نفس کی اور کوئی شہادت یا علامت نہیں ہے۔ اس کے بعد یہ بحثیں لاحاصل ہیں کہ جوہر روح میں وحدت ہے یا کثرت۔ اس بارے میں وحدت یا کثرت کے ماننے یا نہ ماننے سے عملاً کچھ فرق پیدا نہیں ہوتا ، لہٰذا یہ بحث ہی فضول ہے۔ بارکلے نے بھی مادے کی حیثیت پر عملاً غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ہمارے لئے مادہ فقط جسمانی محسوسات پر مشتمل ہے۔ ان کے علاوہ مادہ فی نفسہ کیا ہے اور کیا نہیں اور اس مفروضہ محل محسوسات کا محسوسات سے کیا واسطہ ہے سب بے کار بحث ہے۔ مادے کی نسبت اور کچھ کہنا الفاظ بے معنی کے سوا کچھ نہیں۔ ہیوم نے قانون علت و معلول کا جائزہ لیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم عادتاً بعض مظاہر کا ایک دوسرے سے آگے پیچھے آنا مسلسل دیکھتے رہے ہیں اور ہم اس تقدم و تاخر کی توقع رکھتے ہیں۔ باقی یہ خیال کہ علت و معلول

http://www.Mypdfsite.com

میں کوئی لزوم کا رابطہ ہے اور الف کے اندر کوئی قوت ہے جو لازماً ب کو پیدا کریگی یا معلول کو علت کے مساوی ہونا چاہئے ، یہ سب غیر ضروری من گھڑت اڑکل پچو ہیں کیونکہ ان قیاسات سے عملاً کوئی فرق نہیں پڑتا ، ان کو ماننا نہ ماننا برابر ہے ۔ علت و معلول کی ایسی لاطائل بحثوں کی کتابوں کو آپ نذر آتش کرسکتے ہیں ۔ ہیوم ، اسٹوارٹ ، برون ، جیمزمل ، جون مل ، اور پروفیسر بین ، سب نے یہ اسلوب فکر اختیار کیا ہے اور شیڈورتھ ہوجسن نے اس اصول کو پوری وضاحت کے ساتھ اپنایا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلوب تنقید کا بانی کانٹ نہیں بلکہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے فلسفے کو سنجیدہ انسانوں کے لئے قابل غور بنایا ہے ۔ ایسے مفروضات اور نظریات پر کون شخص سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی زحمت اٹھانا چاہے گا جن کو اس طرح یا اس طرح ماننے سے عملاً کوئی فرق پیدا نہ ہو ؟ اگر تمام متبادل اور متخالف قضایا سب کے سب ایسے ہوں کہ ان سب سے کسی کا درست یا غلط ہونا عمل پر اثر انداز نہ ہو تو ان پر غور کرنا تضیع اوقات ہے ۔

شاندار اپج کے مالک ایک امریکی فلسفی چارلس سانڈرس پرس (Peirce) نے اس اصول کو اس کے اطلاقات سے الگ کرکے بڑی وضاحت سے پیش کیا ہے اور میرے نزدیک اس نے فلسفے کی قابل قدر خدمت کی ہے ۔ اس کے لئے اس نے پریگمٹزم کی یونانی اصطلاح وضع کی ہے جس کے معنی عملیت ہیں ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نظریہ اور ہر فکر کو عملی نتائج کی کسوٹی پر پرکھا جائے ۔ کسی خیال کی صداقت کا بس یہی معیار ہے کہ انسانی تجربے میں

http://www.Mypdfsite.com

اس سے مفید نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر صداقت افادیت ہے ۔ جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح کسی خیال کی صداقت کو اس کے عملی ثمر سے جانچنا چاہئے۔ وہ کہتا ہے کہ فکر ایک حرکت ہے اور اس حرکت کا محرک حصول یقین ہے جسے آپ فکر کی سکونی حالت کہہ سکتے ہیں۔ جب فکر سکون یقین پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے مطابق کسی عمل کے سرزد ہونے کا آغاز ہوتا ہے۔ فکر کا مقصد یقین ہے اور یقین کا مقصد اس کے مطابق عمل کرنا ہے ۔ یقین کے واسطے سے تفکر کی غایت کسی نہ کسی قسم کا عمل ہے ۔ اگر فکر کا کوئی جزو ایسا ہے جس سے کوئی عمل متاثر نہیں ہوتا تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے ۔ کسی خیال کے معنی اور اہمیت کو جانچنے کے لئے ہمیں صرف یہی دیکھنا چاہئے کہ اس سے کس قسم کا کردار پیدا ہو سکتا ہے ۔ اس کے قریبی یا بعید نتائج کس قسم کے ہیں، اس سے کس قسم کے احساسات پیدا ہوتے ہیں اور اگر اس کو سچ سمجھیں تو اس کے مطابق ہمیں اپنے کردار کو کس طرح ڈھالنا چاہئے ۔

اب اس پریگمٹزم یا افادیت صداقت کے اصول کے مطابق عیسوی علم کلام پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ خدا کے اخلاقی صفات کے علاوہ جو الٰہیاتی صفات فلسفیانہ دینیات میں بیان ہوئے ہیں ان کو از روئے منطق اگر ہم ماننے پر مجبور بھی ہوں تو بھی عملاً ہمیں اس میں کوئی اہمیت نظر نہیں آتی ۔ عیسوی علم الکلام میں خدا کی ذات و صفات کے متعلق جو نظریات یا عقائد بیان کئے گئے ہیں ان کا یہی حال ہے ۔ خدا کا

http://www.Mypdfsite.com

واجب الوجود ہونا ، اس کے جوہر کا روحانی یا غیر مادی ہونا ، اس کا بسیط ہونا ، اس کا تمام تنوع ، تواتر اور تغیر سے ماوریٰ ہونا ، اس کا ناقابل تقسیم ہونا ، اس کی ہستی اور اس کی فعلیت میں کوئی فرق نہ ہونا ، اس میں جوہر و عرض کا فقدان ، منطقی حیثیت سے اس کی کوئی جنس نہ ہونا ، اس کی لاتناہی کا حقیقی ہونا ، اس کے اندر بالقوہ اور بالفعل کا ایک ہونا ، اس کا ایک شخص ہونا (جس حد تک کہ اس سے کوئی اخلاقی نتائج اخذ نہ ہوں) ، اس کی طرف سے شر کا حکم نہیں بلکہ اجازت ہونا ، اس کا خود مکتفی ہونا ، اس کا فقط اپنی ذات کی محبت میں مست رہنا ــ یہ سب صفات ایسے ہیں کہ مجھ کو تو انسانی زندگی سے ان کا کوئی رابطہ یا واسطہ نظر نہیں آتا ۔ اگر ہمارے عمل پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا تو کسی انسان کی مذہبی زندگی کے لئے ان کا درست یا غلط ہونا کچھ معنی نہیں رکھتا ۔ کثرت سے خدا دوست مذہبی لوگ ایسے ہیں جن کے لئے یہ منطق قابل فہم بھی نہیں اور مذہبی زندگی کے لئے ان کو کبھی ان معلومات کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی ۔ خدا را بتائیے کہ خدا کے جوہر بسیط ہونے یا سمجھنے سے میرے کردار میں کیا تبدیلی ہو سکتی ہے اور خدا کی اپنی سعادت کے مطلق ہونے سے میرے عمل پر کیا اثر پڑتا ہے ؟ گذشتہ صدی کے وسط میں ایک شخص مین ریڈ تھا جس کو میدانوں اور کھیتوں اور جنگلوں اور پہاڑوں میں سیر و شکار کا شوق تھا ۔ اس کا تمام تر تجربہ نباتات و حیوانات کی نسبت براہ راست ان کے شئون حیات کا تجربہ تھا ۔ اس کا علم کتابی نہیں

http://www.Mypdfsite.com

تھا ۔ درختوں کے نشو و نما اور حیوانات کے عادات کا اس کو ذاتی مشاھدہ تھا ۔ وہ حیاتیات کے ان عالموں کو جو اپنے کمروں میں بند ھو کر فطرت کا علم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ھیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا ۔ وہ مختلف حیوانی اور نباتی نمونے جمع کرتے ھیں ، کہیں ھڈیوں کے ڈھانچے پڑے ھیں ، کہیں دوسروں کے مارے ھوئے شکاروں کی کھالیں ھیں ، کہیں مختلف پودوں اور حشرات کی نوع بندی ھو رھی ھے ۔ ان کا فطرت سے جتنا تعلق ھے وہ بس اپنے حجرے کے اندر ھے ، خدا کی کھلی فضاؤں میں مختلف موسموں میں چل پھر کر نہ انہوں نے لطف حاصل کیا ھے اور نہ زندگی کا براہ راست علم ۔ ان کو وہ حجرے کے عالم کہتا تھا ۔ میں نے لڑکپن میں اس کی کتاب پڑھی تھی اور اس کا ھم نوا ھو کر ان حجرے کے عالموں سے سخت متنفر تھا ۔ میں سمجھتا ھوں کہ یہ متکلمین خدا کی ذات و صفات کے متعلق بس حجرے کے عالم ھیں ، خدا کا کوئی براہ راست تجربہ ان کو نہیں اور محض منطق کے زور سے اس کی ذات و صفات پر حاوی ھونے کے مدعی ھیں ۔ ان متکلمین کے یہ الٰہیاتی صفات لغات کی جھوٹی عالمانہ نمائش اور الفاظ کی بازیگری کے سوا کچھ نہیں ، یہ ایک کھیل ھے کہ ایک لفظ خدا سے بے جان میکانکی منطق سے کیا کیا کچھ نکالا جا سکتا ھے ۔ الفاظ کی اس صناعی کو کون زندہ مذھب کا بیان سمجھ سکتا ھے ۔ مترادف الفاظ کی بھرمار ھے ، لفاظی نے بصیرت کی جگہ پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ھے اور زندگی کی جگہ مذھبی پیشہ وری آ گئی ھے ۔ یہ روٹی مانگنے والے کو پتھر اور مچھلی کے طالب کو سانپ حوالے کرنا

http://www.Mypdfsite.com

ھے۔ مجرد الفاظ کا یہ طومار بے تمیزی ھی اگر خدا کا علم کہلا سکتا ھے تو اس سے استدلالی دینیات کے مذاھب تو فروغ پا سکتے ھیں لیکن زندہ مذھب قائم نہیں رہ سکتا۔ مذھب کو اس قسم کے بے جان مجردات اور پا در ھوا صفات نے نہیں بلکہ کسی اور چیز نے زندہ رکھا ھے۔ مذھب کے اصل رکھوالے دینیات کے مدرسے اور ان کے مدرس نہیں، یہ بعد کے پیدا شدہ ثانوی اضافے ھیں۔ مذھبی وجدان کے اصل سر چشمے روحانی زندگی کا ذاتی تجربہ رکھنے والے لوگ تھے جن کی مثالیں آپ کے سامنے بیان ھو چکی ھیں۔ یا مذھب کی حقیقت ان خاموش انسانوں میں ملتی ھے جن کی زندگی عارفوں کے روحانی وجدانات کی تفسیر ھوتی ھے۔ پیشہ ور اھل دین میں دین کی حقیقت کو تلاش کرنا عبث ھے۔ الفاظ کی یہ بھول بھلیاں عملاً مذھبی زندگی کے کس کام آ سکتی ھے؟ کون معقول شخص خدا کی بجائے اس منطق و لغات کے تراشیدہ بت کی پرشش کر سکتا ھے؟

مذکورہ صدر مابعدالطبیعیاتی اور الٰہیاتی صفات کے علاوہ خدا کے کچھ اخلاقی صفات بھی بیان کئے گئے ھیں جن کا معاملہ بالکل الگ قسم کا ھے۔ ان اخلاقی صفات سے انسان کے نفس میں امید و بیم پیدا ھوتے ھیں۔ یہ صفات فقر وزھد کی زندگی کی اساس ھیں۔ ان پر سرسری نظر ڈالنے سے بھی ان کی اھمیت واضح ھو سکتی ھے۔

خدا کے سبحان یا قدوس ھونے سے یہ لازم آتا ھے کہ اس کے ارادے میں خیر ھی خیر ھو سکتی ھے۔ اگر وہ خیر مطلق ھونے کے ساتھ قادر مطلق بھی ھے تو وہ خیر کو شر پر غالب

http://www.Mypdfsite.com

کرنے کی پوری قدرت رکھتا ھے ۔ اس کے علیم ھونے سے یہ لازم آتا ھے کہ وہ تاریکی میں بھی ھمارے اعمال کو دیکھنے والا ھے ۔ اگر وہ عادل ھے تو ھماری غلط کاری پر ھمیں سزا دے سکتا ھے لیکن رحیم و کریم ھونے کی وجہ سے معاف بھی کر سکتا ھے ۔ اس کے غیر متغیر ھونے کی وجہ سے ھم اس پر اعتماد رکھ سکتے ھیں ۔ ان تمام صفات کا ھماری زندگی سے براہ راست اور گہرا تعلق ھے اس لئے ان کا علم ھمارے لئے نہایت اھم ھے ۔ اگر یہ کہیں کہ مقصد تکوین خدا کی عظمت و جلال کا اظہار ھے تو اس کو بھی ھماری عملی زندگی سے رابطہ ھو سکتا ھے ۔ عیسائی اقوام کی عبادت پر یہ خیال اثر انداز ھوا ھے ۔ اگر متکلمانہ دینیات یہ ثابت کر سکے کہ اس قسم کے صفات والا خدا موجود ھے تو وہ مذھبی جذبے کے لئے ایک محکم اساس بن سکتا ھے لیکن دیکھنا یہ ھے کہ کیا متکلمانہ دلائل اس کام کو کامیابی کے ساتھ سر انجام دے سکتے ھیں ؟

افسوس ھے کہ جس طرح خدا کی ھستی کو دلائل سے ثابت کرنے میں علم کلام ناکام رھا ھے اسی طرح وہ ان صفات عالیہ کو بھی ثابت نہیں کر سکا ۔ کانٹ کے بعد کے تصوریت کے فلسفی ان دلائل کو بیخ و بن سے اکھاڑ چکے ھیں اور یہ بھی واقعہ ھے کہ جس شخص کو دنیا میں اخلاقی اندھیر نگری نظر آتی ھے یہ دلائل اس کو خدائے رحیم کا قائل نہیں کر سکتے ۔ ایسے شخص کو یہ کہنا کہ خدا کی ذات ایجاب محض ھے اور شر ایک سلبی چیز ھے جو عدم محض ھونے کی وجہ سے خدا کی طرف منسوب نہیں ھو سکتا اس کے دل میں خدا کی رحمت

http://www.Mypdfsite.com

کا یقین پیدا نہیں کر سکتا ۔ یہ جواب اس کو قطعاً مہمل معلوم ہو گا ۔

حضرت ایوب کی داستان حیات میں خدا اور شر کا تمام مسئلہ پوری طرح زیر بحث آ گیا ہے ۔ عقلی استدلال خدا کی طرف جانے کا صحیح راستہ نہیں ، ایمان و یقین کے مقابلے میں وہ ایک سطحی چیز ہے ۔ حضرت ایوب سخت اندرونی کشاکش اور درد و کرب کے بعد یہ پکار اٹھتے ہیں: ''اب میں اپنا منہ بند کرتا ہوں ، اس سے قبل میں تیرے متعلق اپنے کانوں سے کچھ باتیں سنتا تھا لیکن اب میں تجھے اپنی آنکھوں سے روبرو دیکھ رہا ہوں'' ۔ عقل حیران و ششدر رہتی ہے لیکن خدا کے حضور کا احساس اور اس پر اعتماد کا قائم رہنا اس شخص کو نصیب ہوتا ہے جو اپنے نفس کی نسبت بھی راستباز ہے اور واقعات کو بھی حقیقت کی آنکھ سے دیکھتا ہے ۔ وہ سچ کچھ دیکھ بھال کر بھی مذہبی انسان رہتا ہے ۔

علم کلام میں انتقامی عدل خدا کی ایک اہم صفت شمار ہوتا ہے لیکن اس کی منطق سے تو شعلہ فشاں جہنم کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ۔ اس کی بابت یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ایسے جہنم کا علم از روئے وحی ہوا ہے لیکن آج کون یہ وحشت ناک عقیدہ رکھ سکتا ہے کہ حیات و کائنات کا عظیم الشان کارو بار جرم اور سزائے جرم کی خاطر ظہور میں آیا ہے ؟ حقیقت یہ ہے کہ لوگوں نے جرم و سزا کے روایتی تصورات کو خدا پر چپکا دیا ہے ۔

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اس علم الکلام کو خیر باد کہیں ۔ کسی کے ایمان کو اس سے کوئی سہارا نہیں مل سکتا ۔

http://www.Mypdfsite.com

جدید آئڈیالزم تو اس سے پوری طرح کنارہ کش ہو چکی ہے لیکن کیا اس جدید تصوریت کا فلسفہ ایمان کا بہتر کفیل ہو سکتا ہے ؟

اس جدید تصوریت کی اساس کانٹ کا انائے ماورائے کا تصور ہے ۔ اس اصطلاح کا سیدھا سادھا مطلب یہ ہے کہ ہر شعوری کیفیت میں بالقوے یا بالحقیقہ انا کا شعور پایا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ میں سوچ رہا ہوں ۔ اس سے پیشتر بھی متشککین میں انا کا یہ لازمی شعور پایا جاتا تھا لیکن ان کے انا میں ایک ذاتی انفرادیت تھی مگر کانٹ نے تجرید سے اس کو شخصیت سے عاری کر دیا ۔ اس کے مقولات (قاطیغوریات) میں اس قاطیغوری کے اندر سب سے زیادہ کلیت ہے اگرچہ کانٹ کے انائے ماورائے میں کوئی دینیاتی مفہوم نہیں ہے ۔

کانٹ نے شعور مطلق ، شعور عام یا شعور مجرد کا ایک تصور پیش کیا تھا لیکن اس کے بعد آنے والوں نے اس کو ایک لامحدود شعور ذات بنا دیا جو روح کائنات کے مرادف ہے اور انسانوں کے انفرادی اور شخصی شعور اسی شعور مطلق کے اندر ہستی پذیر ہیں ۔ یہ تبدیلی کس طرح واقع ہوئی اس کو سمجھانے کے لئے مجھے اصطلاحی فلسفے میں الجھنا پڑیگا اس لئے میں اس سے درگزر کرتا ہوں لیکن ہیگل کے فلسفے کے دو اصولوں کی توضیح لازمی ہے ۔ برطانیہ اور امریکہ دونو ممالک کے فلاسفہ پر ہیگل کا نہایت گہرا اثر ہے ۔

پہلا اصول یہ ہے کہ روایتی منطق کا قانون عینیت کہ ہر تصور کی عینیت مستقل ہے یعنی الف بس الف ہے زندگی

http://www.Mypdfsite.com

سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ یہ پس مرگ اعضائے مردہ کا مطالعہ ہے۔ حقیقی زندگی میں ہر شے کے تصور میں اس کی ضد لازماً داخل ہوتی ہے۔ نور کا تصور ظلمت کے بغیر ممکن نہیں اور اس لزوم کی وجہ سے نور کے تصور کی عینیت قائم نہیں رہ سکتی۔ ہر شے کی پہچان اس کی ضد سے ہوتی ہے۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ شعور نفس کو نفی سے بالاتر کر دیتا ہے۔ بے اطمینانی کے اندر اطمینان کا تصور موجود ہوتا ہے جس کے بغیر بے اطمینانی ممکن نہ ہوتی۔ اسی طرح سوال کے اندر جواب پنہاں ہوتا ہے۔ ہر بے اطمینانی اطمینان کے لئے اور ہر سوال جواب کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔ محدودیت کا تصور ممکن نہ ہو سکتا اگر اس سے پیشتر لا محدودیت کا تصور موجود نہ ہوتا۔ لا محدود کے تصور ہی کی وجہ سے ہم کسی چیز کو محدود کہتے ہیں۔

تصورات پر ان دو اصولوں کا اطلاق منطق میں ایک داخلی حرکت پیدا کر دیتا ہے۔ ہر تصور خود بخود ایک دوسرے تصور کی طرف عبور کرتا ہے اور کسی چیز کی عینیت مستقل نہیں رہ سکتی۔ جس طرح ہمارے تجربے میں اشیا کے اندر عمل اور رد عمل ہوتا ہے اس طرح ہمارے معروضات فکر بھی حرکت سے معرا نہیں۔ تصورات میں بھی تغیر اور ارتقا ہوتا ہے۔ ارسطو کی منطق کا یہ اصول زندگی اور حرکت سے بیگانہ ہے کہ ہر تصور کو اٹل اور غیر متغیر سمجھ کر بحث کی جائے۔ ہر تصور اپنے غیر کو بھی ہمراہ لاتا ہے اور یہ غیر یا ضد جو پہلے بالکل بالقوے تھی حقیقی بن جاتی ہے۔ کسی

http://www.Mypdfsite.com

تصور کی ضد اس کی تصدیق بھی کرتی ھے اور اس کی اصلاح بھی اور اس نفی و اثبات سے ایک بالا تر تصور پیدا ھوتا ھے جس کے اندر معنی زیادہ مکمل ھیں۔

تصورات کا یہ انداز عمل نہایت عمدہ چیز ھے۔ کائنات کے اندر واقعی یہی ھوتا ھے کہ ایک عمل کے پیچھے دوسرا عمل آتا ھے جو اس کی اصلاح اور تکمیل کرتا ھے۔ منطق بھی وھی درست اور مفید ھو سکتی ھے جو ساکن تصورات کا تار و پود ھونے کی بجائے حرکت حیات و کائنات کی آئینہ بردار ھو۔ ارسطو کی منطق عینیت میں کوئی تصور دوسرے تصور کی طرف عبور نہیں کرتا۔ اس کے اندر تصورات کے فرق بھی ابداً غیر متغیر ھیں اور ان کی مشاھبتیں بھی۔ عقائدی دینیات نے اپنے آپ کو ارسطو کی منطق پر ڈھال لیا تھا اس لئے ھیگل کی جدید منطق اس کے بالکل مخالف پڑتی ھے۔

پرنسپل کیرڈ جو اسکاٹ لینڈ میں ماورائیت کا فلسفی ھے اس کا مفصلہ ذیل بیان میری اس رائے کی تائید کرتا ھے۔ وہ کہتا ھے:

''اس حقیقت کا ھم کیا تصور کرسکتے ھیں جو عقل و فہم کا محل ھے؟ اس کا جواب یہ ھے کہ دو باتیں تو آسانی سے ثابت ھوسکتی ھیں۔ ایک یہ کہ یہ حقیقت جو محل و موضوع عقل ھے ایک روح مطلق ھے اور ھماری محدود روح اس روح مطلق یا عقل مطلق سے رابطہ پیدا کرکے خود اپنی ذات کا تحقق کرسکتی ھے۔ اگر عقل کی مطلقیت کے ھم منکر ھوجائیں تو ھمارا فہم فوراً مفلوج ھوجائے۔ ھماری عقلی گفتگو میں غیر شعوری مفروضہ یہی ھوتا ھے کہ صداقت

http://www.Mypdfsite.com

مطلقه کا وجود ہے ۔ شک اور انکار بھی بالواسطه اس حقیقت کا اعتراف ہے ۔ جب کوئی شخص کہے که میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا یا مجھے اس کی حقیقت میں شک ہے تو اس کا شک و انکار کسی حقیقت مطلقه کے وجود کو تسلیم کر رہا ہے ۔ حقیقت میں شک ہونے کے یہی معنی ہیں که حقیقت کا کوئی تصور نفس متشکک میں موجود ہے ۔ جب میں کسی صداقت کی گواہی دیتا ہوں تو میرا کبھی یه مطلب نہیں ہوتا که وہ محض میرے خیال میں یا کسی اور کے خیال میں درست ہے بلکه مقصود یه ہوتا ہے که یه بات علی الاطلاق درست ہے ۔ تمام انفرادی نفوس کا معدوم ہونا متصور ہوسکتا ہے ، میں ان سے پوری طرح قطع نظر کرسکتا ہوں لیکن فکر مطلق یا شعور مطلق کی مطلقیت کا انکار یا اس سے قطع نظر کرنا ناممکن ہے ۔ عقل کل یا شعور کل کی حیثیت مستقل ہے جس کے عدم کا قیاس ناممکن ہے"۔ کانٹ نے شعور مطلق کا جو نظریه پیش کیا تھا وہ ایک مجرد تصور تھا مگر کیرڈ نے اس سے آگے بڑھ کر یه کہا که یه شعور مطلق جو تمام تعقل و شعور کی لابدی اساس ہے خود خدا کی ذات ہے ۔ اس کے بعد کیرڈ اس اصول کو تسلیم کرتے ہوئے که محدودیت کا تصور لامحدویت کے بغیر ممکن نہیں اور محدویت کا اعتراف لازمی طور پر انسان کو اس سے باہر لے جاتا ہے ، اس کا اطلاق افراد کے روحانی وجدان پر کرتا ہے ۔ مفصله ذیل اقتباس ملاحظه ہو :

"اگر انسان بھی رفتنی و گذشتنی احساسات و جذبات رکھنے والی مخلوق ہوتا تو وہ کسی بات کو بھی فی نفسه مستقلاً حیقیقت و صداقت نه سمجھتا لیکن انسان کی روحانی فطرت کی یه ایک امتیازی

http://www.Mypdfsite.com

خصوصیت ہے کہ وہ اپنے انفرادی فکر و ارادہ کو ایک لا محدود فکر و ارادہ میں ضم کرنے کی استعداد رکھتا ہے ۔ انسان کے فکر و شعور ذات کی فطرت ہی حیات کلی کی فضا میں رہنا ہے ۔ ایک باشعور ہستی میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اپنی محدود خودی کو بر طرف کرکے اور ذاتی میلانات اور تمناؤں سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو حیات کلی کا محل بنا لے اور ایک لامتناہی روح سرمدی اس پر پوری طرح مسلط ہو کر اس کی محدودیت پر اپنا رنگ چڑھادے ۔ بالفاظ دیگر انسان اپنی خودی کو پوری طرح خدا کے حوالے کرسکتا ہے ۔ لیکن یہ بے خودی درحقیقت انسان کی حقیقی خودی کی تکمیل اور اس کا نصب العین ہے کیونکہ ہماری خودی کی ماہیت و اصلیت خدا کی ذات ہے۔ عقل کل سے ہم کنار ہونا انسانی روح کے لئے کوئی اجنبی بات نہیں۔

"اس منزل مقصود پر پہنچنا اگرچہ عقلاً ممکن ہے لیکن عملاً انسان کی زندگی میں اس کا تحقق دشوار ہے ۔ الوہیت سے ہم کنار ہونا بالقوے انسان کی فطرت میں موجود ہے لیکن انسان کا عمل عام طور پر پست سطح پر رہتا ہے ۔ سماجی اخلاق و آداب اور انسانی محبتیں اور قربانیاں دوسرے محدود نفوس کے لئے ہوتی ہیں ۔ انسان فقط خدا کا ہو کر زندگی بسر نہیں کرتا ۔ انسان کی تقدیر کے نصب العین میں جو لا محدودیت ہے وہ عملی زندگی میں صورت پذیر نہیں ہوتی ۔"

اس کے بعد کیرڈ یہ سوال اٹھاتا ہے کہ کیا انسان کی عملی زندگی اور اس کی غایت حیات کا تضاد کسی طرح رفع نہیں ہو سکتا ؟ وہ کہتا ہے کہ اس مشکل کا حل یہ ہے کہ "انسان محض اخلاق سے گزر کر مذہب کی طرف قدم اٹھائے ۔ محض

http://www.Mypdfsite.com

اخلاق زندگی کے مقابلے میں مذھبی جذبہ و وجدان کی امتیازی خصوصیت یہ ھے کہ اس میں انسانی روح کی امید اور تمنا آخری نصب العین کی طرف بڑھنے کی بے پایاں کوشش کی بجائے یہیں محدود زندگی میں اپنے مقصود و مراد کو حاصل کر لیتی ھے اور انسان خدا کی حیات لا متناھی سے بہرہ اندوز ھو جاتا ھے۔ خواہ مذھب کو انسانی رخ سے دیکھیں یعنی نفس انسانی کا اپنے تئیں کلیتاً خدا کو سونپ دینا یا یہ کہیں کہ مذھبی وجدان میں خدا انسانی روح میں داخل ھو جاتا ھے۔دونوں صورتوں میں مذھبی وجدان کی ماھیت یہی ھے کہ ھستئی لا محدود کوئی بعید منزل نہیں بلکہ حقیقت حاضرہ ھے ، روحانی وجدان کا اولیں ارتعاش ھی اس امر کی علامت ھوتی ھے کہ شاھد و مشھود میں کوئی حد فاصل باقی نہیں رھی ، مقصود آخری متحقق ھو گیا ھے اور محدود نے لا محدود سے ھم آغوش ھو کر حیات لامتناھی کو اپنا لیا ھے ، بالفاظ دیگر خدا انسان کی ھستی پر پوری طرح چھا گیا ھے۔

''اپنے نفس و ارادہ کو خدا کے نفس و ارادہ کا ھم رنگ و ھم آھنگ بنانا دینی زندگی کے لئے کوئی مستقبل کی منزل نہیں۔ یہ دینی زندگی کا آغاز اور اس کی آفرینش ھے۔ دینی زندگی کے معنی ھی یہی ھیں کہ نفس کے اندر خدا اور خودی کی پیکار ختم ھو گئی ھے۔ اسے ایمان و یقین کہئے یا خدا پر اعتماد کامل یا تسلیم ذات ، جہاں اس کا ظہور ھوا وھیں محدود لا محدود سے ھم کنار ھوا اور ھستئی سرمدی سے ھم آغوش ھوا ۔ یہ درست ھے کہ مذھبی زندگی میں بھی ارتقا ھوتا ھے لیکن مذکورہ صدر عقیدے کی روشنی میں یوں کہہ سکتے ھیں کہ یہ سیر الی اللہ

http://www.Mypdfsite.com

نہیں بلکہ سیر فی اللہ ہے ۔ انسان خدا کی طرف نہیں بڑھ رہا کیونکہ خدا کے حضور کا احساس تو اس روحانی وجدان کی اصلیت ہے ۔ اس کا ارتقا اب خدا کی ذات کے اندر ہوتا ہے کیونکہ خدا اس کے لئے کوئی خارجی حقیقت نہیں رہی ۔ اب انسان تھوڑے تھوڑے اضافوں سے لا متناہی خزانۂ معرفت جمع نہیں کر رہا بلکہ اس ثروت لا متناہی کو جزو حیات بنانے میں کوشاں ہے جو اس کو عطا ہو چکی ہے ۔ مذہبی زندگی میں انجام آغاز ہی میں موجود مگر اس میں مضمر ہوتا ہے جس طرح کہ پورا درخت اور اس کا ثمر اس کے بیج میں آغاز ہی میں بالقوے پنہاں ہوتا ہے ۔ روحانی زندگی کے آغاز ہی میں انسان محسوس کرتا ہے کہ غلطی ، کوتاہی ، لغزش و گناہ اس کی فطرت کی ماہیت میں داخل نہیں ، یہ چیزیں خارج سے اس کو لاحق ہوگئی ہیں ، ان کو رد اور رفع کیا جا سکتا ہے اور ان کے انصرام کی کوشش روحانی ترقی کا ذریعہ بن سکتی ہے ۔ ابھی وسوسے اور گناہ کی تحریکیں معدوم نہیں ہوتیں لیکن اپنے باطن کے خلوت کدہ میں وہ ان کی دستبرد سے محفوظ و مصئون ہے ۔ اپنی روح کی گہرائیوں میں وہ ان پر فتح حاصل کر چکا ہے ۔ باطن کے مقام محمود میں اس کی زندگی اب بھی ہستئی لا محدود سے فیضیاب ہے ۔ اس کی نبض ہستی میں حیات الٰہی کی دھڑکن محسوس ہوتی ہے ۔"

روحانی شعور کا بیان اس سے زیادہ واضح اور مؤثر نہیں ہو سکتا ۔ یہ بیان ایسی کیفیت کا ہے جو صوفی کو ناقابل بیان معلوم ہوتی ہے ۔ اس کے اندر وہی جوش مسرت ہے جو نفسی

http://www.Mypdfsite.com

انقلاب کے بحران میں ان لوگوں نے محسوس کیا جن کا ذکر پہلے ایک خطبے میں آچکا ہے۔ ایک ولی جب اسے سنیگا تو کہے گا کہ ہاں یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ جب صوفیا ایک روحانی حال کی نسبت اس طرح متفق الرائے ہوں تو یہ اتحاد عمل تسکین بخش معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس خوبیٔ بیان کے باوجود کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بیان واقعی تاثر اور ذاتی تجربے کی سطح سے بلند ہو کر مذہب کو عقل کی اساس پر تعمیر کر سکتا ہے؟ کیا اس میں ایسا استدلال موجود ہے جو تمام سوچنے والوں کو مذہب کی حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور کر سکے؟ کیا مذہب کے بارے میں یہ بیان ایسا ہے کہ جس میں ابہام نہ ہو اور مذہب ایک معما اور راز معلوم نہ ہو؟

میں سمجھتا ہوں کہ اس بیان میں کوئی عقلی استدلال موجود نہیں اور اس میں بعض افراد کے ذاتی تجربات ہی کو تعمیم کی زبان میں ادا کرنے کی کوشش پائی جاتی ہے۔

یہ ماورائی استدلال اکثر ایسے فلاسفہ کے لئے بھی تسلی بخش نہیں جو مذہبی میلان رکھتے ہیں۔ ہیگل کے طرز استدلال کو خود اس کے وطن کے فلاسفہ نے رد کر دیا ہے۔ اس بارے میں اسکاٹ لینڈ میں بھی فریزر اور پرنگل پیٹیسن کی تنقید مخالفانہ ہے۔ ماورائی تصوریت میں اگر قابل قبول معقولیت ہوتی تو مفکرین اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ صورت حال یہ ہے کہ اکثر مفکرین اس کو لاحاصل سمجھتے ہیں۔

مذہبی وجدان والے لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ ان کا ذاتی تجربہ ہوتا ہے، انہیں خدا کے حضور کا براہ راست احساس ہوتا

http://www.Mypdfsite.com

ھے اور خدا ان کے درمیان کچھ معاملہ ھوتا ھے۔ اگر اس قسم کے تجربات خود اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ھوسکیں تو یقیناً تجریدی استدلال ان کو کوئی سہارا نہیں دے سکتا۔ فکر و منطق کا وظیفہ اصطفاف و تعیین و تحدید و تاویل ھے ۔ منطقی تصورات میں کوئی تخلیقی قوت نہیں ، تجربات کی آفرینش ان کا کام نہیں اور کسی تجربے کی اصل حقیقت بھی ان میں منتقل نہیں ھوتی۔ تاثر کے اندر بلا واسطہ یقین ھوتا ھے جسے محض استدلال پیدا نہیں کرسکتا ۔ فلسفہ ایک ثانوی چیز ھے ، وہ ایمان کی صداقت کے لئے یقینی ثبوت مہیا نہیں کرسکتا۔ مجھے افسوس کے ساتھ مگر صدق دل سے اپنے اس خیال کا اعادہ کرنا پڑتا ھے کہ محض منطقی استدلال سے روحانی احوال کی صداقت ثابت نہیں ھوسکتی ۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مذھب کے بارے میں فلسفہ بالکل بیکار ھے۔ اب میں مختصراً یہ عرض کرونگا کہ فلسفہ کس حیثیت سے دین کے کام آسکتا ھے ۔ میرے نزدیک فلسفہ دین کی خدمت اس صورت میں کرسکتا ھے کہ وہ مابعدالطبیعیات اور منطقی استخراج کو ترک کرکے تنقید اور استقراء کی طرف آجائے اور دینیات و علم کلام کو چھوڑ کر مذاھب کی سائنس بن جائے اور تمام قسم کے مذاھب اور مذھبی وجدانات و عقائد کا جائزہ لے ، اس کے بعد استقراء سے کچھ نتائج اخذ کرے جو تمام معقول انسانوں کو قابل قبول معلوم ھوں ۔ مابعدالطبیعیات کو نقطۂ آغاز بنانے کی بجائے انسانی تجربات کو موضوع فکر بنائے۔

انسانی عقل کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ روحانیات کو اپنے عارضی عقلی تعصبات کے سانچوں میں ڈھالنے لگتی ھے۔

http://www.Mypdfsite.com

فلسفے کا کام یہ ہونا چاھئے کہ وہ انسانی عقل کو تقلید بے تنقید سے نجات دلوائے ۔ عارضی ، اضافی اور مقامی روایات و جذبات سے بالاتر ھر کر کلی حقائق کی طرف رھنمائی کرے ۔ عقائد و عبادات پر جو تاریخی روایات کے غلاف چڑھے ھوئے ھیں ان کو الگ کرکے مغز اور چھلکے میں امتیاز کرنا سکھائے ۔ فلسفہ یہ بھی کرسکتا ھے کہ مذاھب میں پیدا شدہ عقائد و تصورات کو طبیعی سائنس کے مسلمات سے ھم اھنگ بنانے کی کوشش کرے تا کہ جو عقائد سائنس دان کو اب لغو اور مطلقاً بے بنیاد معلوم ھوتے ھیں وہ معقول انسانوں کی مذھبیت سے ساقط ھوجائیں۔

غیر مفید اور نا قابل یقین لغویات و توھمات کو ساقط کر کے مذھب میں جو کچھ باقی رہ جائیگا اس پر ایمان لانا یا اس کو قابل قدر سمجھنا معقول انسانوں کے لئے ممکن ھوجائیگا۔ یہ باقی ماندہ نظریات ایسے مفروضات ھونگے جنہیں اسی طرح ایجابی اور سلبی شواید سے جانچا جا سکتا ھے جس طرح کہ طبی سائنس میں مشاھدے اور استغبار سے مفروضات کو پرکھا جاتا ھے ۔ جن مفروضات کی تصدیق حقائق سے نہ ھوسکے گی وہ ساقط ھوجائینگے اور آخر میں تھوڑی چیزیں رہ جائیں گی جو تحقیق کی کسوٹی پر پوری اتری ھوں یا قابل تصدیق ھوں ۔ اس تحقیق کا یہ نتیجہ بھی ھوگا کہ بعض امور کو ھو بہو حقیقی سمجھا جائیگا اور بعض مذھبی بیانات و احوال رمزی اور تمثیلی شمار ھونگے ، بعض جگہ یقین میں کچھ اضافہ بے ضرر اور جائز معلوم ھوگا ۔ اس نداز سے فلسفہ مختلف عقائد کے لوگوں کو یکجا بھی کرسکتا ھے ۔ مذھب کے مشترک اور اساسی عناصر کو فروغ و ظواھر سے ممتاز کر کے

http://www.Mypdfsite.com

انسانوں کی دینی زندگی میں بہت کچھ اتحاد پیدا ہوسکتا ہے۔

اگر مذاہب کی سائنس بھی طبیعی سائنس کی طرح مرتب ہو جائے تو اس کو بھی وہ قبول عام حاصل ہوسکتا ہے جو طبیعی سائنس کو حاصل ہے ۔ مذہب سے بیگانہ لوگ بھی اس کے بعض نتائج کو قابل یقین سمجھنے لگینگے جس طرح اندھے مناظر و مرایا کے حقائق پر دوسروں کے کہنے سے اعتبار کر لیتے ہیں۔ لیکن جس طرح علم مناظر و مرایا آنکھوں والوں ہی کا کام ہے اور آنکھوں والے ہی اس کی تحقیق و ترقی کے ضامن ہوسکتے ہیں اسی طرح مذاہب کی سائنس کے اصل مواد بھی وہی لوگ مہیا کرینگے جو مذہبی حقائق کا ذاتی تجربہ رکھتے ہیں ۔ فلسفیانہ تنقید کو مسلسل روحانی احوال سے دوچار ہونا پڑیگا۔ ان احوال سے الگ ہو کر محض خلا میں حکمت دینی کی تعمیر نہیں ہوسکتی۔ طبیعی سائنس کی طرح اس کو بھی ہر منزل پر یہ اعتراف کرنا پڑیگا کہ روحانی زندگی کی لطافتیں اور اس کے رموز پوری طرح اس کی گرفت میں نہیں آئے اور جو احوال وضع کئے گئے ہیں وہ اصلاح طلب اور تکمیل طلب ہیں۔ فلسفے کا عالم الفاظ کا عالم ہے لیکن زندگی کی صداقتیں اور حقیقتیں غیر متوقع طور پر اس انداز سے ابھرتی ہیں کہ وہ بیان کے ظروف کے باہر چھلک جاتی ہیں۔ بعض قسم کے ادراکات میں ایسی جھلکیاں اور ایسی چشمکیں ہوتی ہیں جن کے لئے انسان کے پاس الفاظ نہیں ہوتے اور جب ان پر غور کرنے لگو تو وہ غائب ہو جاتی ہیں۔ اس حقیقت کا فلسفی کو بھی احساس ہے۔ اس کا پیشہ اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے ترکش سے الفاظ کے تیر نکال کر چلاتا رہے مگر اس کو احساس

http://www.Mypdfsite.com

ہوتا ہے کہ وہ اندھیرے میں تیر چلا رہا ہے اور کوئی تیر نشانے پر نہیں لگتا۔ فلسفہ کوشش کرتا ہے کہ تجربات و وجدانات حیات اس کے آئینے میں منعکس ہوں لیکن زندگی اور اس کے عکس میں جو فرق ہے وہ رفع نہیں ہو سکتا۔ اس سے بعد کے خطبے میں مذہبی تجربے کی نسبت میں کچھ اور باتیں بغرض تکمیل بیان کہونگا اور آخری خطبے میں اس حقیقت کو فکر کے سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کرونگا جس کی طرف یہ روحانی تجربات رہنمائی کرتے ہیں۔

http://www.Mypdfsite.com

انیسواں خطبہ

تصوف اور فلسفے کی کوچہ گردی کے بعد ہم پھر وہیں آن پہنچے ہیں جہاں سے ہم نے یہ سیر شروع کی تھی۔ ہماری تحقیق کا آغاز یہی تھا کہ مذہب پر ہمیں اس زاویہ نگاہ سے غور کرنا چاہئے کہ مذہب مذہبی آدمی کے کس کام آتا ہے اور مذہبی انسان سے دوسرے انسانوں کو کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اگر زندگی کی اقدار عالیہ کی توضیح و تکمیل مذہبی زندگی کے اندر ہوتی ہے تو یہ اس کی صداقت کا بہترین ثبوت ہے۔ ہم تجربیت کے اس اصول پر واپس آتے ہیں کہ صداقت کا معیار افادیت ہے۔ جو نظریۂ حیات بحیثیت مجموعی ہمارے علم و عمل میں معاون ہوتا ہے وہ درست ہے۔ 'بحیثیت مجموعی' میں اس لئے کہتا ہوں کہ انسان کی محدود زندگی اور اس کی محدود سمجھ کبھی صداقت کلی پر حاوی ہونے کی مدعی نہیں ہو سکتی۔

اب سیدھی زندگی کے ایک اور محرک کا ذکر کرتا ہوں۔ مذہب کا یہ محرک اور یہ عنصر ذوق جمال ہے۔ میں نے کہا تھا کہ انسان غیر ارادی طور پر اپنے مذہبی تجربے کو عقلی سانچوں میں ڈھالتے ہیں۔ ان کو کچھ فارمولے بنانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یہ خواہش بھی فطری ہے کہ دوسرے بھی ان کی عقیدت و عبادت میں ان کے ہم نوا ہوں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ روحانی تجربے کو منطق بنا کر خدا کی ذات و صفات کا تانا بانا بننا لغو اور لا حاصل کوشش ہے لیکن اب میں کہتا

http://www.Mypdfsite.com

ھوں کہ عقلی لحاظ سے لا یعنی سہی مگر ان کوششوں سے بعض لوگوں کو جمالیاتی تسکین ضرور ھوتی ھے ۔ کارڈینل نیومین کی تحریروں سے میں نے جو اقتباس گذشتہ خطبے میں دئے تھے ان میں کس قدر سلامت اور فصاحت و بلاغت ھے ۔ اس کی نثر میں گرجے کے اندر دلگداز وعظ کی مترنم لے کی گونج ھے ۔ ایسا حسن صوت دلنشیں ھونے کی وجہ سے یقیں آفریں بھی ھو جاتا ھے ۔ اسی لئے گرجوں میں ذوق جمال کئی صورتیں اختیار کرتا ھے ۔ وھاں موسیقی کا ارغنون بھی ھوتا ھے ، مرمر کی خوبصورت سنگ تراشی بھی ھوتی ھے ، تصویریں بھی ھوتی ھیں اور کھڑکیوں کے منقش و مصور شیشے بھی ۔ اس کے علاوہ خود عبادت گاہ کی تعمیر ذوق جمال کا مجسمہ ھوتی ھے ۔ اگر یہ سب کچھ نہ ھو تو خشک پارسائی رہ جائے جو دلوں میں ارتعاش پیدا نہیں کرتی ۔ شاندار صفاتی الفاظ جو نا قابل فہم ھونے کی وجہ سے اور زیادہ عظیم الشان معلوم ھوتے ھیں عبادت میں ایک خاص رنگ اور ترنگ پیدا کرتے ھیں ۔ نیو مین جیسے نفوس پر ان کا کچھ وھی اثر ھوتا ھے جو بت پرستوں پر اپنے دیوتاؤں کے بتوں کو زیور و جواھر سے آراستہ دیکھ کر ھوتا ھے ۔ ترنم اور پر شوکت الفاظ کے زیور معبود کے جمال و جلال میں اضافہ کرتے ھیں ۔

مذھبی جذبے نے غیر شعوری طور پر جن صورتوں میں اپنا اظہار کیا ھے ان میں جمالیاتی عنصر ایک خاص اھمیت رکھتا ھے ۔ میں نے ان خطبوں میں کلیسائی نظامات کا ذکر نہیں کیا لیکن یہ ضروری معلوم ھوتا ھے کہ میں اس کے متعلق کچھ بیان کروں کہ کلیساؤں نے انسان کے جمالیاتی تقاضوں کو پورا

http://www.Mypdfsite.com

کر کے انسانی فطرت پر کس طرح اپنی گرفت کو مضبوط کرنے کی کوشش کی ہے۔ کم ہی طبائع ایسی ہیں جو حقائق کو محض عقلاً صاف ستھرے انداز میں سمجھنے کی طالب ہیں اور زیادہ تر لوگ ایسے ہیں جو مذہب میں بھی سادگی کی بجائے شوکت، تنظیم اور ثروت مناہج و شعائر چاہتے ہیں، وہ محض انفرادی جذبے پر قانع نہیں ہو سکتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مذہبی جماعت کی ایک عظیم الشان تنظیم ہو، اس کے اندر مناصب کا ایک سلسلہ ہو، اس کے تمام اعضاء ایک عضوی وجود کی طرح ایک وحدت میں مربوط و منظم ہوں، اس کے اندر فرق مراتب ہو، ہر مرتبے کو بیان کرنے کے لئے کچھ پر شکوہ و پر اسرار اصطلاحات ہوں اور یہ سلسلۂ مراتب آخر خدا تک جا پہنچے جو اس تعمیر کی اساس بھی ہے اور اس کے گنبد رفیع کا کلس بھی۔ اس قسم کا کلیسائی نظام ایک جمیل و جلیل و مرصع عظیم الشان تعمیر کی طرح محسوس ہوتا ہے جس سے ذوق جمال کی پرورش ہوتی ہے۔ مقررہ عبادت کی دعاؤں میں بھی جمالی ارتعاش پایا جاتا ہے۔ غرضیکہ عمارت ہو یا عبادت، تعمیر ہو یا تصویر یا تقریر، ان کے اندر جمالیاتی عنصر یقیناً مذہبی جذبے کا معاون ہوتا ہے۔ اس قسم کے مذہبی ادارہ کی کثیر المنازل تعمیر میں ہر سنگ و خشت عظمت و اہمیت سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔ اس جلال و جمال کے مقابلے میں پروٹسٹنٹ مذہب بالکل برہنہ نظر آتا ہے جس کے پیرو فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ خدا خلوت صومعہ میں یا جنگل کی جھاڑیوں میں بھی مل سکتا ہے۔ کلیسائے روما کے مقابلے میں پروٹسٹنٹ مذہب نے اس عظیم الشان تعمیر کو گرا کر ایک

http://www.Mypdfsite.com

مسطح میدان بنا دیا ھے۔ جس انسان کا تخیل ظواھر میں بھی عظمت و وقار کا طالب ھے اس کو خالی انجیل کا مذھب عظمت و وقار سے بالکل معرا ، شاھی محل کے مقابلے میں خیرات خانہ معلوم ھوتا ھے۔

قدیم شاھنشاھی میں ۔ب وطن کے جذبے کی اسی طرح پرورش کی جاتی تھی۔ پر شکوہ القاب و خطابات ، زرق برق لباس ، سپاھیوں کی کلغی دار ٹوپیاں ، آمرا و وزرا کی حشمت ، رعب داب ، شان و شوکت ، ان سب کو بر طرف کر دینے سے کتنے انسانی جذبات بے تسکین رہ جاتے ھیں۔ ایک شہنشاہ کی جگہ جمہوریہ کا ایک صدر مسند نشیں ھو جاتا ھے جو کسی جنگل میں کسی جھونپڑی میں پیدا ھوا تھا جس کے اندر ایک غریبانہ نشست کے کمرے میں میز پر ایک انجیل پڑی رھتی تھی۔ شاھی شوکت کا خواھاں تخیئل اس سے کیا لطف حاصل کر سکتا ھے ؟

جمالیاتی فقدان کی وجہ سے روکھی پھیکی پروٹسٹنٹزم خواہ اپنے اندر کتنی روحانی گہرائی پیدا کرے کیسائے روما کے کسی معتقد کو اپنی طرف لانے میں کامیاب نہیں ھو سکتی۔ کیسائے روما میں تخیل کی پرورش اس ذوق جمال کی تسکین کا گوناگوں سامان ھے۔ اس کے پاس انسانی فطرت کے مختلف پہلوؤں کو کشش کرنے والی بیشمار چیزیں ھیں۔ ھر سطح کے انسانوں کو اس سے فیض حاصل ھوتا ھے۔ اس کے مقابلے میں پروٹسٹنٹ مذھب کے افلاس تخیل میں خشک پارسائی کے سوا اور کیا رکھا ھے ؟ اس کی تلخ سلبیت ایک کیتھولک کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ عقل پسند اور علم دوست کیتھولک کو بھی اپنے مذھب کے

http://www.Mypdfsite.com

بہت سے عقائد و شعائر طفلانہ معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ ان کو رد نہیں کرتا۔ اس کو ان میں طفلانہ معصومیت نظر آتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ عوام کی ذہنیت ان سے لطف اور روحانی غذا حاصل کرتی ہے اس لئے ان کو منسوخ کرنا مفید نہیں ہو سکتا۔ پروٹسٹنٹ کو ان میں طفلانہ معصومیت نہیں بلکہ بچپن کی حماقت نظر آتی ہے۔ وہ اس عظمت و زینت کا صفایا کر کے کیتھولک کے لئے بھی مذہب کو برہنہ کر دینا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس کیتھولک کو پروٹسٹنٹ کے متعلق یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ ایک ٹھٹھرا ہوا رینگنے والا جانور ہے۔ جذبات کے لحاظ سے دونو میں ایسا بنیادی اختلاف ہے کہ یہ کبھی ایک دوسرے کے زاویۂ نگاہ کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ذوق جمال میں کمی بیشی یا اختلاف مذہبی شعور پر کس قدر اثر انداز ہوتا ہے۔

مذہب کی اکثر کتابوں میں دین کے تین عناصر نہایت اہم شمار ہوتے ہیں: (۱) قربانی (۲) اعتراف گناہ (۳) دعا۔ ان کے متعلق میں اختصار کے ساتھ کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

(۱) قربانی۔ دور وحشت کے مذاہب میں دیوتاؤں کے لئے بھینٹ ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ لیکن جب مذہب میں لطافت پیدا ہوئی تو جانوروں کی قربانیوں کی جگہ ایثار نفس کا مفہوم پیدا ہو گیا۔ یہودیت، اسلام اور بدھ مت میں عبادتی قربانی منسوخ ہو گئی۔ مسیح کی قربانی اور کفارے کے پراسرار عقیدے میں تو اس کی جھلک باقی ہے لیکن اس کے علاوہ مسیحیت میں بھی معبود کے لئے جانور کی قربانی عبادت کا کوئی جزو

http://www.Mypdfsite.com

نہیں ۔ مذاہب عالیہ فقط ایثار نفس کا تقاضا کرتے ہیں ۔ اسلام ، بدھ مت اور قدیم عیسائیت میں زاھدانہ نفس کشی کو روحانی ترقی کے لئے لازمی سمجھا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی قسم کی قربانی کا تصور مذہب کا ایک دائمی عنصر ہے ۔ زھد و ریاضت کے باب میں میں کہ چکا ہوں کہ زندگی کو سنجیدہ اور مجاھدانہ انداز میں بسر کرنے والے کے لئے زھد و ریاضت کی مشقیں ایک خاص اھمیت رکھتی ہیں ۔

(۲) مذھب کا دوسرا اھم عنصر اعتراف گناہ ہے ۔ میں تاریخی حیثیت سے اس کا جائزہ لینا نہیں چاھتا ، فقط اختصار کے ساتھ اس کی نفسیات بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں ۔ یہ چیز قربانی کی طرح عام نہیں لیکن یہ ایک باطنی اور اخلاقی جذبہ ہے ۔ تزکیۂ نفس کے لئے ایک عابد کو یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اپنے معبود کے سامنے گناہوں کا اعتراف کر کے توبہ کرے اور بخشش کا طالب ہو ۔ اس اعتراف سے سینہ صاف کر کے خدا کے ساتھ اس کا رابطہ درست ہو جاتا ہے ۔ اس اعتراف کے بعد انسان ریا و نمود سے ہٹ کر حقیقت کی طرف آ جاتا ہے ۔ اس نے قلب کی کثافتیں نکال کر باہر پھینک دی ہیں ۔ اگر اس کے اندر کچھ میلان گناہ باقی بھی رہے تو وہ اس پر ریا کاری کا ملمع نہیں چڑھاتا ، اپنی کمزوریوں کی نسبت بھی وہ خلوص برتتا ہے ۔ یہ سمجھنا آسان نہیں کہ اینگلو سیکسن اقوام میں یہ طریقہ کیوں نا پید ہو گیا ، غالباً یہ پاپائی مذھب کے خلاف رد عمل کا نتیجہ ہے ۔ پاپائی مذھب میں اعتراف گناہ کے ساتھ دو اور باتیں وابستہ تھیں جنہیں پروٹسٹنٹ مذھب غلط

http://www.Mypdfsite.com

سمجھتا تھا۔ ایک یہ کہ پادری کے سامنے اعتراف گناہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے اور پادری خدا کی طرف سے عفو ذنوب کا اختیار رکھتا ہے۔ دوسرے توبہ کے ساتھ اپنے آپ کو ذلت و آزار پہنچانا۔ لیکن مرتکب گناہ کو اس کی شدید ضرورت محسوس ہوتی تھی اور اس کو اسی طرح تسکین ہو سکتی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ گناہ پر سے پردۂ اخفا کے چاک ہو جانے سے تسکین ملے جیسا کہ پھوڑے کے پھوٹ جانے سے آرام محسوس ہوتا ہے۔ اس کا کوئی سوال نہ تھا کہ جس پادری کے سامنے اعتراف کیا جاتا ہے اس کی اپنی روحانی حالت میں کوئی بلندی اور پاکیزگی ہے یا نہیں۔ معترف گناہ کے نفس کو تسکین ہو جاتی تھی۔ کلیسائے روما نے اس کو مفید خیال کیا کہ سب دنیا کے سامنے اپنا پول کھولنے کی بجائے خلوت میں ایک پادری کے سامنے اقرار کر لیا جائے۔ انگریزی بولنے والے پروٹسٹنٹ میں اتنی خود اعتمادی اور انفزادیت پسندی ہے کہ وہ اس معاملے میں فقط خدا کو اپنا شریک راز کرنا کافی سمجھتا ہے۔

مذہب کا تیسرا اہم عنصر دعا ہے۔ اس کے متعلق زیادہ غور کی ضرورت ہے۔ آج کل بہت سے لوگ دعا کو بے کار سمجھنے لگے ہیں خصوصاً برف و باراں یا موسم کی تبدیلی کے لئے دعا مانگنا یا بیمار کی شفا کے لئے دعا کرنا۔ بیمار کے لئے دعا کی نسبت تو یہ بات طبی تجربے سے بھی پایۂ یقین کو پہنچ چکی ہے کہ خاص ماحول میں دعا شفا میں معاون ہوتی ہے، اس لئے اس کو ایک طریق علاج سمجھ کر دعا کی تائید کرنی چاہئے۔ اخلاق امراض سے شفایابی میں تو دعا اور یقینی طور پر کارگر

http://www.Mypdfsite.com

ہوتی ہے اس لئے اس کو بے کار سمجھنا اخلاقاً مضر ہوگا۔ البتہ موسم کا حال مختلف ہے۔ اب ہر شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ بارش، خشک سالی، آندھیاں اور سیلاب فطری اسباب سے پیدا ہوتے ہیں اور دعاؤں سے ان مظاہر فطرت کے قانون نہیں بدل سکتے۔ تبدیلئی موسم کی دعائیں متضاد ہوتی ہیں، کوئی شخص فصل کے لئے خدا سے بارش مانگتا ہے اور کوئی دوسرا خشوع و خضوع سے دعا مانگتا ہے کہ الٰہی بارش نہ کرنا کیونکہ میری جھونپڑی کی چھت ٹپکتی ہے۔ ایمرسن نے بیان کیا ہے کہ ایک پادری جب کلیسا میں بارش کے لئے دعا مانگ چکا تو ایک شخص اس کی طرف بر آفروختہ ہو کر بڑھا اور کہنے لگا کہ تمہاری پھولوں کی کیاری جب کملانے لگتی ہے تو خدا سے بارش کی دعائیں مانگنے لگتے ہو لیکن یہ نہیں خیال کرتے کہ اگر تمہاری دعا قبول ہو گئی تو ہم غریبوں کی زمینوں پر سیلاب آ جائیگا۔ موسم کی تبدیلی طلب کرتے ہوئے دوسروں کا بھی خیال کر لیا کرو۔

لیکن مخصوص ذاتی مفاد کی طلب کے علاوہ اور اس سے بالکل مختلف دعا کی اور بھی قسمیں ہیں۔ اگر دعا کا یہ مفہوم اور مقصد ہو کہ انسان کی روح روح کائنات یا خدا سے اندرونی رابطہ پیدا کرکے اپنے اندر پاکیزگی، بلندی اور اخلاقی قوت پیدا کرے تو سائنس کی تشکیک یا تنقید اس کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتی۔

انہی بلند معنوں میں دعا مذاہب عالیہ کی روح رواں ہے۔ ایک فرانسیسی فقیہ کہتا ہے کہ مذہب اس کا نام ہے کہ روح

http://www.Mypdfsite.com

انسانی حالت اضطراب میں اس پر اسرار قوت سے طالب تسکین ہو جس کے ہاتھوں میں اس کی تقدیر ہے ۔ اسی رابطے کو دعا کہتے ہیں ۔ دعا مذہب کی عملی صورت ہے بلکہ یوں کہ سکتے ہیں کہ دعا ہی اصل مذہب ہے ۔ دعا میں ایسی چیز ہے جو مذہبی جذبے کو محض اخلاقی یا جمالیاتی احساس سے ممتاز کرتی ہے ۔ جب نفس انسانی پوری طرح اپنے ماخذ حیات سے وابستہ ہو کر نجات کا طالب ہوتا ہے تو اس کی اس کیفیت میں خالص مذہبیت ہوتی ہے ۔ ایسی دعا محض مقررہ الفاظ کی تکرار نہیں ہوتی بلکہ زندگی کے پر اسرار خالق و مالک کی طرف روح کی ایک حرکت ہوتی ہے ۔ وہ اس پر اسرار ہستی کے حضور کو محسوس کرتی ہے خواہ اس کے پاس اس منبع حیات کے لئے کوئی نام نہ ہو ۔ جس کے باطن میں یہ احساس نہیں ہے وہ مذہبی انسان نہیں ۔ معین عقائد و ظواہر کی عدم موجودگی میں بھی اگر روح کے اندر یہ حرکت اور یہ میلان پایا جاتا ہے تو مذہب کی حقیقت اس میں موجود ہے ۔ اسی لئے جس مذہب کو لوگ آج کل مذہب فطرت کہتے ہیں وہ درحقیقت مذہب نہیں ہے ۔ نیچری انسان کی روح دعا سے منقطع ہوجاتی ہے ۔ نیچری مذہب کا خدا انسان سے دور ہی رہتا ہے ، اس کے ساتھ کوئی معاملہ ، کوئی راز و نیاز ، کوئی مکالمہ نہیں ہوسکتا ۔ اس نیچریت میں نہ انسان کا کوئی عملی رابطہ خدا سے ہوتا ہے اور نہ خدا کا کوئی عملی تعلق انسان سے ۔ درحقیقت فطری مذہب کوئی مذہب نہیں ، وہ ایک فلسفہ ہے ۔ یہ فلسفہ عقلیت اور تنقید و تحقیق کے دور میں پیدا ہوا اور محض مجرد تصورات کا ایک نظام ہو کر رہ گیا ۔ فطری مذہب ایک مصنوعی اور بے جان چیز

http://www.Mypdfsite.com

ھے جس میں حقیقی مذھبیت کی کوئی صفت نہیں پائی جاتی ۔

جن مذھبی احوال کا ان خطبوں میں جائزہ لیا گیا ھے وہ سب اس کی شہادت دیتے ھیں کہ اھل حال کو بلند تر قوتوں کے ساتھ رابطہ محسوس ھو رھا ھے ۔ یہ معاملہ دونو اطراف سے ھوتا ھے ۔ یہ کیفیت محض انفعالی نہیں ھوتی ، دونو طرف فعلیت ھے ، دونو طرف ایک دوسرے پر اثر اندازی ھے ۔ اگر یہ معاملہ کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرتا ، اگر اس میں کچھ لین دین نہیں ھوتا ، اگر ھستئی عالم کے کسی پہلو پر کوئی اثر نہیں پڑا تو یہ گمان ھوسکتا ھے کہ دعا نفس کا دھوکا ھے اور مذھب کی نسبت کہ سکتے ھیں کہ وہ سراپا فریب نفس اور التباس ھے اور مادیین اور ملحد جو کچھ کہتے ھیں وہ درست ھے ۔ مذھبی شعور کے اندر کہیں کہیں نفس کے دھوکے بھی پیدا ھوجاتے ھیں لیکن ان کی وجہ سے مذھبی شعور کو اصلاً بے نیاز نہیں کہ سکتے ۔ ھاں اگر دعا میں کوئی باطنی رابطہ کسی ھستئی برتر سے نہیں ھوتا اور اس سے کوئی نتیجہ سرزد نہیں ھوتا تو دعا بھی دھوکا ھے اور تمام مذھبیت بھی بے بنیاد ھے ۔ دعا کو غیر موثر اور بے نتیجہ سمجھنے پر بھی یہ خیال باقی رہ سکتا ھے کہ کوئی ھستی اس تمام کائنات کی خالق ھے ۔ یہ خیال بعض پارساؤں کے لئے خوشگوار ھوسکتا ھے لیکن زندگی کو اس طرح خارج سے دیکھنا انسان کو اس تمام بود و نمود کا محض تماشائی بنا دیتا ھے ۔ اس کے برعکس جس شخص کے لئے مذھب ایک ذاتی تجربہ ھے وہ تماشائی نہیں بلکہ خود اس ڈرامے کا ایک کردار ھے جسے وہ وہ محض کھیل نہیں سمجھتا ۔

مذھب کی صداقت کا مدار اس دعا کے حقیقی ھونے پر ھے ۔ دعا

http://www.Mypdfsite.com

کے اندر اگر کسی ہستئی ماورائے سے رابطہ و معاملہ محض فریب نفس ہے تو مذہب کی بھی کوئی حقیقت نہیں ۔ اس رابطے کے حقیقی ہونے کا یقین زندہ مذہبیت کا جوہر ہے ۔ اس معاملے کو حقیقی مان کر بھی اس کی نوعیت کے سمجھنے میں اختلاف ہوسکتا ہے ۔ ان غیر مرئی قوتوں کے اعمال کی نسبت بعض ایسے عقائد ملتے ہیں جنہیں اب کوئی روشن خیال انسان قابل یقین نہیں سمجھ سکتا ۔ یہ ہو سکتا ہے کہ دعا فقط دعا کرنے والے کے نفس میں کوئی اچھی تبدیلی پیدا کرتی ہو اور خارجی فطرت کے مظاہر سے اس کا کوئی واسطہ نہ ہو ، دنیا میں کوئی تبدیلی نہ ہو مگر انسان خود بدل جائے ۔ دعا کے حقیقی ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ حقیقی تبدیلی پیدا کرے خواہ وہ تبدیلی خارج میں ہو اور خواہ باطن میں ۔ مذہب کے اندر یہ یقین واثق موجود ہے کہ جو نتائج کسی اور طریقے سے پیدا نہیں ہو سکتے وہ دعا سے پیدا ہو سکتے ہیں ۔ فطرت میں جو قوتیں بند تھیں ان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ممکنات وجود معرض شہود میں آ جاتے ہیں ۔

اس خیال کو فریڈرک مائرز نے ایک خط میں بڑی وضاحت سے پیش کیا ہے جو اس نے ایک دوست کو لکھا ۔ اس دوست نے مجھے اس کے حوالے کی اجازت دی ہے ۔ اس خط کا اقتباس درج ذیل ہے ۔ مائرز لکھتا ہے :

"مجھے اس سے خوشی ہوئی کہ تم نے دعا کی نسبت مجھ سے سوال کر لیا ہے کیونکہ میں اس کے متعلق کچھ مضبوط خیالات

http://www.Mypdfsite.com

رکھتا ہوں۔ میرے لئے یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ہمارے گردا گرد ایک روحانی عالم ہے اور اس روحانی عالم کا مادی عالم سے حقیقی رابطہ ہے۔ مادی عالم کا قیام اسی روحانی عالم کی بدولت ہے۔ ہماری ارواح کی قوت کا ماخذ بھی یہی روحانی عالم ہے۔ ہماری روحیں کبھی کم کبھی زیادہ اس قوت کو جذب کرتیں اور اس سے فیضیاب ہوتی ہیں جس طرح جسم عالم مادی سے غذا حاصل کرتا ہے اور انہضام سے اپنی قوتوں کو برقرار رکھتا یا ان میں اضافہ کرتا ہے۔

میرے نزدیک یہ محض نظریہ نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے کیونکہ ہمارا تجربہ اس کی شہادت دیتا ہے۔ اس کے سوا ہمارے تجربے کی کوئی اور توجیہ نہیں ہو سکتی۔ اس کی تفصیل اس اجمال میں بیان نہیں ہو سکتی۔ اب سوال یہ ہے کہ حقیقت وجود اگر یہی ہے تو ہمارا طرز عمل اس کے متعلق کیا ہونا چاہئے؟ اس سے صاف نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ہمیں حیات روحی کو زیادہ سے زیادہ جذب کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اپنے نفوس کو اس حالت میں رکھنا چاہئے جو اس اخذ قوت کے لئے بہتر ہو۔ میرے نزدیک دعا اسی کیفیت نفس کا نام ہے جس میں روح اس جذب کے لئے آمادہ ہوتی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ دعا میں ہمارا مخاطب کون ہو تو اس کا جواب میرے پاس یہی ہے جو تم کو بہت عجیب معلوم ہوگا کہ مخاطب کے وجود کو متعین کرنا ضروری نہیں۔ دعا محض ذاتی احساس نہیں، اس ذریعے سے انسانی نفس بالا تر روحانی قوت کو جذب کرتا ہے لیکن اس عمل کی پوری ماہیت ہم پر واضح نہیں۔ عمل ضرور

http://www.Mypdfsite.com

ہوتا ہے لیکن یہ نہیں کہ سکتے کہ کیسے ہوتا ہے اور عالم روحی کی طرف سے عمل کرنے والی ہستی کس قسم کی ہے یا یہ فضل ہم کو کس راستے سے پہنچتا ہے ۔ اس تفصیل و تعیین میں پڑنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہمارا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا ۔ اگر عیسائی بچے مسیح کو مخاطب کر کے دعا مانگتے ہیں تو اس میں کوئی خلل نہیں کیونکہ ہماری معلومہ ہستیوں میں سے وہ برترین ہستی ہے لیکن ہمیں یہ یقین کرنے کا حق حاصل نہیں کہ مسیح خود ہماری دعاؤں کو سن رہا ہے ۔ اور اگر یہ کہیں کہ خدا سنتا ہے تو ہم اپنے پہلے خیال ہی کو دوسرے الفاظ میں دہرا رہے ہیں کہ فضل کا فیضان ہمیں ایک لا محدود عالم روحی سے حاصل ہوتا ہے ۔ اگر خدا سے ہماری یہی مراد ہے تو یہ عین حقیقت ہے ۔

عالم روحی کی صفات اور اس کے انداز عمل کی نسبت عقائد مختلف ہو سکتے ہیں ۔ چونکہ اس کا پورا علم کسی کو نہیں اس لئے مختلف مذاہب میں اس کی نسبت قیاسات و عقائد اور تعینات مختلف ہیں لیکن ان فروعی اختلافات کا حقیقت دعا پر کوئی اثر نہیں پڑتا جو فقط اتنی ہے کہ انسانی روح مادی کائنات سے ماوریٰ عالم روحی سے ربط پیدا کرتی اور اس سے فیض یاب ہوتی ہے ۔

ابھی ہم اس امر کے متعلق اپنے فیصلے کو ملتوی رکھتے ہیں کہ حقیقت میں عالم روحی سے جذب قوت ہوتا ہے یا نہیں اور اگر ہوتا ہے تو اس کی کیا حقیقت ہے ۔ اس سے قبل ہم دعا کے اثر کی نسبت کچھ اور بیانات درج کرتے ہیں ۔ جورج میولر کا قصہ

http://www.Mypdfsite.com

شاید آپ نے سنا ہوگا جس نے ۱۸۹۸ء میں وفات پائی - میولر کی دعائیں زیادہ تر ادنیٰ قسم کی درخواستیں ہی تھیں - زندگی کے آغاز ہی میں اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ انجیل و تورات میں جو وعدے ہیں ان کو حرف بحرف درست سمجھے ، اس نے کہا کہ میری تمام جائز ضروریات کا خدا کفیل ہے -

(کارساز ما بفکر کار ماست فکر ما در کار ما آزار ماست)

میں ہر کام میں خدا پر کامل بھروسہ رکھونگا کہ وہی اس کی تکمیل کے اسباب خود مہیا کریگا - وہ بڑا فعال انسان تھا - اس توکل سے اس کی جدوجہد میں کوئی فرق نہ آتا تھا - اس کی زندگی نہایت کامیاب زندگی تھی - اس نے لاکھوں انجیلیں تقسیم کیں ، سینکڑوں مدرسے اور یتیم خانے بنائے - ان کاموں پر اس نے کم از کم ڈیڑھ ملین پونڈ خرچ کئے اور بر و بحر میں کوئی دو لاکھ میل کا سفر کیا - وہ اپنے لئے نہ کچھ مانگتا تھا اور نہ کچھ پس انداز کرتا تھا - اس کی ذاتی ملکیت بس اس کے کپڑے اور گھر کا ضروری سامان تھا اور روزانہ ضرورتوں کے لئے تھوڑی سی نقدی اس کے پاس رہتی تھی - چھیاسی برس کی عمر میں جب اس نے وفات پائی تو اس کا ترکہ صرف ایک سو ساٹھ پونڈ تھے - پبلک کاموں کے لئے تو وہ دوسروں کی طرف رجوع کرتا تھا لیکن اپنی نجی زندگی میں اس نے صرف خدا سے واسطہ رکھا تھا - کنجیاں گم ہو جاتیں تو خدا سے پوچھتا تھا کہ وہ کہاں رکھی ہیں - ملاقات کے لئے آنے والا کوئی شخص اگر وقت پر نہ پہنچے تو خدا سے کہتا تھا کہ اس کو بھیجے - وہ یقین کے ساتھ جواب کی توقع رکھتا تھا - انجیل کی کوئی آیت سمجھ میں نہ آئے تو

http://www.Mypdfsite.com

خدا سے درخواست کرتا تھا کہ روح القدس کے ذریعے سے اس کا مطلب اس پر واضح کر دے۔

اس کی یہ عادت تھی کہ ہر چیز نقد خریدتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ خدا بھی روزی ہمیں ہر روز پہنچاتا ہے اور کچھ ادھار نہیں رکھتا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم کوئی چیز ادھار لے لیں اور وقت پر اس کی قیمت ادا نہ کر سکیں اور اس شخص کو مشکل میں ڈال دیں جس نے ہم پر اعتبار کر لیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ خدا کا حکم ہے کہ کسی انسان کے مقروض نہ ہو، اس حکم پر حرف بحرف عمل کرنا چاہئے۔

اس کے یتیم خانے میں کبھی افلاس کی یہ حالت ہوئی کہ صبح کے ناشتے کے بعد شام کے کھانے کے لئے نہ کوئی جنس ہوتی نہ کوئی نقدی۔ وہ کسی انسان کو اس کی اطلاع نہ کرتا اور نہ کسی سے کچھ طلب کرتا لیکن خدا کی طرف سے کچھ نہ کچھ انتظام ہو جاتا۔ یتیم خانوں اور مدرسوں اور رفاہ عام کے کاموں کے لئے ضرورت خواہ کتنی شدید ہو وہ قرض نہیں لیتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ میں عجلت سے خواہ مخواہ پیش قدمی کیوں کروں۔ خدا کا کام ہے، جب وہ مناسب سمجھیگا ہر وقت اس کے لئے سرمایہ و سامان مہیا کر دیگا۔ خدا کے کاموں کے لئے قرض لینا اس پر بے اعتمادی کرنا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کے بڑے سے بڑے کام سر انجام پاتے ہی رہے۔ کبھی قلت سرمایہ کی وجہ سے رکے نہیں۔ اگر حصول اسباب میں تاخیر ہوتی تو اس کو یقین ہوتا کہ خدا میرے ایمان و صبر کی آزمائش کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب میں اس آزمائش میں

http://www.Mypdfsite.com

پورا اترتا تو خدا مجھے اور وافر ذرائع عطا کرتا ۔ اپنے روز نامچے میں لکھتا ھے کہ ”دیکھو آزمائش صبر و ایمان کے بعد آج خدا کا کیا فیضان ھوا۔ کسی نے دو ھزار اور پچاس پونڈ میرے حوالے کئے اور کہا کہ دو ھزار تعمیر کے لئے ھیں اور پچاس موجودہ ضروریات کے لئے۔ مجھے اس عطیہ الٰہی سے بے حد مسرت ھوئی لیکن کوئی تعجب نہ ھوا۔ دعا کے مستجاب ھونے کے متعلق مجھے ھمیشہ یقین ھوتا ھے ، اس لئے جواب دعا میں مجھے جو کچھ ملتا ھے وہ میرے لئے غیر متوقع نہیں ھوتا۔ اس عطیہ کو پا کر میں اظہار تشکر میں خدا کے سامنے سر بسجود ھو گیا۔“

جورج میولر کا معاملہ اس بارے میں درخواست گزاری اور حاجات طلبی کی دعاؤں کا ایک غیر معمولی حصہ ھے لیکن اس لحاظ سے بھی غیر معمولی ھے کہ خدا کے بارے میں اس کا عقلی افق بھی نہایت تنگ اور محدود ھے۔ وہ خود کہتا ھے کہ میرا خدا میرے کار و بار میں شریک کار ھے۔ اس کا خدا ایک طرح کا فوق الفطرت پادری ھے جو برسٹل کے تاجروں کی جماعت سے خاص تعلق رکھتا ھے۔ یہی تاجر اور اسی قسم کے لوگ اس کے اولیاء ھیں۔ یتیم خانوں اور میول کی دیگر مہمات میں وہ گہری دلچسپی رکھتا ھے لیکن ان وسیع و بلند صفات سے محروم ھے جن کا ادراک عارفوں کو ھوتا ھے۔ غرضیکہ میولر کی طبیعت فلسفیانہ اور حکمت پسند نہیں۔ خدا کے ساتھ اس قسم کا نجی تعلق انسان کے ابتدائی دور فکر میں پایا جاتا ھے۔ میولر اس سطح سے بلند نہیں ھو سکا۔ ایمرسن اور فلپ بروکس کے ساتھ

http://www.Mypdfsite.com

اس کا مقابلہ کرو تو اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ انسانوں کے مذہبی شعور میں پستی سے بلندیوں تک کتنی تدریج ہے۔

اس قسم کے خدا کا ایک تنگ نظر معتقد ملاح اپنے حالات لکھتا ہے۔ ۱۶۸۹ء میں وہ ایک اور انگریز نوجوان کے ساتھ ایک فرانسیسی جہاز میں قید ہو گیا۔ موقع پا کر ان دونوں نے جہاز کے سات فرانسیسی ملاحوں پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ اس حملے میں ہر حرکت کے اندر وہ خدا کو شریک گردانتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ''دو تین فرانسیسیوں نے مجھے اٹھا کر پٹخنا چاہا تو خدا کی مدد سے میں نے اپنے پاؤں جما لئے۔ پھر میں نے کہا اے خدا کوئی سلاخ لوہے کی دلوا دے تو میں اس شخص کے سر پر رسید کروں جس نے مجھے پکڑ رکھا ہے۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک سلاخ قریب ہی موجود تھی۔ خدا کی مدد سے میں نے دو چار ضربوں سے اس کی کھوپری توڑ ڈالی۔ پھر خدا نے میرے دل میں ڈالا کہ تمہاری جیب میں جو چاقو ہے اس کو نکال کر اس کے جسم میں بھونک دو۔ میں ہر قدم پر خدا سے پوچھتا تھا کہ اب کیا کروں اور وہ مجھے بتا دیتا تھا۔ غرضیکہ اس قاتلانہ حملے میں ہر لمحہ اور ہر قدم پر میں خدا کی براہ راست ہدایت سے عمل کر رہا تھا۔ میں خدا کی مدد سے کامیاب ہو گیا اور فرانسیسی کو قتل کر ڈالا''۔ اس قسم کے خدا اور اس قسم کے معتقد کی ذہنیت روحانیت اور اخلاق کا آپ خود ہی اندازہ کر لیجئے۔ اس قسم کی درخواستوں والی دعاؤں اور ان کی قبولیت سے دینیات کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور یہ سب کچھ خدا کے

http://www.Mypdfsite.com

حاضر و ناظر اور معاون ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔

مذکورہ صدر انتہائی مثالوں کو چھوڑ کر عیسائیوں کی زندگی اس قسم کے احساس میں سے گزرتی ہے کہ خدا ان کی زندگی کی نگرانی کر رہا ہے، ہدایت کر رہا ہے، اعانت کر رہا ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر ہلٹی کا بیان ملاحظہ ہو۔ وہ اپنی کتاب 'سعادت' (گلیوک) میں لکھتا ہے:

''میرا تجربہ ہے کہ عین ضرورت کے وقت کبھی مطلوبہ کتاب غیر متوقع طور پر مل جاتی ہے، کبھی کوئی شخص پردۂ غیب سے آ کر معاون ہو جاتا ہے۔ خدا پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے انسان آنکھیں بند کرکے عظیم خطرات سے بے ضرر گزر جاتا ہے، خواہ یہ خطرے اخلاقی ہوں یا مادی و جسمانی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرف جانا ممنوع اور خطرناک ہے اس طرف کانٹوں کی جھاڑیاں راستہ روکے ہوئے ہیں۔ بڑی بڑی رکاوٹیں راستے سے ہٹ جاتی ہیں۔ عین وقت پر خدا کی مدد سے غیر معمولی ہمت پیدا ہو جاتی ہے یا ایسی بصیرت عطا ہوتی ہے جو کسی الجھے ہوئے مسئلے کو حل کر دیتی ہے۔ زندگی پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا ہماری مدد کرنا یا نہ کرنا سب خدا کی تجویز کے مطابق تھا اور سب کچھ ہماری بھلائی کی خاطر تھا۔ بعض اوقات خدا ہمارے مال کا نقصان اس لئے کرتا ہے کہ حرص مال مقاصد عالیہ میں حائل ہو رہی تھی۔

''خدا کی کارسازی پر کامل بھروسہ رکھنے سے عجیب اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ انسان نفع و نقصان سے بے پرواہ ہو کر زندگی

http://www.Mypdfsite.com

کی راھوں سے گزرتا ھے ۔ نہ اس کو خوف ھوتا ھے اور نہ غم۔ خدا کے زیر ھدایت انسان کسی کام میں نہ عجلت کرتا ھے اور نہ تاخیر ۔ یہ یقین ھوتا ھے کہ مناسب وقت پر کام ھو جائے گا ، پریشان ھونے کی ضرورت نہیں ۔ اپنا اھم کام بھی ایسا معلوم ھوتا ھے جیسا کہ کسی دوسرے کا کام ھو جو ھمارے سپرد کیا گیا ھو لیکن اس کے اچھے یا برے نتائج کے ھم ذمہ دار نہ ھوں ۔ اگر کوئی آرزو جلد پوری نہ ھوں تو بھی انسان اطمینان و سکون سے اس کے بروقت پورا ھونے کی امید رکھتا ھے اور یاس اس پر طاری نہیں ھوتی ۔ ایسا معلوم ھوتا ھے کہ کوئی دوسرا شخص جو دانا ، ھمدرد اور موقع شناس ھے ھر وقت ھمارے حالات کا نگران اور نیک انجام کی طرف ھمارا ھادی ھے۔ ھم اپنے متعلق غافل ھو جاتے ھیں لیکن وہ غافل نہیں ھوتا ۔

''خدا پر اس قسم کے ایمان واثق سے ایک اور اچھا نتیجہ بھی پیدا ھوتا ھے کہ انسان شریر اور شر انگیز لوگوں کے اعمال پر بھی غضبناک نہیں ھوتا کیونکہ اس کو یقین ھوتا ھے کہ یہ لوگ بھی حصول خیر کے لئے الٰہی مشیت کے وسائل آلات ھیں۔ (خدا شرے بر انگیزد کہ خیر ما دراں باشد) ۔ ھدایت الٰہی کے شعور کے ساتھ ھر چیز کی نسبت انسان کا زاویہ نگاہ بدل جاتا ھے۔ جس شخص کو یہ تجربہ ھوتا ھے خدا کی ھدایت کی نسبت اس کی بصیرت ایسی تیز ھو جاتی ھے کہ دنیاوی عقل اور حکمت اس کے مقابلے میں ھیچ معلوم ھوتی ھیں۔''

مذھبی لوگوں کا ایک اور طبقہ ھے جو اس قدر تفصیلی

http://www.Mypdfsite.com

الٰہی نگرانی اور ھدایت کا ذکر نہیں کرتا اور یہ نہیں کہتا کہ خدا پر بھروسا کرنے کے اجر میں ھمیں مختلف حالات میں کیا کیا منافع حاصل ھوئے ۔ ایسے لوگ کہتے ھیں کہ روح کا جب خالق و سر چشمہ حیات سے رابطہ ھوتا ھے تو احوال بدلیں یا نہ بدلیں ان کا رنگ بدل جاتا ھے اور ان کے معنی کچھ اور ھو جاتے ھیں ۔ طبیعت پر ان کا اثر بدل جاتا ھے گویا مردہ فطرت میں نئی جان پڑ گئی ھے ۔ اس تغیر کو محبت کی مثال سے سمجھ سکتے ھیں ۔ ایک شخص سے اگر آپ کو گہری محبت ھو جائے تو وہ شخص آپ کو کچھ اور ھی دکھائی دینے لگیگا ۔ وہ شخص تو نہیں بدلا لیکن آپ کی نظر بدل گئی ھے ، اب آپ کو اس میں وہ کچھ نظر آتا ھے جو پہلے نظر سے اوجھل تھا ۔ صوفی کا تجربہ یہ ھے کہ اگر آپ کو سر چشمۂ حیات و کائنات سے محبت ھو جائے اور یہ محبت گہری ھو جائے تو اس کی بدولت انانیت سوخت ھو جائیگی ، آپ خوف و حزن سے بالا تر ھو جائینگے اور زندگی کے تمام مواقع پر آپ کو فیض ھی فیض محسوس ھوگا ۔ ایسا معلوم ھوگا کہ تمام دروازے کھل گئے ھیں اور تمام راھیں کشادہ ھو گئی ھیں ۔ یہی پرانی دنیا بدل کر کچھ اور ھو گئی ھے ۔

مارکس اوریلس اور اپکٹیٹس کی روحانی کیفیت اسی انداز کی تھی ۔ دین و فلسفہ میں ماورائیت کے قائل اور جدید زمانے کے نفسی معالج اور آزاد خیال عیسائی بھی اسی تغیر آفرین روحانیت کے قائل ھیں ۔ اپکٹیٹس کہتا ھے :

''العجب ! العجب !۔مخلوقات کے اندر ھر چیز منکسر اورمتشکر

http://www.Mypdfsite.com

انسان کے لئے ربوبیت کا ثبوت اور اعلان ہے۔ گھاس کھا کر گائے کے تھنوں میں دودھ پیدا ہوتا ہے، دودھ سے پنیر بنتا ہے۔ جانوروں کی کھالوں پر نرم و گرم اون اگتی ہے۔ یہ سب کچھ کس کی تجویز اور کس کا انتظام ہے؟ کاشت کرتے ہوئے یا اس کی پیداوار کھاتے ہوئے ہمیں حمد خدا کے گیت الاپنے چاہئیں۔ اللہ اکبر! ۔۔ عظیم و کبیر ہے وہ ذات جس نے یہ سامان مہیا کئے، جس نے ہاتھ پاؤں عطا کئے، جس نے غذا پیدا کی اور اس کے انہضام کا انتظام کیا۔ جب ہم نیند میں بے خبر سوتے ہیں اس وقت بھی تمام اعضا کے اعمال و وظائف جاری رہتے ہیں۔ ہمیں مسلسل ان عنایات کا احسانمند ہونا چاہئے۔ عام لوگوں کو اس کا احساس نہیں لیکن جس کو ہے اسے صبح و شام حمد و ثنا میں مشغول رہنا واجب ہے۔ میرے جیسا لنگ و ضعیف انسان اور کیا کر سکتا ہے۔ اگر میں بلبل ہوتا تو اس کی طرح چہچہاتا، اگر میں بطخ ہوتا تو اس کی طرح تیرتا لیکن میں ایک ذی عقل ہستی ہوں، میرا فرض خدا کی حمد و ثنا ہے اور میری خواہش ہے کہ تم سب اس میں شریک ہو جاؤ۔"

اپکٹیٹس قبل عیسائیت کا رواقی موحد تھا۔ اب میں ایک مشہور عیسائی دینی فلاسفر مارٹینو کے مواعظ میں سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں:

"یہ عظیم الشان کائنات جو اس وقت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے زمانۂ قدیم میں بھی اپنے تمام جلال و جمال کے ساتھ یوں ہی موجود تھی۔ ملٹن باغ و راغ میں جس سہانی اور روح پرور

http://www.Mypdfsite.com

صبح کا گیت گاتا ہے وہی صبح اب بھی موجود ہے۔ اگر خدا ہمیں اپنے گھروں میں، گزرگاہوں میں اور ساحل دریا پر نظر نہیں آتا، اگر وہ ہمیں تخم کی کشاد اور پھول کے کھلنے میں دکھائی نہیں دیتا، اگر وہ دن کے فرائض اور رات کے تخیل زا سکون میں نہیں پایا جاتا، اگر وہ ہمارے خندہ و گریہ میں پنہاں نہیں، اگر اس مسلسل گذرتے ہوئے کاروان حیات میں اس کی نمود نہیں، جہاں ہستیاں پردۂ خفا سے ظہور میں آتی اور ظہور سے خفا میں واپس ہوتی رہتی ہیں، اگر ان سب مظاہر کے لئے ہمارے پاس چشم بینا نہیں تو وہ ہمیں جنت میں بھی نظر نہیں آسکتا۔ انسان اپنی بہری کی وجہ سے اس اعجاز سے بھری ہوئی کائنات کو دیدہ وری سے نہیں دیکھتا اور خیال کرتا ہے کہ معجزوں کا عالم ماضی کے کسی دور میں تھا یا اس کا ظہور کسی خاک افلاک سے پرے ہے۔ نواہائے راز سے آشنا کے لئے ہر مظہر فطرت پردۂ ساز ہے۔ اصل مذہبی انسان وہ ہے جسے خدا کا ہر مظہر معجزہ معلوم ہوتا ہے۔ خوارق عادت میں خدا کی قدرت کو تلاش کرنے والا در حقیقت مذہبی انسان نہیں یا اس کی مذہبیت کا درجہ نہایت پست ہے۔ فطرت میں جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کی سنت ہے جو ہمارے لئے ایک حد تک قابل فہم ہے۔ خدا کے قابل فہم کارناموں کو چھوڑ کر اس کو فقط وہاں تلاش کرنا جہاں قانون عام سے ہٹی ہوئی بات ہمارے لئے ایک معما ہو کوئی معقول بات نہیں۔ فطرت کے عام طریقے خدا کو اس قدر پسند ہیں کہ ان کی تکرار اس کو ناگوار معلوم نہیں ہوتی۔ خوارق عادت جنہیں معجزات کہتے ہیں وہ خدا کو اتنے پسند نہیں کہ ان کو

http://www.Mypdfsite.com

اکثر دھرایا کرے۔ دیدہ ور کو ہر صبح وھی حیرت انگیز اور عابدانہ مسرت ھوتی ھے جو آدم کو باغ رضواں میں پہلی صبح کو محسوس ھوئی تھی۔ خدا کے عرفان کے لئے اس زمان و مکان سے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ اس ذات سرمدی کا احساس ھماری ارواح میں یہیں بیدار ھوسکتا ھے۔ اس حی و قیوم خدا کا حضور چشم بصیرت کے لئے ھر مقام پر اور ھر لمحے میں موجود ھے۔"

جب ھم سب چیزوں کو نور الٰہی سے دیکھنے لگتے ھیں اور ھر شے کو مشیت الٰہی سے وابستہ کر کے سوچتے ھیں تو ھر بات ھمارے لئے بلند معانی کی حامل ھو جاتی ھے۔ عادت کی وجہ سے گرد و پیش کی چیزیں ھماری نظروں میں غیر اھم اور بے جان ھو جاتی ھیں لیکن خدا شناس نظر کے لئے یہی بےجان سی کائنات زندہ اور ایک نئے نور سے منور ھو جاتی ھے۔ میرا ایک دوست اپنے ایک خط میں اس انقلاب نظر کی کیفیت یوں بیان کرتا ھے :

" اگر ھم خدا کی ان رحمتوں کا شمار شروع کریں جن کا فیضان ھم پر ھوا تو اس کا جائزہ لینے کے لئے ھم تھک جائیں اوز وہ ختم نہ ھوں۔ ھم اس احسان کی اتنی گرانباری محسوس کریں کہ دل و دماغ کو ان نعمتوں کو گننے کی فرصت نہ رھے جو ھم سمجھتے ھیں کہ ھمیں حاصل نہیں ھوئیں۔ خدا کے احسانوں کے بار گراں کے نیچے انسان دب جاتا ھے۔ اندر باھر گرد و پیش فیض ھی فیض ھے جس کے بغیر کسی وجود کا قیام نا ممکن ھے۔ خدا کے آغوش محبت میں ھوتے ھوئے کیا ھم اس سے محبت نہ کریں۔"

بعض لوگ اس زاویہ نگاہ کے عادی ھو جاتے ھیں اور انہیں ھستی کے ھر ساز میں خدا کی آواز سنائی دیتی ھے لیکن کبھی کبھی

http://www.Mypdfsite.com

کسی کے اندر کوئی معمولی سا واقعہ عارضی طور پر اس حس کو بیدار کر دیتا ہے۔

آبّ کلیسا گراٹی (Graty) جوانی کے زمانے کا ایک واقعہ بیان کرتا ہے جب اس کی طبیعت اندوھگیں تھی۔ ''ایک شام مدرسے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا کہ ایک شخص نہایت سرتال سے ڈھول بجاتا ہوا گزر رہا ہے۔ اس کے ڈھول کی موسیقی ایسی تھی کہ زندگی کے متعلق میری عیب چینی اور بیزاری یک بیک رفع ہو گئی۔ اس کی آواز میں ایک روح تھی، ایک ترنم تھا اور ایسی ثروت تاثر تھی جس سے بہتر اور برتر قیاس میں نہیں آسکتا۔ اس آواز میں جو حقیقت تھی وہ روح کی تمناؤں کی انتہا تھی۔ میں مسحور و مطمئن ہو گیا۔ ایک ادنیٰ سے ڈھول کے کمال نے مجھے یہ احساس دلایا کہ ہستی کے اندر خیر کے وجود کا بھی امکان ہے جو اس وقت اتنی معمولی چیز میں بھی صورت پذیر ہو گیا ہے۔''

سینا کور کے ناول میں ایک شخص پر اسی قسم کی کیفیت موسم بہار میں پیرس کے بازار میں ایک پھول کو دیکھ کر پیدا ہوئی جس کی شگفتگی نے ایک نصب العینی عالم کو اس پر منکشف کر دیا۔ وہ کہتا ہے:

''میں نے وہ مسرت و سعادت محسوس کی جو انسان کے مقدر میں ہو سکتی ہے۔ یہ تمنا کا درجۂ کمال تھا۔ ارواح کی ناقابل بیان ہم آہنگی اور ایک مثالی عالم کی جھلک مجھے دکھائی دی۔ اس قسم کا جذبہ اس سے قبل میرے اندر کبھی پیدا نہ ہوا تھا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ کس تشبیہ و تمثیل یا کس باطنی

http://www.Mypdfsite.com

رابطے نے اس پھول کے اندر میرے لئے حسن کا دفتر بے پایاں کھول دیا۔ یہ تاثر میرے فکر و بیان کے سانچوں میں نہیں آ سکتا۔ یہ پھول مجھے جس برتر عالم میں لے گیا اس کو محسوس تو کر سکتے ھیں لیکن بیان نہیں کر سکتے۔ یہ عالم خارجی فطرت میں وجود پذیر نہیں ھو سکا اگرچہ گل شگفتہ یا کوئی اور مظہر حسن اس کی طرف رھنمائی کر سکتا ھے۔"

ھم پہلے خطبوں میں بیان کر چکے ھیں کہ نفسی انقلاب کے بعد مذھبی انسانوں کے لئے دنیا کا رنگ کس طرح بدل جاتا ھے اور کس طرح ھر واقعہ اسے ایک پرمعنی حقیقت محسوس ھوتا ھے۔ جن فطری احوال و مظاھر کا ان کی زندگی کے ساتھ کوئی رابطہ ھو ان کے اندر ان کو الٰہی مشیت نظر آتی ھے۔ دعا کی بدولت یہ مشیت ان پر کم و بیش واضح ھو جاتی ھے۔ اگر کوئی واقعہ ان کو ابتلا و آزمائش نظر آئے تو اس کو برداشت کرنے کی قوت خدا سے ان کو عطا ھو جاتی ھے۔ دعا کرنے والے کی زندگی میں کسی عمیق سرچشمے سے ایسی قوت کا اضافہ ھوتا ھے جس کا اظہار عالم مظاھر کے اعمال میں ھوتا ھے۔ یہ اثر کبھی نفس کی زندگی میں ظاھر ھوتا ھے اور کبھی عالم خارجی میں۔ مذھب کا اساسی عقیدہ یہ ھے کہ دعا کے ذریعے سے خفتہ روحانی قوتیں بیدار ھوتیں ھیں اور کچھ روحانی نتائج پیدا کرتی ھیں۔

مذھبی زندگی کا ایک اور پہلو جو ابھی قابل غور ھے وہ یہ ھے کہ اس کے اکثر مظاھر کا تعلق تحت الشعور سے ھے۔ آپ کو یاد ھوگا کہ میں نے اپنے ابتدائی خطبے ھی میں یہ کہا تھا کہ مذھبی زندگی کے سوانح میں امراض نفسی کا غلبہ

http://www.Mypdfsite.com

معلوم ہوتا ہے۔ آئمۂ دین میں آپ کو کم ہی ایسے بزرگ نظر آئینگے جن کی زندگی میں ایسے واقعات نہ ملیں کہ وہ بے ارادہ کچھ باتیں کرنے لگتے ہیں یا ان کو کچھ آوازیں سنائی دیتی ہیں یا کچھ عجیب و غریب چیزیں نظر آتی ہیں۔ دور وحشت کے پروھتوں میں بھی یہ باتیں پائی جاتی اور اونچی ذھنی سطح پر نہایت معقول و مہذب انسانوں میں بھی۔ سینٹ پال پر بھی ایسی کیفیتیں طاری ہوتی تھی اگرچہ وہ ایسی آرزوؤں کو زیادہ اہم نہ سمجھتا تھا۔ یہ باتیں عیسائی اولیا میں بھی عام طور پر ملتی ہیں اور ایسے لوگوں میں بھی جن کے روحانی تجربات کو راسخ العقیدہ لوگوں نے کفر قرار دیا۔ برنارڈ، لویولا، لیوتھر، فوکس سب کو آوازیں بھی سنائی دیتی تھیں اور کچھ منظر بھی دکھائی دیتے تھے، بے خودی بھی طاری ہوتی تھی، کشف بھی ہوتا تھا اور ھدایت کے اشارے بھی ہوتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ نہایت درجہ حساس اور ہیجان پذیر تھے۔ ان کی یہ حساسی دینیات میں بہت نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ غیر شعوری تجربات اگر انسان کے ایمان کی تائید کریں تو یقین پختہ ہو جاتا ہے۔ کسی غیر معین حضور کا احساس کسی عقلی تصور کے مقابلے میں بہت زیادہ قوی ہوتا ہے لیکن اتنا قوی نہیں ہوتا جتنا کہ حواس کا وہ التباس جس میں غیر موجود چیز حواس کو موجود شے کی طرح محسوس ہوتی ہے۔ عیسائی اولیا کی معراج یقین یہ ہے کہ حضرت مسیح ان کو سامنے دکھائی دیں اور ان کی بات کو وہ روبرو سنیں۔ بعض حالتوں میں انسان کے جسمانی اعضا میں بھی غیر شعوری حرکت

http://www.Mypdfsite.com

ہوتی ہے اور انسان محسوس کرتا ہے کہ کوئی بالاتر قوت اس پر عمل کر رہی ہے۔ میرے ایک دوست نے جو خود ماہر نفسیات ہے خود اپنی حالت بیان کی ہے کہ میرا قلم بعض اوقات بے ارادہ اور بے ہدایت شعور خود بخود لکھنے لگتا ہے اور مجھے پختہ یقین ہوتا ہے کہ یہ میرا عمل نہیں، اپنے ارادے سے اعضائی جنبش کا اس میں قطعی فقدان ہوتا ہے۔ دو چار کتابیں اسی طرح سے لکھی ہوئی شائع بھی ہو چکی ہیں۔

پیشوایان مذہب میں وحی و الہام عام طور پر ملتا ہے۔ آئمہ دین کی ایک نوع ایسی ہے کہ ان کو اس قسم کا تجربہ کبھی کبھار ہوتا ہے۔ مہاتما بدھ، حضرت مسیح، سینٹ پال، سینٹ آگسٹائن، ہیس، لیوتھر، ولزلے کے ہاں وحی و الہام کی کیفیتیں وقتاً فوقتاً نظر آتی ہیں مگر مسلسل نہیں۔ انبیاء اولیاء کی دوسری قسم انبیائے بنی اسرائیل یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہیں اس قسم کا تجربہ اکثر یا مسلسل ہوتا ہے۔ قدیم اسکندریہ کے بعض صوفیوں میں، بعض معمولی درجے کے کیتھولک اولیاء میں، جورج فوکس اور جوزف اسمتھ کی روحانی زندگی میں بھی ایسی کیفیت بہت زیادہ ملتی ہے اور وہ اس کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔ ان سب کو یہ یقین واثق ہوتا ہے کہ وہ کسی برتر قوت کے آلۂ کار ہیں اور ان کے منہ سے بھی جو کلام ایسی حالت میں نکلتا ہے جو ان پر نازل ہوتا ہے۔

بنی اسرائیل کے انبیاء کی نسبت ایک مصنف کہتا ہے:

"یہ عجیب بات ہے کہ انبیاء کی کتابوں میں یکے بعد دیگرے ایک خاص انداز کی تکرار ہے۔ اگر یہ انبیاء اپنی طبیعت کے

http://www.Mypdfsite.com

تقاضوں اور اپنی مخصوص عقل و بصیرت سے کام لے کر بات کرتے تو ان کی باتوں میں کافی شخصی اختلاف و تنوع ہوتا لیکن ان میں سے ہر ایک یہ محسوس کرتا ہے کہ اس پر یک بیک اوپر سے کچھ وارد ہوتا ہے۔ خارج سے ایک غیر معمولی قوت اس پر عمل کرتی ہے اور وہ اس کے سامنے بالکل عاجز ہوتا ہے۔ یرمیاہ کی کتاب کی ابتدا کو بڑھو اور اس طرح ایزاکیل کی کتاب کے شروع کے دو باب دیکھو۔ یہ کیفیت صرف ابتدائے نبوت ہی میں نہیں ہوتی بلکہ عمر بھر ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ خارج سے ایک زبردست قوت ان کو کچھ کہنے پر مجبور کرتی ہے اور اس قوت کی ہدایت اور پیغام معاصر حالات کی نسبت ان کے طرز فکر و عمل کو متعین کرتے ہیں۔ نبی محض وسیلہ ہوتا ہے، اس کا ذاتی ارادہ، اس کی اپنی عقل اور اس کی اپنی خواہش کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً یسعیاہ کہتا ہے خدا نے مجھے بڑے زور شور سے ہدایت کی کہ میں اس قوم کے طریقوں کو ترک کردوں اور ان کی راہ پر نہ چلوں۔ ایزاکیل کہتا ہے کہ خدا نے اپنا زبردست ہاتھ مجھ پر رکھا۔ نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ خدا کے حکم اور اقتدار کے ساتھ بولتا ہے، اسی لئے نبی کا پیغام اس سے شروع ہوتا ہے کہ یہ خدا کا قول ہے یا خدا یوں کہتا ہے۔ ان کے کلام میں یہ بھی ہے کہ وہ خدا کی طرف سے نہیں کہ رہے بلکہ خود متکلم ہے۔ مثلاً یہ عبارت کہ "اے یعقوب اور بنی اسرائیل جو میرے مخاطب ہیں سنو، میں ہی وہ ہوں، میں ہی اول اور میں ہی آخر ہوں"۔ ایسے کلام میں نبی کی اپنی

http://www.Mypdfsite.com

شخصیت بالکل پس منظر میں چلی جاتی ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ خدا کا کلام اس کی زبان سے جاری ہو رہا ہے۔

[گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود]

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بنی اسرائیل کے ہاں نبوت ایک مخصوص پیشہ تھا اور انبیا کا ایک الگ طبقہ تھا۔ نبوت کی کچھ درس گاہیں تھیں جن میں باقاعدہ طور پر ملکۂ نبوت کی تربیت کی جاتی تھی۔ کچھ نوجوان ایک مقتدر ہستی کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور استاد کے احوال و اعمال کو لوگوں تک پہنچانے کے فریضہ کے علاوہ خود بھی صاحب الہام و وحی بننے کی کوشش کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان مشقوں میں موسیقی کا بھی دخل تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ان شاگردوں، مریدوں اور چیلوں میں سے کم ہی کو نبوت کا کوئی بلند درجہ حاصل ہوتا تھا۔ زیادہ تر ایسے ہوتے تھے جن کو قدر قلیل ہی فیض پہنچتا تھا۔ بعض نبوت کے جھوٹے نقال بھی بن جاتے تھے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس قسم کے نقال عمداً دوسروں کو دھوکا دیتے تھے۔ بعض یقیناً خود فریب خوردہ تھے اور وہ اس قسم کے دھوکے غیر شعوری طور پر کرتے تھے۔

اسکندریہ کا فلسفی یہودی صوفی اپنے الہام و وحی کو اس طرح بیان کرتا ہے:

"میں بعض اوقات خالی الذہن ہوتا ہوں تو یک بیک مجھ پر عالم بالا سے افکار کی بارش ہونے لگتی ہے، مجھ پر بے خودی طاری ہو جاتی ہے اور میں نہیں جانتا کہ میں کہاں ہوں اور میرے گردوپیش کون لوگ ہیں۔ نہ مجھے یہ شعور

http://www.Mypdfsite.com

ہوتا ہے کہ میں کیا کہ رہا ہوں یا کیا لکھ رہا ہوں ۔ میری بصیرت پر جو کچھ منکشف ہوتا ہے اس میں نہایت درجے کا نور و سرور ہوتا ہے اور میں جو کچھ دیکھتا ہوں اس وضاحت سے دیکھتا ہوں جس طرح جسمانی آنکھ اپنے روبرو کسی مادی شے کو دیکھتی ہے ۔ اگر ہم اسلام پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نبی اسلام کی وحی تحت الشعور سے نکلتی ہے ۔ خود نبی اسلام نے اس کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات گھنٹیوں کی سی آواز سنائی دیتی ہے اور اس کا مجھ پر زبردست اثر ہوتا ہے ۔ اس کے بعد وحی نازل ہوتی ہے ۔ بعض اوقات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو آدمی کی صورت میں دیکھا اور اس سے اچھی طرح باتیں کیں ۔ بعد میں راویوں نے نزول وحی کے اور اندازوں کا بھی ذکر کیا ہے ۔ ''اتقان'' میں مفصلہ ذیل انداز بیان کئے گئے ہیں

(۱) گھنٹیوں کی آواز کے بعد وحی (۲) جبرئیل کی طرف سے قلب نبی میں القا (۳) جبرئیل کو آدمی کی شکل میں دیکھنا (۴) بیداری یا رویا میں خدا سے براہ راست حصول وحی ۔

''المواہب'' میں مفصلہ ذیل انداز وحی درج ہیں :

(۱) خواب یا رویا (۲) جبرئیل کی طرف سے القا علی قلب محمد (۳) جبرئیل داحیہ کلبی کی شکل میں (۴) جبرئیل گھنٹیوں کی آواز کے ساتھ وغیرہ ۔ (۵) جبرئیل اپنی ذاتی حیثیت میں دو دفعہ ۔ (۶) آسمانوں میں وحی ۔ (۷) نور خدا کا ورود من وراء حجاب (۸) ظہور خدا بغیر حجاب ۔ بعض راویوں نے دو اور صورتوں کا بھی ذکر کیا ہے : (۱) جبرئیل کسی اور انسان کی شکل میں (۲) خواب کے اندر خدا کی رویت ۔

http://www.Mypdfsite.com

(نوئلد کی ، تاریخ قرآن - ١٨٦٠)-

مذکورہ صدر کیفیات میں دیکھنا یا سننا یا کوئی اور حسی تجربہ ہے ، یہاں محسوسات حواس ہیں لیکن کوئی حرکت اعضا نہیں - مورمن فرقہ کے نبی جوزف اسمتھ کی زندگی میں وحی و الہام کی بہت کثرت ہے لیکن وہاں بھی محسوسات ہیں ، اور حرکی اعمال نہیں - فرشتہ اس کے پاس رونے کی الواح لایا جن پر کسی ایسی زبان کی تحریر تھی جس کا علم کسی کو نہیں - مورمن فرقے کا مذہبی صحیفہ انہیں انواح سے مرتب ہوا - ان کے معنی خود نبیٔ ملہم نہ سمجھتا تھا لیکن بعض پتھروں کے اندر جھانکنے سے ان کا ترجمہ موجودہ انگریزی زبان میں نظر آ جاتا تھا - یہ پتھر بھی الواح زریں کے ساتھ ہی تھے - بعض اور الہامات کو سمجھنے کے لئے بھی وہ ان پتھروں میں جھانکتا تھا لیکن وہ خدا سے دعا کرتا تھا کہ اس مادی وسیلہ کے بغیر ہی براہ راست اس کو ہدایت عطا ہو -

بعض اور قسم کے الہامات ہیں جن کو اصطلاحاً کشف کہتے ہیں - جورج فوکس کو جو تجربات ہوتے تھے ان کو موجودہ روحی حلقوں میں اثرات کہتے ہیں - مذہب کی تاریخ میں ہر انقلاب آفریں امام کی زندگی میں ایسے ہی غیر معمولی تجربات ملتے ہیں - یک بیک کوئی نیا حسی ادراک ہوتا ہے یا کسی نئی صداقت کا یقین محکم یا کوئی ایسی بے پناہ تحریک جو شدت کے ساتھ کسی عمل پر مجبور کرے - مورمن کلیسا کے صدر نے از راہ کرم مجھ کو ایک خط لکھا ہے جس میں اس نے بیان کیا ہے کہ اس کلیسا کے قیام اور ترقی کا مدار مسلسل وحی

http://www.Mypdfsite.com

و الہام پر ہے۔ اس کلیسا کے امام کو اب بھی خواب میں یا بیداری میں یا کچھ آوازیں سن کر جہاں بولنے والا دکھائی نہیں دیتا یا براہ راست خدا کے حضور سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔

انبیا، صوفیا اور زہاد کے حالات سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ ان کے غیر معمولی ادراکات کا تعلق ان کے تحت الشعور سے ہے۔ یہ وہ خطہ ہے جہاں ہمارے معمولی شعور کی روشنی نہیں پڑتی۔ ہمارے نفس میں روشن شعور کا حصہ تحت الشعور کے مقابلے میں نہایت سطحی اور نہایت قلیل ہے۔ انسانی نفس کے عمر بھر کے تجربوں، تحریکوں اور تاثرات کا یہ خزانہ شعور اور یاد سے الگ ہو کر گویا ایک تاریک تہ خانے میں رہتا ہے۔ کسی انسان کے حافظے میں لاتعداد یادیں ہونگی لیکن عام طور پر ان میں سے بہت ہی قلیل واضح یا غیر واضح طور پر سطح شعور پر ابھرتی ہیں، باقی مفقود نہیں ہیں لیکن شعور ان کو سطح پر نہیں لاتا۔ ہمارے جذبات، ہمارے تعصبات، ہمارے میلانات عمل، ہماری پسند یا ناپسند، غرضیکہ ہمارے محرکات عمل اکثر اسی تحت الشعور کے اندر ہیں اور غیر شعوری طور پر ہمارے اعمال اور ہمارے جذبات کو متعین کرتے ہیں۔ عقلی و استدلالی پہلوؤں کے علاوہ انسانی نفس کے اندر جو وجدانات، توہمات، تخیلات، مفروضات اور بے ثبوت یقینیات ہیں سب کا ماخذ یہی تحت الشعور ہے۔ نیند میں ہمارے سپنے بھی یہیں سے ابھرتے ہیں اور یہیں واپس ہو جاتے ہیں۔ صوفیانہ تجربے، پر اسرار ادراکات، آوازوں کا سننا، غیر ارادی اور غیر شعوری تحریر و تقریر

http://www.Mypdfsite.com

اور بہت سے غیر معمولی احساسات و حرکات کا منبع بھی تحت الشعور ہے ۔ ہپناٹزم (عمل تنویم) یا اس سے مشابہ حالتیں بھی یہیں سے پیدا ہوتی ہیں۔ حواس کے دھوکے ، نفس میں اڑے اور گڑے ہوئے خیالات ، ہسٹیریا ، ٹیلی پیتھی یعنی مختلف اذہان کے مابین ظاہری وسائل کے بغیر انتقال فکر اور تمام غیر معمولی ادراکات اسی خطے کی پیداوار ہیں ۔ اکثر مذہبی افکار و جذبات کا سر چشمہ بھی یہی ہے ۔ گہری روحانیت اور شدید مذہبی زندگی والے لوگوں میں شعور اور تحت الشعور کے درمیان راستہ کھلا ہوتا ہے ۔ عام لوگوں میں ان دو خطوں کے درمیان ایک دیوار بے در حائل رہتی ہے ۔ یہاں سے ابھرنے والے تجربات نے انسان کی مذہبی زندگی پر گہرا اثر ڈالا ہے ۔

ہمارا مذہبی مظاہر کا جائزہ ختم ہوا ۔ اگر زیادہ فرصت ہوتی تو اس کو مزید مثالوں سے طول دے سکتے تھے لیکن اکثر نمایاں تجربات و احوال روحانی کا خاکا اب ہمارے سامنے ہے ۔ اس مواد سے تنقیدی نتائج اب ہم آخری خطبے میں نکالینگے ۔

http://www.Mypdfsite.com

بیسواں خطبہ

نتائج

فطرت انسانی کے مطالعہ کا مواد اب ہمارے سامنے ہے۔ احوال و ارادت کو پیش کرنے کے فرض سے سبکدوش ہو کر اب ہم اطمینان سے فطری اور عملی نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ اولیں خطبے میں تجربی تحقیق کے اصول کی حمایت میں ہم کہ چکے ہیں کہ ہم جو نتائج بھی اخذ کرینگے وہ اس بنا پر ہونگے کہ مذہب کی اہمیت بحیثیت مجموعی زندگی کے لئے کیا ہے۔ ہمارے نتائج ادعائی عقائد کی طرح کمال وثوق کے ساتھ اور بین انداز میں متعین نہیں ہو سکتے لیکن یہ کوشش کی جائیگی کہ جہاں تک ہو سکے ان میں تعین پیدا کیا جائے۔

مذہبی زندگی اپنے امتیازی خصوصیات کے لحاظ سے مفصلہ ذیل عقائد پر مشتمل ہے :—

(۱) ہمارا عالم مرئی و محسوس ایک روحانی عالم کا جزو ہے جو اس کی اہمیت اور معانی کا ماخذ ہے۔

(۲) ہمارا مقصود حیات یہ ہے کہ اس عالم بالا کے ساتھ ربط و ہم آہنگی پیدا کی جائے۔

(۳) خواہ اس عالم روح یا روح عالم کو خدا کہئے یا قانون ہستی۔

دعا یا اس عالم روحی کے ساتھ باطنی رابطہ ایک ایسا عمل ہے جو ہماری روحانی قوت میں اضافہ کر سکتا ہے جس کی بدولت

http://www.Mypdfsite.com

تفس یا مادی عالم میں کچھ نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

مذہبی زندگی میں مفصلہ ذیل نفسیاتی صفات بھی پائے جاتے ہیں۔

(۴) ایک نئے انداز کا عشق یا جذبہ جو زندگی کو ایک نعمت کے طور پر حاصل ہوتا ہے۔ کہیں تو یہ والہانہ ترنم انگیز اور روح پرور کیفیت پیدا کرتا ہے اور کہیں ہمت و شجاعت کا مصدر ہوتا ہے۔

(۵) سلامتی اور اطمینان قلب کا احساس اور دوسروں کی نسبت محبت کا غلبہ۔

روحانی احوال کی مثالوں میں بھی ہم کو محسوس ہوتا تھا کہ ہم جذبات کے دریا میں غوطہ لگا رہے ہیں۔ اس قدر غوطہ زنی کے بعد اب ہم عقلیت کے ساحل خشک پر بیٹھ کر ذرا ٹھنڈے طریقے سے ان احوال کے نتائج پر غور کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ ان خطبات کے اندر احوال مذکورہ میں جذبات کی طغیانی نظر آتی ہے اس کی ایک وجہ میرا انتخاب بھی ہے۔ میں نے ایسے ہی احوال منتخب کئے جن میں غیر معمولی شہرت پائی جاتی تھی۔ آپ میں سے جو اصحاب طوفانی جذبات کو نظر تحسین سے نہیں دیکھتے وہ کہتے ہونگے کہ میں نے ان مبالغہ آمیز احوال کی بجائے معتدل اور متوازن مثالیں کیوں نہ جمع کیں۔ میرا جواب یہ ہے کہ گہرے معلومات ان انتہائی مثالوں میں سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ کسی علم و فن کے رموز کا مطالعہ کرنے کے لئے ہم اس فن کے ماہرین کی طرف رجوع کرتے ہیں خواہ وہ ہمیں بہت کچھ انوکھے انسان ہی دکھائی دیں۔ ان کے معمولی شاگردوں سے ہم کو کچھ

http://www.Mypdfsite.com

زیادہ توقع نہیں ہوتی - جو کچھ ماہرین کے اندر ہمیں دکھائی دے اس کو ہم اپنی عقل کے ساتھ ملا کر آزادانہ کچھ رائے قائم کرتے ہیں - مذہب کا مطالعہ بھی اس طریق سے ہونا چاہئے - اب ہمیں یقین ہے کہ ان انتہائی مثالوں کا جائزہ لے کر ہم کو اتنا علم حاصل ہو گیا ہے جتنا کہ خارج سے دیکھنے والے کو دوسروں سے سننے والے کو ہو سکتا ہے - اب ہم میں سے ہر ایک کو اس سوال کا جواب اپنے لئے دینا ہے کہ مذہبی زندگی میں خطرات کس قسم کے ہیں اور کس طرح انسان ان خطرات سے بچ کر اور دوسرے عناصر سے ان کو ملا کر ان کو متوازن اور مفید بنا سکتا ہے - خرابی کسی یکطرفہ مبالغے سے پیدا ہوتی ہے -

یہاں ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے جو اس سے قبل بھی ہم کو مضطرب کر چکا ہے اور وہ یہ ہے کہ مذہب کے ساتھ دیگر عناصر کی آمیزش سے جو مرکب بنتا ہے کیا اس کا نسخہ سب انسانوں کے لئے ایک سا ہو سکتا ہے ، بالفاظ دیگر کیا سب انسانوں میں مذہبیت ایک ہی انداز کی ہو سکتی ہے ؟ کیا یہ قابل افسوس بات ہے کہ انسانوں کے اندر مذہبوں کی اور مذہبی لوگوں کی اتنی قسمیں ہیں ؟ کیا ان سب کا یک رنگ و یک آہنگ ہونا قابل آرزو ہے ؟

میرا جواب یہ ہے کہ یک رنگی ہرگز مفید حیات نہ ہوگی -

[گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے]

انسان مختلف طبائع لے کر پیدا ہوتے ہیں اور مختلف حالات میں

http://www.Mypdfsite.com

زندگی بسر کرتے ھیں، ان کے ملکات میں تفاوت ھوتا ھے۔ کیا اس تفاوت کے باوجود ان کے فرائض و وظائف ایک جیسے ھو سکتے ھیں؟ ھم میں سے ھر ایک کے مسائل حیات اور مشکلات الگ الگ قسم کے ھیں، اس لئے ھر ایک کی مشکل کا حل بھی لازماً مختلف ھونا چاھئے۔ مسائل و مواقف زندگی کی نسبت ھر ایک کا زاویۂ نگاہ الگ ھوتا ھے۔ ھر ایک کو اپنی زندگی کے مسائل اپنے مخصوص انداز میں حل کرنے چاھئیں۔ کسی کی طبیعت میں زیادہ سختی و تندی ھے، اس کو نرم کرنے کی ضرورت ھے۔ اس کے برعکس کسی کو بے حد نرم مزاجی نے ڈھیلا بنا دیا ھے، اس کا علاج طبیعت کو ذرا سخت کرنا ھے۔ کسی کو درگزر اور رواداری کی ضرورت ھے، کسی کو اپنے موقف پر جمے رھنے کی حاجت ھے۔ خدا سے رابطے کے کئی انداز ھو سکتے ھیں۔ کسی کا انداز عقلی ھے اور کسی کا جمالی، کسی کا اخلاقی۔ خدائے لامحدود کے لامحدود صفات کو اپنانے کے راستے بے شمار ھونے چاھئیں۔ ھر کسے را بہر کارے ساختند۔ تقلید عام سے یک رنگی پیدا کرنا زندگی کی ثروت اور اس کے تنوع کو فنا کرتا ھے۔ انسانی فطرت کے کئی پہلو ھیں اور انسانیت ان تمام پہلوؤں کے اجتماع کا نام ھے۔ جس طرح مختلف الفاظ کی ترکیب سے ایک فقرہ بنتا ھے اسی طرح مختلف انسانی طبائع سے مل کر انسانیت میں جامعیت پیدا ھوتی ھے۔ ایک جنگی مجاھد کا خدا بھی خدائے عساکر ھوتا ھے۔ لیکن ایک صلح خو اور صلح جو انسان کو ایک خدائے رحیم پسند ھے جو امن و سلامتی کا خواھاں اور ضامن ھے۔ ھر شخص کی صلاح و

http://www.Mypdfsite.com

فلاح کا راستہ الگ ہے۔ اگر کسی کے نفس میں تندی اور حسد ہے تو اس کے لئے نفس کشی کا راستہ صحیح ہے لیکن اگر کوئی شخص فطرتاً کریمانہ نفس رکھتا ہے تو اس کو نفس کشی کی کیوں تلقین کی جائے؟ اگر کوئی شخص بیمار اور دکھیا روح رکھتا ہے اوو زندگی اس کو مصیبت اور الجھن ہی معلوم ہوتی ہے تو اس کے لئے نجات کا طالب ہونا درست ہے۔ لیکن ایک صالح نفس زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کیوں کوشش کرے؟

ایک شخص سلامت روی میں بغیر کسی شدید اندرونی کشاکش کے اخلاقی زندگی بسر کرتا ہے اور دوسرا شخص اس سے برعکس شدید پیکار نفس میں مبتلا رہ کر اور آخرکار نفس امارہ کو مار کر نفس مطمئنہ تک پہنچتا ہے۔ اس سے پہلے ایک خطبے میں میں انسانوں کی دو انواع کا ذکر کر چکا ہوں۔ ایک کو اک جنمی اور دوسرے کو دو جنمی کہہ سکتے ہیں۔ یک جنمی انسان وہ ہے جو فطرت کی عطا کردہ صالح اور متوازن صلاحیتوں اور جبلتوں سے سیدھے راستے پر خوش و خرم اور کامیاب چلا جاتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جسے مرنے سے قبل مر جانا اور ذہنی و اخلاقی حیثیت سے اس زندگی ہی میں دوسرا جنم لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مذہب ''مو تو قبل ان تمو تو'' ہے۔ انجام کار دونوں قسم کے لوگ روحانی اطمینان حاصل کر لیتے ہیں لیکن جو اطمینان جد و جہد اور شدید نفسی انقلاب کے بعد پیدا ہوا ہے اس کا روحانی سرمایہ شروع سے آخر تک سلامت رو اور مطمئن انسان سے زیادہ ہوتا ہے۔ جس

http://www.Mypdfsite.com

شر پر وہ فتح حاصل کر لیتا ہے وہی اس کے اندر اضافہ بصیرت کا باعث بن جاتا ہے۔ یہ طبائع کے تفاوت کا نتیجہ ہے۔ مناسب یہی ہے کہ ہر شخص اپنی مخصوص جبلت کے راستے پر چلتا ہوا اپنا صراط مستقیم متعین کر کے اپنے انداز میں خدا تک پہنچنے۔ تقلید محض اور جبراً دوسروں سے ہم آہنگی یقیناً مضر ثابت ہوگی۔ جس طرح معاشرت میں انسانوں کے کئی مدارج ہیں اسی طرح روحانی زندگی میں بھی فرق مراتب ہے۔ کسی شخص کی مخصوص فطرت نے جو طریق اصلاح و ترقی منتخب کیا ہے اس کو اسی راستے پر چلنا چاہئے۔

آپ کہینگے کہ یہ اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ مذہبیت کی کلیت کو فنا کر دیگا اور یہ پوچھینگے کہ کیا مذاہب کی سائنس کا مطالعہ ہمیں مذہب کی صداقت کلی تک نہیں پہنچا سکتا؟ اس کے جواب میں میں یہی کہونگا کہ نظری علم اور عملی زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس بارے میں میں امام غزالی کا قول نقل کر چکا ہوں کہ ایک غیر شرابی طبیب کو جو حالت سکر کا علم ہوتا ہے اس کو ایک میخوار کی محسوس کیفیت سے کوئی نسبت نہیں۔ شراب پر حکیمانہ کتاب پڑھنے یا تعین کرنے سے کسی کو نشہ نہیں ہو سکتا۔ روحانی زندگی محض فکر و مطالعہ نہیں بلکہ ایک عملی تجربۂ حیات ہے۔ ایک شخص عقلاً مذہب کی نسبت نہایت معقول نتائج تک پہنچ سکتا ہے۔ حسن و قبح اور نفع و ضرر کا بخوبی جائزہ لینے کے باوجود یہ ممکن ہے کہ ایک ماہر علم مذاہب خود اپنی زندگی میں عابد و زاہد نہ ہو۔ مذہب کے تمام پہلوؤں کو وسعت نظر کے ساتھ

http://www.Mypdfsite.com

سمجھنے کا یہ نتیجہ بھی ہو سکتا ہے کہ سب کی نسبت ایک مساوی روا داری پیدا ہو جائے اور مرد حکیم ان میں سے کسی ایک کو نہ اپنائے۔ فرانس کے مشہور مفکر رینان کو دیکھئے کہ مذہب کی نسبت اس کا مطالعہ اور اس کی نظر کس قدر وسیع تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے سامنے محض ممکنات تھے اور کوئی زندہ ایمان اور یقین واثق نہ تھا۔ اس کی وسعت نظر ہی نے اس کے ایمان کو کند کر دیا تھا۔ اگر مذہب کا مقصود خدا کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنا اور اس راہ سے انسانی فلاح میں کوشاں ہونا ہے تو یہ محض طرز فکر نہیں بلکہ انداز عمل ہے۔ ادنیٰ سطح پر مذہبی زندگی بسر کرنے والا بھی عالم علم مذاہب سے افضل ہوگا۔ ساحل حیات پر بیٹھ کر اس کے جزر و مد کا تماشا دیکھنا اس دریا کے اندر نہ کشتی رانی ہے اور نہ تیراکی۔ زندگی کی رو خارج سے دیکھنے کی چیز نہیں، اس کو انسان کی رگ و پے کے اندر جاری و ساری ہونا چاہئے۔ لب لباب یہ ہے کہ مذہب کا علم محض مذہب نہیں ہے۔

علاوہ ازیں مذہب کو محض حکمت کے زاویہ نگاہ سے دیکھنا بھی کوئی سہل کام نہیں۔ طبیعی سائنس میں ایک محقق ذاتی تعصبات اور شخصی میلانات کو برطرف کر کے مظاہر کا مطالعہ اور قوانین کا استقراء کرتا ہے۔ مذہب کے بارے میں یہ انداز تحقیق نہایت دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ حکمت محض کا تقاضا یہ ہے کہ تحقیق سے قبل ہی کوئی عقیدہ قائم نہ کر لیا جائے لیکن مذاہب کے مطالعہ میں آخری مراحل پر یہ دقت پیش آئیگی کہ یا تو ان کی پیچیدگیوں اور گتھیوں

http://www.Mypdfsite.com

کو سنجھائے بغیر کوئی محقق کسی تسلی بخش حل کی امید سے کنارہ کش ہو جائے یا کسی عقیدے کی بنا پر ان گرھوں کو کاٹے۔ بالفاظ دیگر صداقت مذھب کا کوئی معیار عملی ایمان کے لئے قائم کر کے اس کی بنا پر فیصلہ کرے۔ ایسی حالت میں محض نظری طرز فکر کو ساقط کرنا پڑیگا۔ فرض کیجئے کہ مذاھب کی سائنس ھم نے مرتب کر لی اور تمام مذاھب کا بحیثیت عقائد و اعمال اچھی طرح سے جائزہ لے لیا اور اس سے اسی قسم کے نتائج اخذ کئے جنہیں میں اس سے پہلے خطبے میں بیان کر چکا ھوں۔ علاوہ ازیں یہ بھی فرض کرو کہ اس سائنس کا ماھر اس نتیجے پر پہنچا کہ جہاں کہیں مذھب ایک زندہ حقیقت ھے وہ اس یقین پر مشتمل ھے کہ کسی برتر ھستی یا ھستیوں کا وجود ھے اور دعا کے ذریعے سے ان سے اس طرح کا باطنی تعلق ھو سکتا ھے جو زندگی میں عملی نتائج پیدا کرے۔ مذھب کی سائنس بس یہی کہہ سکتی ھے کہ مذھبی عقائد و احوال میں اس قسم کا یقین لازمی طور پر پایا جاتا ھے۔ لیکن اس پر بھی تنقیدی تحقیق کے لئے یہ سوال جوں کا توں باقی رھتا ھے کہ یہ یقین کسی حقیقت پر مبنی ھے یا بعض افراد کی نفسی کیفیت کی پیداوار ھے۔

اس سوال کا جواب محض ادعائیت سے دینا ناممکن ھے۔ طبیعی علوم، انسانی علوم اور فلسفہ سب کے اندر ابھی نقص و تناقض موجود ھے۔ ھر علم اپنی حیثیت میں بھی نامکمل ھے اور دیگر علوم سے بھی اس کا رابطہ استوار نہیں۔ طبیعی علوم کو روحانی احوال سے کوئی آگاھی نہیں اور عام فلسفیانہ آئڈیلزم

http://www.Mypdfsite.com

(تصوریت) سے بھی اس کو کوئی واسطه نہیں۔ طبیعی سائنس والا اپنی تجربه گاه میں اس قدر مادیتی هوتا هے که طبیعی سائنس کا عام میلان یہی هے که مذهب کو کوئی حقیقت هی تسلیم نه کیا جائے۔ مذهب سے اس تنافر کی گونج مذاهب کی سائنس میں بھی پائی جاتی هے۔ مذاهب کے اندر توهمات کا طوفان دیکھ کر اس کے اندر یه میلان پیدا هو جاتا هے که مذهب کا هر عنصر غالباً حقیقت سے معرا هے۔ وحشی لوگ بھی دعاؤں اور منتروں سے اپنے خرافاتی دیوتاؤں سے رابطه پیدا کرتے اور اس کو عین حقیقت سمجھتے هیں۔ هارے لئے یه سمجھنا دشوار هے که اس سے کچھ روحانی نتائج پیدا هوتے هیں خواه وه نتائج ان کی وحشیانه زندگی هی سے متعلق هوں۔

مذاهب کی سائنس کے نتائج مذهب کو حقیقی سمجھنے میں معاون بھی هو سکتے هیں اور مزاحم بھی۔ موجوده فضا میں ایک عام خیال یه پھیلا هوا هے که مذهب ایک دقیانوسی چیز هے اور اس زمانے کے باقیات غیر صالح میں سے هے جب انسانی علم و عقل ابتدائی حالت میں تھے۔ اب علوم و فنون سے آراسته انسان کو دور وحشت کے عقائد سے کیا واسطه؟ دور وحشت کی مذهیت کا مطالعه کرنے والے اس خیال کی تردید میں کچھ کوشش صرف نہیں کرتے۔ مذهب کے متعلق اس خیال کو 'نظریۂ باقیات' کہنا چاهئے۔ یه خیال تعلیم یافته لوگوں میں اس قدر عام هے که اس کی مزید توضیح مناسب معلوم هوتی هے۔

هارے مذهبی جائزے سے یه واضح هوتا هے که ایک فرد

http://www.Mypdfsite.com

کی اپنی ذات اور اپنی شخصی تقدیر سے گہری دلچسپی مذہبی زندگی کا محور ہے ۔ [غالب نے کیا خوب کہا ہے ؎

دیر و حرم آئینۂ تکرار تمنا واماندگئی شوق تراشے ہے پناہیں]

مذہب گویا انسان کی انانیت کی تاریخ کا ایک عظیم الشان باب ہے ۔ دور وحشت کے دیوتا یا اس سے زیادہ عقلی زمانوں کے دیوتا اس بارے میں متفق الصفت تھے کہ انسان ان معبودوں سے کچھ نہ کچھ شخصی معاملہ رکھتے تھے ۔ انسان کی طرح یہ قوتیں بھی شخصی تھیں ۔ یوں کہنا چاہئے کہ شخصیت فکر مذہبی کی ایک اساسی خصوصیت ہے ۔ اگلے زمانوں کی طرح اس وقت بھی ایک مذہبی شخص آپ سے یہی کہیگا کہ خدا سے اس کا رابطہ شخصی ہے ۔

طبیعی سائنس میں شخصیت کو قطعاً نظر انداز کیا جاتا ہے ۔ فطرت کے قوانین شخصی نہیں اور افراد کی شخصیت کا ان کے اندر کوئی لحاظ نہیں ۔ عناصر فطرت کی فہرست میں نہ شخصیت ہے اور نہ مقصدیت ۔ فطرت کے مظاہر انسانی امور سے بے تعلق ہو کر معینہ قوانین کے ماتحت ظہور میں آتے ہیں ۔ ایک طبیعی کا ذاتی حیثیت میں ایک مذہب ہو سکتا ہے اور اپنی غیر ذمہ دارانہ ساعتوں میں وہ خدا کا قائل ہو سکتا ہے لیکن اب وہ زمانہ نہیں کہ فطرت کا مطالعہ کرنے والا خوش ایمانی میں یہ پکار اٹھے کہ آسمانوں میں خدا کا جلال نظر آتا ہے اور فطرت کے اندر خدا کی صناعی عیاں ہے ۔ طبیعی ہیئت دان کے لئے نظام شمسی کا توازن کائنات کے وحشتناک دشت بے پایاں و بے جان میں مادی قوتوں کے حوادث کی نمود ہے جو کسی مقصود کے تحت ظہور میں نہیں

http://www.Mypdfsite.com

آتی ۔ کائنات کے زمانی پیمانے میں اس کی عمر ایک لمحہ ہے ۔ ایک ساعت میں یہ اتفاقی ہم آہنگی پیدا ہوئی اور دوسری ساعت میں ناپید ہو جائیگی ۔ ہماری دنیا محض اتفاقی اور آنی جانی چیز ہے جس کو ہستئی لامحدود میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ۔ ڈارون کے نظریۂ ارتقا کے مطابق نباتی و حیوانی زندگی اتفاقات کی پیداوار ہے ۔ ماحول کے متوافق ہونے کی وجہ سے ایک وجود کی نمود ہوتی ہے اور کچھ عرصہ بعد نامساعد حالات اس کو عدم میں پہنچا دیتے ہیں ۔ حشرات الارض سے لے کر اجرام فلکیہ تک اسی اصول کا عمل ہے ۔ موجودہ طبیعات کا مزاج یہ ہے کہ کائنات کے اندر مادی ذرات کی کشاکش بے مقصد و بے معنی حرکت لا حاصل ہے ۔ طبیعی قوانین عالمگیر ہوں یا جزئی طور پر عمل کریں ان کی نہ کوئی غایت ہوتی ہے اور نہ زندگی کے اقدار کے لئے کوئی پائدار نتیجہ ۔ اس عالم کون و فساد میں کسی مقصود کے بغیر محض اتفاق سے چیزیں بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں ۔ فطرت میں کوئی ایک غایت نظر نہیں آتی جو انسان کو بھلی معلوم ہو ۔ وسیع پیمانے پر ترکیب و تخریب کے اعمال جاری رہتے ہیں اور فطرت کے اعمال ایک دوسرے کو منسوخ و نابود کرتے چلے جاتے ہیں ۔ فطرت سے خدا کا ثبوت مہیا کرنے والی دینیات جو ہمارے اجداد کو یقین آفرین معلوم ہوتی تھی اب ہمیں مضحکہ خیز نظر آتی ہے ۔ یہ بات ہمیں لغو معلوم ہوتی ہے کہ کون و مکان کا عظیم کاروبار خدا اس انداز سے چلاتا ہو کہ ہماری ادنی نجی ضروریات پوری ہو سکیں ۔ نمونے کے طور پر کرسچین ولف کے دینی فلسفۂ فطرت کو لیجئے ۔ اس شخص کے خشک مغز میں اٹھارویں صدی

http://www.Mypdfsite.com

کے تمام علوم جمع تھے لیکن انسانی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے خاک و افلاک میں کیا کیا ہوتا ہے اس کا بیان ایسے طفلانہ انداز میں کرتا ہے کہ انسان کو اس پر بے اختیار ہنسی آجائے۔ سورج اور اس کی افادیت کی نسبت اس کا مفصلہ ذیل بیان ملاحظہ ہو۔ وہ کہتا ہے:

"خدا نے سورج کو اس لئے بنایا کہ زمین پر کے موسموں کو حیوان و انسان کی زندگی کے لئے مفید بنائے۔ چونکہ انسان حیوان عاقل ہے جو کائنات پر غور کرنے سے نادیدہ خدا کا قائل ہو سکتا ہے خدا نے اس برگزیدہ ہستی کے قیام و ثبات کے لئے سورج بنایا۔ مقصود اصل انسان تھا مگر یہ مقصود سورج کے بغیر حاصل نہ ہو سکتا تھا اس لئے سورج ہستی کے اصل مقصد کے حصول میں معاون ہے۔ سورج دن کو روشن کرتا ہے تا کہ ہم ضروری کاروبار کرسکیں، سورج نہ ہوتا تو اندھیرے میں کچھ کام نہ ہو سکتا یا مصنوعی طور پر چراغوں سے روشنی کرنی پڑتی۔ جانوروں کو بھی سورج سے فائدہ پہنچتا ہے کہ وہ دن کی روشنی میں اپنی غذا تلاش کر سکتے ہیں، اندھیرے میں ان کو کچھ نہ ملتا۔ روشنی کی وجہ سے ہم نزدیک و دور کی چیزیں دیکھ سکتے ہیں۔ اگر سورج کی روشنی نہ ہوتی تو طبعی علوم بھی نہ ہوتے کیونکہ آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بغیر سائنس کے معلومات بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔ اگر ایک ماہ تک اندھیرا ہی اندھیرا رہے تو انسانوں کے تمام کام چوپٹ ہو جائیں۔ اس عارضی محرومی سے وہ سورج کی آفرینش میں خدا کی حکمت کو اچھی طرح جان جائیگا۔ سورج کی وجہ سے ہم وقت کا بھی تعین کرتے ہیں، نصف النہار

http://www.Mypdfsite.com

کی ساعت کو معین کر کے گھڑیوں کا وقت درست رکھتے ھیں۔ وقت کا حساب نہ ھو سکتا تو اجرام فلکی کی حرکات کا بھی ھم اندازہ نہ کر سکتے۔"

اٹھارویں صدی میں ایک اور کتاب اس نوعیت کی لکھی گئی جس کا بہت چرچا تھا۔ اس کا مصنف ڈرھم کہتا ھے:

"اگر خدا نے انسانوں کے اجسام کو نہ بنایا ھوتا اور دھریے جو کچھ کہتے ھیں اس کے حساب سے انسانی اجسام نہ ھوتے تو ان میں گوناگونی نہ ھوتی۔ انسانوں کے چہرے ایک ھی طرح کے ھوتے، ان کی زبانیں اور گلے ایسے یکساں ھوتے کہ ایک دوسرے کی آوازوں میں تمیز نہ ھو سکتی۔ اعصاب و عضلات ایک جیسے ھوتے تو سب لوگوں کی تحریر یکساں ھوتی۔ اس یکسانی کی وجہ سے کیا شرارت و گڑبڑ پیدا ھوتی۔ کوئی شخص اپنی چیزوں پر قابض نہ رہ سکتا، کوئی دوسرا ویسا ھی شخص ان کو لے جاتا۔ سب مرد ایک جیسے ھوتے اور سب عورتیں ھم شکل ھوتیں تو کچھ معلوم نہ ھو سکتا کہ کون کس کا شوھر ھے اور کون کس کی بیوی ھے، لوگ اپنے بچوں کو بھی پہچان نہ سکتے۔ چور، ڈاکو، بدمعاش جو چاھتے سو کرتے۔ یہ خدا ھی ھے جس کی صنعت نے یہ کیا کہ لاتعداد انسانوں میں دو افراد بھی بالکل ھم شکل نہیں ھوتے۔ دیکھئے کہ ایک شخص کے انگوٹھے کا نشان دوسرے سے نہیں ملتا اسی لئے ثبوت و شہادت ممکن ھے۔ خدا کی بے پایاں حکمت عملی کے بغیر یہ تنوع کہاں سے آسکتا تھا؟"

جس خدا نے انسانوں کے لئے بنک کے چکوں پر دستخط کرنے کا بھی خیال رکھا اور انگوٹھوں کی لکیریں بھی لاتعداد

http://www.Mypdfsite.com

انسانوں میں الگ الگ قسم کی بنائیں ایسا خدا اٹھارویں صدی کی دینیات کو بہت پسند تھا۔

پانی کے برکات کی نسبت ولف لکھتا ھے کہ انسانی زندگی کے لئے پانی کا مفاد ظاھر ھے۔ حیوان و انسان سب کی زندگی کا مدار پانی پر ھے۔ انسانوں نے جو شربت اور شرابیں بنائی ھیں وہ بھی پانی کے بغیر نہیں بن سکتیں۔ انگوری شراب کہاں سے آتی اگر انگور نہ ھوتے اور انگور پانی کے بغیر کس طرح اُگ سکتے؟ علاوہ ازیں پانی کپڑوں اور برتنوں کے دھونے کے لئے بھی ضروری ھے۔ پن چکی بھی پانی سے چلتی ھے۔ آٹا پیسنے کے لئے آب رواں نہ ھوتا تو پن چکی کیسے چلتی۔

ڈرھم صاحب پہاڑوں اور وادیوں کی تعریف میں یوں رطب اللسان ھوتے ھیں۔ پہاڑوں اور وادیوں میں خدا آفریدہ حسن و جمال کے علاوہ یہ افادیت بھی ھے کہ پہاڑوں اور وادیوں کی آب و ھوا میں تفاوت ھوتا ھے۔ یہ تفاوت خدا نے اس لئے رکھا ھے کہ جس کو پہاڑ کی آب و ھوا موافق نہ آئے وہ وادی میں چلا جائے اور وادی میں صحت اچھی نہ رھے تو پہاڑ کی ستھری ھوا کھائے۔ خدا کو کمزوروں اور طاقتوروں سب کا خیال تھا اس لئے اس نے ھر قسم کی آب و ھوا پیدا کر دی کہ جس کو جو مقام موافق ھو وھاں چلا جائے۔ پہاڑوں میں ایک اور فائدہ بھی ھے کہ وہ شمالی اور مشرقی برفانی ھواؤں کو روکنے کے لئے ایک طویل و عریض دیوار کا کام دیتے ھیں اور موسم سرما میں ھمارے گھروں کو شدید سردی سے بچاتے ھیں۔ پہاڑوں کا ایک اور فائدہ یہ ھے کہ ان پر بارش ھوتی

http://www.Mypdfsite.com

ھے تو چشموں اور ندیوں میں پانی آتا ھے۔ اگر تمام روئے زمین مسطح ھوتا تو ندیاں نالے کہاں سے بہتے۔ مسطح زمین کے گڑھوں میں پانی جمع ھو کر رکا رھتا، کھیتی باڑی کے کام نہ آتا اور بند پانی میں بو پڑ جاتی۔ پہاڑ یونہی بے ھنگم ملبے کے ڈھیر نہیں ھیں اور نہ ھی سفر کرنے والے کے لئے سنگ راہ ھیں بلکہ انسان کے لئے خدا کی برکتوں کے سر چشمے ھیں۔

موجودات میں ھر چیز کا کسی علت غائی کے ماتحت عمل کا نظریہ سترھویں صدی تک ایک عام زاویہ نگاہ تھا۔ ارسطو میکانکی احوال میں بھی ایسا ھی نقطۂ نظر اختیار کرتا مثلاً بیرم (لیور) کے ذریعے سے ایک ھلکا وزن اپنے سے کہیں بھاری وزن کو اٹھا سکتا ھے۔ ارسطو کہتا ھے کہ اس کی توجیہ یہ ھے کہ دائرے محدب بھی ھوتا ھے اور مقعر بھی۔ خط پرکار میں ایک نقطہ جو مرکز دائرہ ھے وہ ساکن ھوتا ھے اور دوسرا نقطہ حرکت سے دائرہ بناتا ھے۔ سکون اور حرکت متضاد چیزیں ھیں مگر دائرے کا اعجاز یہ ھے کہ یہ اجتماع ضدین ھے۔ اس کے علاوہ اور دو اضداد کی جمع دائرے میں یہ ھے کہ دائرے میں حرکت کرتی ھوئی ھر چیز سامنے بڑھتی ھوئی بھی سمت مخالف میں جا رھی ھوتی ھے اور تکمیل دائرہ میں پھر نقطۂ آغاز پر آ جاتی ھے۔ اس کے باوجود حرکت دوری ھی سب سے زیادہ فطری حرکت ھے اور بیرم کا لمبا بازو چونکہ زیادہ وسیع دائرے میں حرکت کرتا ھے اس لئے اس میں فطری حرکت زیادہ ھوتی ھے جس کی وجہ سے اس میں کم زور لگتا ھے اور نتیجہ زیادہ نکلتا ھے۔

http://www.Mypdfsite.com

ھیروڈوٹس کہتا ھے کہ موسم سرما میں سورج جنوب کی طرف اس لئے مائل ھوتا ھے کہ سردی سے بچنے کے لئے وہ شمالی افریقہ میں لیبیا کی طرف جھکتا ھے۔ سینٹ آگسٹالن بھوسے کے متعلق کہتا ھے کہ خدا نے اس میں یہ اعجاز رکھا ھے کہ اگر برف کو بھوسے میں دبا دو تو برف محفوظ رھتی ھے اور کچے پھل کو اس میں دفن کرو تو گرمی سے وہ پھل کو پکا دیتا ھے۔ گرمی اور سردی دو متضاد چیزیں اسی ایک بھوسے کے حساب میں موجود ھیں۔ یہ خدا کا ایک معجزہ ھے۔ آگ کو دیکھو کہ خود منور اور خوش رنگ چیز ھے مگر سب چیزوں کو جلا کر سیاہ کر دیتی ھے اس کے بعد لکڑی کے کوئلے کو دیکھو کہ کمزور سی چیز ھے جو ھلکی ٹھوکر سے بھی ٹوٹ جائے مگر دوسری طرف اس میں اتنی قوت مزاحمت ھے کہ نمی اس پر کوئی اثر نہیں کر سکتی اور اس کو پھپھوندی نہیں لگ سکتی۔ اشیاء کے اندر صفات کا یہ تماشا گذشتہ زمانے کے مفکرین کو بہت حیرت انگیز معلوم ھوتا تھا۔ وہ ھر چیز کو غایت و مقصود کے زیر نگیں سمجھتے تھے۔

اشیاء کے خواص کا یہ تصور علم طب میں بھی عام تھا اور اس کی وجہ سے 'سحر ھمدردی' پر یقین واثق تھا۔ خیال یہ تھا کہ بعض صفات بعض دوسرے صفات کی ھمدرد ھوتی ھیں۔ جس صنف سے کوئی تکلیف یا بیماری پیدا ھوئی ھے اس کا علاج بھی ایسی ھی چیز سے ھوگا جس میں یہ صفت پائی جائے۔ گویا ایک لحاظ سے یہ 'سحر ھمدردی' موجودہ ھومیوپیتھی کی طرح علاج بالمثل تھا۔ مثلاً پیراسلیس کی مشہور مرھم کے اجزائے ترکیبی یہ تھے :

http://www.Mypdfsite.com

انسان کی چربی ، بیل اور سور اور ریچھ کی چربی ، خشک کردہ ، کیڑوں کا سفوف ، پھانسی چڑھے ہوئے مجرم کی کھوپری پر جمی ہوئی پھپھوندی اور اس قسم کے کچھ اور گھناونے اجزا - پھر یہ بھی شرط تھی کہ یہ نسخہ مریخ یا زحل کے زیر اثر نہ تیار کیا جائے بلکہ زہرہ کے زیر اثر - جب یہ مرہم تیار ہو جائے تو جس چیز سے کسی کو زخم لگا ہے لکڑی کا ٹکڑا ہو یا خون آلود ہتھیار ، اس کو اس مرہم میں ڈبو دیا جائے اور زخم کو بغیر مرہم کے کس کر پٹی باندہ دی جائے تو زخم اچھا ہو جائیگا - اس کی توجیہ یہ تھی کہ ہتھیار پر جو خون لگا ہے اس میں مجروح کی روح ہوتی ہے جو اس مرہم سے بیدار ہو کر قوی ہو جاتی ہے اور جسم مجروح میں اپنے بھائی خون کی مدد کرکے زخم کو اچھا کر دیتی ہے - بیل کی چربی اس نسخے میں اس لئے شامل کی جاتی ہے کہ بیل کو جب ذبح کیا جاتا ہے تو اس کے اندر شدید غصہ اور انتقامی جذبہ ہوتا ہے - یہ شعلۂ انتقام اس کی چربی میں بھی خفیہ طور پر بھڑکتا رہتا ہے - بیل کا بعد از مرگ جذبۂ انتقام اس مرہم میں غیر معمولی قوت پیدا کر دیتا ہے - نسخہ نویس لکھتا ہے کہ یہ سب علم طب ہے اور کوئی شیطانی عمل نہیں - بیل کے جذبۂ انتقام کی قوت ایک فطری قوت ہے - اشیاء کے ہمدردانہ صفات دور رہ کر بھی عمل کرتے ہیں - اگر کسی چڑیل نے جادو سے گھوڑے کو ہلاک کر دیا ہو تو فوراً اس گھوڑے کا دل نکال کر اسے ایک سلاخ پر لگا کر بھوننا چاہئے - اس طرف یہ دل بھون رہے ہونگے ادھر اس چڑیل کو اس قدر درد و کرب ہو رہا ہوگا کہ گویا اس کا اپنا دل بھونا جا رہا ہے - چڑیل کی روح اور گھوڑے کی روح

http://www.Mypdfsite.com

میں جادو سے جو ھمدردی پیدا ھو گئی تھی اس کی وجہ سے چڑیل کی یہ حالت ھو رھی ھے۔

خدا کی حکمتوں کا تصور دور جہالت میں ایسی ھی خرافات کے ساتھ وابستہ تھا۔ سائنس ایسے خدا کو نہیں مان سکتی جو ھر جزئی چیز میں اس طرح دخل انداز ھو۔ البتہ کلی قوانین والا خدا سائنس کے لئے قابل یقین ھو سکتا ھے۔ خدا گویا تھوک فروش ھے اور پرچون کی تجارت نہیں کرتا۔ سائنس والوں کا خدا افراد کی ذاتی خواھشوں کے مطابق اپنے اعمال میں رد و بدل نہیں کرتا۔ دریا کی جھاگ میں ھوا اور پانی کی قوتوں سے بلبلے ھنستے ھیں۔ طبعی سائنس ھمارے انفرادی نفوس اور انفرادی تمناؤں کو ایسے ھی حباب سمجھتی ھے۔ جس طرح حباب دریا کی رو کو متاثر نہیں کرتے اسی طرح انسانی نفوس بھی کوئی موثر علتیں نہیں۔ جیسے کہ کلفرڈ کہتا ھے یہ فالتو مظاھر ھیں۔ ھستی کے دریائے موجزن میں یہ محض بے اثر بلبلے نہیں۔

[صورت وھمی بہ ھستی متہم داریم ما
چون حباب آئینہ بر طاق عدم داریم ما (بیدل)

عالم بخروش لا الہ الا ھوست
غافل بہ گماں کہ دشمن است او یا دوست
دریا بوجود خویش موجے دارد
خس پندارد کہ ایں کشاکش با اوست (سحابی)]

اس نقطۂ نظر سے مذھبیات کا باقیات غیر صالح ھونا سائنس والوں کے لئے یقینی ھو جاتا ھے کیونکہ یہ امر واقعہ ھے کہ مذھب

http://www.Mypdfsite.com

کے اندر ان روایات کو باقی رکھنے کا میلان ھے جو انسان کے زمانۂ جاھلیت کی پیداوار ھیں۔ عرصۂ دراز تک انسان کا معاملہ عالم فطرت سے زیادہ تر یہی تھا کہ روحانی قوتوں کو جبر یا خوشامد و مدارات سے اپنا حامی بنایا جائے۔ خواب اور حواس کے دھوکے، طرح طرح کے الہامات اور بے سر و پا افسانے، واقعات کے ساتھ خلط ملط تھے۔ عصر حاضر کے آغاز تک یہی حال تھا کہ مصدقہ اور مفروضہ باتوں میں فرق نہ کیا جاتا تھا اور نہ ھی یہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ ھستی کے شخصی اور غیر شخصی عناصر کو ایک دوسرے سے الگ کیا جائے۔ تخیل نے جس چیز کو زندہ کرکے پیش کر دیا یا تمناؤں کو جو یقین مفید مطلب معلوم ھوا اس کو سچ سمجھ لینا لازمی تھا اورجس بات کا کوئی زور شور سے دعوہ کرے دوسرے بھی اس کو بے چون و چرا تسلیم کر لیتے تھے۔ جس بات کی تردید نہ ھوئی ھو وہ سچ ھی شمار ھوتی تھی۔ جن باتوں کو مسلم شمار کیا جاتا تھا وہ انسانی تمناؤں کی یقین آفرینی اور خیال انگیزی کا نتیجہ تھیں۔ انسان کی فطرت حقیقت سے زیادہ افسانہ پسند تھی اور توجہ انہی باتوں پر مرکوز ھوتی تھی جن میں کچھ جمالیاتی یا ڈرامائی رنگ ھو۔

اُس بے علمی کے دور میں ایسا ھونا لازمی تھا۔ ریاضیاتی اور میکانکی توجیہ مظاھر اس زمانے میں کہاں سے پیدا ھوتی؟ وزن و حرکت سرعت و سمت وغیرہ کس قدر بے جان اور غیر دلچسپ تصورات معلوم ھوتے ھیں ان کو زندگی کے مظاھر اور طبیعی فطرت کے حوادث کے اسباب یا عناصر قرار دینا کس قدر پھیکی بات ھے۔ ایسے مجرد تصورات کے لئے طویل ارتقائے فکری کی ضرورت تھی۔

http://www.Mypdfsite.com

اس کے مقابلے میں یہ زیادہ آسان اور قرین قیاس تھا کہ فطرت کے مظاہر کو انسان اپنے اوپر قیاس کرے اور ان کو جان دار اور ذی روح سمجھے ۔ علم فطرت کا یہی راستہ فطری معلوم ہوتا تھا ۔ مذہب کے لئے ابھی تک یہی ارواحی اور ڈرامائی انداز دلنشین اور یقین آفرین ہے ۔ ابھی تک مذہبی شخص فطرت کے مظاہر کے لئے شخصی صفات استعمال کرتا ہے ۔ اس کو کہیں جلال نظر آتا ہے اور کہیں جمال ۔ اس کی صبح صبح امید ہے ، قوس قزح حسن اول کا اشارہ ہے ، رعد کے کڑکے میں جلال ہے ، موسم گرما کی پھوار میں دلکشی اور شیرینی ہے ، افلاک میں عظمت ہے ۔ مذہبی نفس ابھی تک فطرت کی ریاضیاتی میکانیت سے متاثر نہیں ہوتا ۔ ابھی تک مذہبی انسان کو اپنے کمرے کی خلوت میں یا کھلے میدانوں میں خدا کا حضور محسوس ہوتا ہے ، دعاؤں کا جواب ملتا ہے اور اس نادیدہ حقیقت کے لئے ایثار اس کے لئے سلامتی اور اطمینان پیدا کرتا ہے ۔

طبیعی کہتا ہے کہ یہ انداز فکر و تاثر انسان کی ابتدائی ذہنیت کے آثار باقیہ میں سے ہے ۔ خدا اور فطرت کو سمجھنے کے لئے انسان کا تخیل عرصہ دراز تک تشبیہی تھا ۔ ابر و باراں ، رعد و برق ، شمس و قمر ، سب کو اپنے اوپر قیاس کرتا تھا ۔ اب حکمت پسندی کے دور میں یہ لازم ہے کہ اس تشبیہی تخیل سے انسان نجات پائے اور مظاہر فطرت کو غیر شخصی قوانین اور مجرد تصورات کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرے ۔ مذہب ابھی تک اگلے وقتوں کے انداز تفکر کا شکار ہے جس سے کسی فطری مظہر کی توجیہ نہیں ہوتی اگرچہ تخیل اس سے تسکین پاتا ہے ۔ سائنس والا

http://www.Mypdfsite.com

کہتا ہے کہ حکمت اسی کا نام ہے کہ شخصی تصورات کو چھوڑ کر کلیات کی جستجو کی جائے اور انسانی جذبات کو کائنات کے اعمال کے ساتھ وابستہ نہ کیا جائے۔

بعض حکمت پسند طبائع کو طبیعیات کے اس تقاضے میں عظمت فکر کا احساس ہوتا ہے۔ ان کی عقل کو اس میں گہرائی معلوم ہوتی ہے لیکن میں اس طبیعی زاویہ نگاہ کو نہایت سطحی اور پایاب سمجھتا ہوں۔ اب میں اپنے دعوہ کو اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔

میرے نزدیک فطرت کی نسبت ریاضیاتی سائنس جو کلیات وضع کرتی ہے وہ خود کوئی حقیقت نہیں بلکہ حقیقت کے علامات ہیں لیکن ذاتی اور شخصی مظاہر کامل اور صحیح معنوں میں بذات خود حقائق ہیں۔

ہمارے تجربۂ حیات و کائنات کے دو پہلو ہیں، ایک نفسی اور دوسرا معروضی یا غیر شخصی۔ موخرالذکر پہلو میں بے انتہا وسعت ہے اور اس کے مقابلے میں نفسی پہلو محدود معلوم ہوتا ہے لیکن اس کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ جو کچھ ہم دیکھتے یا سوچتے ہیں وہ شعور کا معروض ہوتا ہے اور اس کا نفسی پہلو خود شعور کی اپنی کیفیت ہے۔ شعور کا معروض لا متناہی زمانے اور لا محدود فضائیں ہو سکتی ہیں لیکن اس لا تناہی کے مقابلے میں ان کا شعور بحیثیت ایک نفسی حالت کے نہایت قلیل اور گریز پا ہوتا ہے۔ معروضی کائنات ہم سے خارج ہوتی ہے اور ہمارا شعور اس کی طرف محض اشارہ کرتا ہے۔ کائنات ہمارے اندر نہیں ہوتی لیکن ہماری شعوری حالت تو ہماری اپنی ہے اور اس کی تمام حقیقت

http://www.Mypdfsite.com

ھمارا ذاتی تجربہ ھے ــ ھمارا میدان شعور ، اس کے ساتھ اس کا حسّی یا فکری معروض ، پھر اس معروض کی نسبت ھمارا زاویہ نگاہ اور اس نفس کا احساس جس کا یہ زاویۂ نگاہ ھے ۔ یہ شخصی ذاتی اور نفسی تجربہ کائنات کے مقابلے میں ایک ذرا سا ٹکڑا ھے لیکن بوقت تجربہ وہ ایک ٹھوس حقیقت ھوتی ھے ۔ یہ کوئی کھوکھلی تجریدی چیز نہیں ھوتی ۔ اس کے مقابلے میں شئی مدرکہ مقابلتاً تجریدی اور کم حقیقی ھوتی ھے ۔ نفسی کیفیت ھمارے لئے ایک کامل حقیقت ھے خواہ اس کی مقدار اور اس کی میقات قلیل ھی ھو ۔ نفسی کیفیت کی حقیقت اس قسم کی ھے جیسے کہ کسی شے کی حقیقت ھونی چاھئے ۔ اس کے اندر ھستی کی اصل حرکت ھے ۔ اس کے اندر واقعات واقعات سے مربوط ھیں ۔ ھم میں سے ھر ایک کے اندر جو اپنے انا کا احساس ھے جو اس کے افکار و تاثرات اور امید و بیم کا مرکز ھے و محل ھے ، اس کو اگر کوئی طبیعی غیر حکیمانہ قرار دے کر قابل قبول نہ سمجھے تو بھی اس سے گریز نہیں کہ ھماری اپنی حقیقت اسی میں ھے ، ھم گلیتاً اسی سے آشنا ھیں ۔ کسی اور ھستی یا چیز میں اگر یہ ایقان حقیقت نہ ھو تو ھمارے نزدیک وہ پوری طرح حقیقی نہیں ھو سکتی ۔ ھمارے لئے سب سے زیادہ ناقابل رد حقیقت اپنی خودی کا احساس ھے ، باقی تمام حقائق اس کے مقابلے میں ثانوی حیثیت رکھتے ھیں ، لوٹزے بھی کہتا ھے کہ ’ شی بذات خود ‘ کیا ھے ؟ اس کا مفہوم صرف یہی ھو سکتا ھے کہ اس کی ھستی اس قسم کی ھو جیسی ھم اپنے انا میں محسوس کرتے ھیں ۔ اگر یہ بات کسی شے میں نہ پائی جائے تو بذات خود حقیقی نہیں بلکہ کسی حقیقت کا سایہ یا معروض ھے ۔

http://www.Mypdfsite.com

اگر یہ حقیقت ھے تو طبعی سائنس کا یہ تقاضا کہ تجربۂ حیات میں سے احساس خودی کو بر طرف کر دیا جائے نہایت لغو معلوم ہوتا ھے ۔ ھمارے تجربۂ کائنات کا محور تو پرانا ھے ، اشیاء و حوادث سب کے سب اس رشتے میں پروے ہوئے ھیں۔ اگر مالا کا یہ دھاگا توڑ دیا جائے تو موجودات منتشر ہو کر معدوم ہو جائیں ۔ کائنات کی توجیہ میں سے اگر انسانی طرز فکر و عمل ، اس کے زاویہ نگاہ ، اور اس کے تاثرات کو ساقط کر دیا جائے تو باقی توجیہ بس ایسی ھی ہوگی جیسے کہ کسی کو کھانا کھلانے کی بجائے فقط کھانوں کے نام کاغذ پر لکھ کر اس کے حوالے کر دئے جائیں اور کہا جائے کہ بس ہو گئی آپ کی دعوت ۔ طعام نامہ تو طعام کا بدل نہیں بن سکتا ۔ مذھب ایسی غلطی نہیں کرتا ۔ ایک شخص کے مذھب کا محور و مرکز اس کی خودی ھی ہو سکتی ھے ۔ اس کے تاثر و تفکر میں تنگی ہو سکتی ھے لیکن اس سائنس کے مقابلے میں یہ بدرجہا زیادہ حقیقی ھے جو انسانی انا کو مطلقاً ساقط کر کے ھستی کی توجیہ کا دعوہ کرتی اور اس عمل اسقاط کو حکیمانہ کہ کر اس پر فخر کرتی ھے ۔ کھانے کے محض نام کی بجائے ایک حقیقی لقمہ زیادہ تسکین بخش ھے ۔ انا محدود بھی ہو تاھم وہ حقیقت تو ھے ۔ ھماری انفرادی تقدیروں کی نسبت جو سوالات پیدا ہوتے ھیں ان کا جواب خواہ کچھ ھی ہو لیکن وہ سوالات حقیقی ھیں ۔ ان پر غور و خوض ھی ھمارے فکر میں گہرائی پیدا کر سکتا ھے ۔ اس انا کی ماھیت پر سنجیدگی سے غور کرنا اور نفس کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرنا ھی صحیح معنوں میں مذھب کی بنیاد ھے ۔ لہذا میرے نزدیک نفس کو مرکز فکر بنانا اور انسانی زاویۂ نگاہ سے حیات و کائنات پر

http://www.Mypdfsite.com

غور کرنا زمانۂ جاهلیت کے باقیات میں سے نہیں بلکه سب سے زیادہ جائز اور نتیجه خیز انداز تحقیق ہے - ہمارے اجداد نے اگر اس کے سمجھنے میں غلطیاں کی ہوں اور ان کے عقائد میں اگر حقیقت و افسانه کی آمیزش نظر آئے تو اس سے یه لازم نہیں آتا که ہم نفس کو محور ہستی سمجھنا ترک کر دیں اور مذہبی زاویه نگاه کو مطلقاً رد کر دیں - ہمارے لئے نفس سے زیادہ اور کوئی چیز حقیقی نہیں اور مذہبی ہونے کے معنی اسی حقیقت کے ذریعے سے باقی حقائق پر غور کرنا ہے - اپنی حقیقت کو چھوڑ کر اور کس شے کی حقیقت ہمارے لئے قابل توجه ہو سکتی ہے ؟

اب آپ کو اس کی وجه معلوم ہو جائیگی که ان تمام خطبات میں میں نے انفرادیت پر اس قدر کیوں زور دیا ہے اور میں مذہب کے معاملے میں کیوں تاثر کو عقلیت پر ترجیح دیتا رہا ہوں ؟ انفرادیت کی اساس تاثر ہے - تاثر کی خلوت اور سیرت کے شبستان ہی میں ہمیں اپنی حقیقت کا احساس ہوتا ہے - اس کے مقابلے میں عقل کے کلیات بے جان اور بے حقیقت معلوم ہوتے ہیں - سائنس کا کام علت و معلول کا لزوم تلاش کرنا ہے لیکن ہیوم نے تعلیل پر جو تنقید کی ہے اس نے اس لزوم کو ختم کر دیا ہے اور بعض اور فلاسفه اس نتیجے پر پہنچے ہیں که تعلیل کا تصور انسان نے اپنے باطنی احساس ہی سے حاصل کیا ہے اور اس کے بعد اسے خارجی مظاہر پر لگا دیا ہے -

عقلیت فطرت کے خاکے کھینچتی ہے اور تصویریں بناتی ہے لیکن تصویروں اور لکیروں میں اصل زندگی کی حرکت کہاں ہوتی ہے ؟

http://www.Mypdfsite.com

مذھب کو عقلی زاویہ نگاہ سے دیکھنے والا ایک مضمون نگار لکھتا ھے کہ خدا کی نسبت بہترین بات ھم یہی کہ سکتے ھیں کہ خدا استدلال کا لازمی نتیجہ ھے۔ لیکن اس خشک عقلی نتیجے میں مذھبی جذبہ تو ھوا ھو جاتا ھے۔ کیا آگ میں جلائے جانے والے شہدا اس عقلی نتیجہ پر کمال مسرت و اطمینان سے قربان ھوتے تھے؟ آئمۂ دین کو مذھب کے معاملے میں عقل و منطق کی مداخلت بے جا ھمیشہ ناگوار رھی ھے لیکن عقل مذھبیت کی مملکت پر حملہ آوری سے باز نہیں آتی۔ عقل کی تنقید کے بعد خدا ایک نا معلوم ھستئی مجہول رہ جاتا ھے جس کا احترام یا جس کا رعب قدیم خوف کی آثار باقیہ میں سے ھے۔ زندگی کے مقاصد عالیہ کو اس کی طرف منسوب کرنا خوف کی بجائے اقدار حیات کی محبت کی یادگار ھے جو مذھب کی ابتدائی اور اصل حالتوں میں پائی جاتی تھی۔ محض عقلیت کا نتیجہ یہ ھوتا ھے کہ مذھب مذھب نہیں رھتا بلکہ فلسفۂ مذھب بن جاتا ھے لیکن مذھب اور فلسفۂ مذھب میں زمین و آسمان کا فرق ھے۔ عقل خنک میں تاثر نہیں اور جہاں تاثر نہیں وھاں مذھب نہیں۔

انسان کی تاریخ میں مذھب کی اھمیت کبھی فنا نہیں ھو سکتی کیونکہ مذھب کا مرکز و منبع انسان کی تمنائیں ھیں جن کا محل اس کا نفس ھے جو خارجی حقائق کے مقابلے میں سب سے زیادہ حقیقی ھے۔ غور طلب بات فقط یہ ھے کہ مذھب کا پیغام نوع انسان کے لئے کیا ھے؟ انسان کی تقدیر کی نسبت وہ کیا کہتا ھے اور جو کچھ کہتا ھے وہ سچ ھے یا نہیں؟ کیا وہ کوئی واضح پیغام ھے یا محض مبہم تاثر ھے؟

مجھے اس کا احساس ھے کہ مذھبی احوال کے گرما گرم بیانوں

http://www.Mypdfsite.com

کے بعد اب میری خشک تنقید آپ کو بہت ٹھنڈی اور پھیکی معلوم ہوگی - میں اس سے پہلے کہ چکا ہوں کہ کیتھولیکوں کے تخیل کے مقابلے میں پروٹسٹنٹوں کی مذہبیت میں تخیل و تاثر کا افلاس معلوم ہوتا ہے - مجھے خدشہ ہے کہ آخر میں اب جن نتائج تحقیق کو میں آپ کے سامنے پیش کرنے والا ہوں وہ آپ کو اور بھی زیادہ مفلسانہ محسوس ہونگے - لیکن آپ اس کو مد نظر رکھئے کہ اب میں مذہبی مظاہر و احوال میں سے فقط ان عناصر کو لونگا جو تمام مذہبی احوال میں قدر مشترک ہیں - میں اہل مذہب کی انفرادی خصوصیات کو نظر انداز کر دونگا اور فقط ان باتوں کو لونگا جو تمام مذاہب کا جوہر ہیں اور جن کی نسبت تمام مذاہب والوں کے متفق الرائے ہونے کی امید ہو سکتی ہے - ظاہر ہے کہ یہ قدر مشترک قلیل ہی ہوگی لیکن وہ مذہبیت کی ٹھوس بنیاد ہوگی - اس بنیاد پر مختلف قسم کی تعمیریں مختلف اقسام کی آرائش و زیبائش کے ساتھ کھڑی ہو سکتی ہیں - ان تعمیروں کی تفصیلات میں یکسانی نہ ہو سکتی ہے اور نہ ہونی چاہئے - تنقید و تحقیق کے بعد میں خود جس عقیدے کی طرف مائل ہوں اس میں بھی آپ کو کوئی زیادہ شادابی نظر نہ آئیگی لیکن پھونک پھونک کر قدم رکھنے والا نقاد فلسفی اس سے زیادہ جرأت و جوش کا اظہار نہیں کر سکتا - آپ میرے یقین پر اپنے یقینات کا اضافہ کر سکتے ہیں جو اس وسیع جائزے سے آپ کے اندر پیدا ہوئے ہوں - یہ یقینات قطعی ثبوت کے حدود سے کسی قدر آگے ہونگے - لیکن اس طریقے سے ہم مثبت مذہبی افکار پر واپس آ جائینگے -

اب میں خشک تجزیہ و تحلیل سے آغاز کرتا ہوں -

http://www.Mypdfsite.com

فکر اور تاثر دونو کردار کو متعین کرتے ھیں۔ کبھی انسان سوچ بچار کے بعد عمل کرتا ھے اور کبھی کسی تاثر یا جذبے کے ماتحت۔ مذاھب کے جائزہ سے یہ نتیجہ حاصل ھوتا ھے کہ ان کے اندر افکار کا بہت تنوع پایا جاتا ھے لیکن مذھبی لوگوں کے تاثر اور کردار میں بہت کچھ یکسانی پائی جاتی ھے۔ صوفیا و اولیا عیسائی ھوں یا رواقی یا بدھ مت یا اسلام کے پیرو، ایک طرف ان کا تاثر یک رنگ معلوم ھوتا ھے اور دوسری طرف ان کے کردار میں بھی بہت کچھ مماثلت ھوتی ھے یہاں تک کہ ایک مذھب کے درویش کو دوسرے مذھب کے درویش سے ممتاز کرنا دشوار ھو جاتا ھے۔ ان مذاھب میں نظریات و عقائد مختلف ھوتے ھیں لیکن ان کی حیثیت ثانوی ھوتی ھے، اس لئے مذھبیت کے جوھر کو تاثر و کردار میں تلاش کرنا چاھے جو مذھبیت کے یکساں اور مستقل عناصر ھیں۔ روحانیت کا اصل واسطہ انہیں دو چیزوں سے ھے۔ باقی رھے تصورات و نظریات، شعائر و ظواھر و نتائج اور مذھب کے اداراتی پہلو، ان سب کا مقصد جوھر روحانیت کی اصلاح و تکمیل ھوتا ھے۔ یہ ھو سکتا ھے کہ آئندہ ارتقا میں ان کے اندر بھی اتحاد و ھم آھنگی پیدا ھو جائے لیکن یہ مذھبی زندگی کے ایسے ناگزیر عناصر نہیں کہ ان کے بغیر مذھبیت کا جوھر ھی غائب ھو جائے۔ یہ پہلا نتیجہ ھے جو میں نے مذھبی مظاھر کے جائزے سے حاصل کیا ھے۔

اب دیکھنا یہ ھے کہ تاثرات مذھبی کی نسبت ھم کس نتیجے پر پہنچتے ھیں۔ نفسیات کے اندر ان تاثرات کی کیا کیفیت اور کیا اھمیت ھے؟ کانٹ نے ان کی نسبت جو کچھ کہا ھے

http://www.Mypdfsite.com

میں اس سے متفق ہوں کہ ان کے اندر مسرت و سعادت کا احساس ہوتا ہے اور نفس کو انشراح محسوس ہوتا ہے۔ شرح صدر کے ساتھ وہ کسی مقوی دوا یا غذا کی طرح زندگی کی قوتوں کو بیدار کرتے اور ان میں تازگی پیدا کرتے ہیں ۔ انبیاء و اولیاء کا نفس خوف و حزن سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ ''روحانی انقلاب نفس'' میں اور ''ولایت'' کے باب میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ روحانی جذبہ انسان کے یاس انگیز مزاج پر غالب آ جاتا ہے ، نفس کے اندر ثبات و صبر پیدا ہوتا ہے اور زندگی کی معمولی چیزوں میں بھی معنی اور حسن دکھائی دیتا ہے۔ عمل کے لئے جوش اور گرمی پیدا ہوتی ہے۔ پروفیسر لیوبا اس کیفیت کو حالت ایمانی کہتا ہے اور میرے نزدیک یہ درست ہے۔ انسان کا نفس اور اس کا جسم دونوں اس سے متاثر ہوتے ہیں ۔ ٹالسٹائے کا خیال درست ہے کہ ایمان معاون حیات قوت ہے ، مطلق بے یقینی جسم و نفس دونوں کی موت ہے۔

یہ ہو سکتا ہے کہ حالت ایمانی میں عقلیت کا عنصر اقل قلیل ہو۔ بعض اوقات یک بیک بغیر کسی سوچ بچار کے حضور الٰہی کے احساس سے جذب و مستی پیدا ہوتی ہے ۔ کبھی یہ ایک مبہم سا جوش ہوتا ہے جو کچھ روحانی ہوتا ہے اور کچھ جسمانی ، اس کے اندر کچھ ہیبت اور کچھ جذبہ ملا ہوتا ہے کہ کوئی حیرت انگیز بات ہونے والی ہے۔

لیکن جب کیفیت ایمانی میں عقلی عناصر داخل ہو جاتے ہیں اور صاحب حال اس حالت کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے نظریات و عقائد قائم کر لیتا ہے تو یہ عقائد نقش حجر بن

http://www.Mypdfsite.com

کر نفس پر مرتسم ہو جاتے ہیں اور مذہبی لوگ اپنے اپنے مذہب کی چھوٹی چھوٹی تفصیلات سے بھی وفاداری کا جذبہ رکھتے ہیں اور فروع کو بھی اصل کی طرح اہم اور اٹل سمجھتے ہیں ۔ حالت ایمانی اور عقائد و شعائر کا یہ مرکب جس سے مختلف مذاہب بنتے ہیں ایک نفسی کیفیت ہے ۔ اس کی صداقت یا عدم صداقت سے قطع نظر کر کے اتنی بات یقینی ہے کہ انسانوں کے کردار پر اس کا گہرا اثر ہوتا ہے ، اس لئے حیاتیات کے نقطہ نظر سے اس کو بے حد اہمیت حاصل ہے ۔ اس کی نسبت پروفیسر لیوبا لکھتا ہے کہ جب تک انسان زندگی میں خدا سے کچھ کام لے سکتے ہیں تب تک وہ اس کی پرواہ نہ کرینگے کہ اس کی ہستی اور صفات کی نسبت ان کو کوئی یقینی علم حاصل ہو ۔ خدا نہ معلوم ہے اور نہ سمجھا جا سکتا ہے لیکن اسے استعمال کر سکتے ہیں ۔ کبھی روزی کے حصول کے لئے ، کبھی اخلاقی سہارے کے طور پر ، کبھی بحیثیت دوست ، کبھی بحیثیت محبوب لوگ خدا سے مفید کام لیتے ہیں ۔ اس کو جاننے نہ جاننے کا سوال پیدا نہیں ہوتا ۔ جب تک خدا سے فائدہ پہنچتا دکھائی دیتا ہے مذہبی انسان اس پر اکتفا کرتا ہے ۔ مذہبی انسان کے لئے خدا کی ماہیت ، ذات و صفات کی کرید ایک غیر متعلق بات ہے ۔ مذہب کا مقصود لیوبا کے نزدیک خدا شناسی نہیں بلکہ بہتر و برتر اور زیادہ تسکین بخش زندگی ہے ۔ انسان کو زندگی سے محبت ہے اور مذہبی جذبہ ہر سطح حیات پر اس کا معاون ہے ۔

اگر کوئی یہ سمجھے کہ مذہب سے انسان یہی کام لیتا ہے

http://www.Mypdfsite.com

کہ اپنی زندگی کی بقا و صلاح میں اس سے مدد حاصل کرے تو بھی وہ مخالفین کے حملوں سے بچ سکتا ہے ۔ انسانی اقدار حیات کی معاونت اور ان کا استحکام کوئی غیر اہم کام نہیں ، اس لئے یہ خیال غلط ہے کہ مذہب زمانۂ جاہلیت کی یادگار ہے اور اب معقول و مہذب انسانوں کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ۔ عقلی طور پر اس کی صداقت پایۂ ثبوت کو نہ بھی پہنچے تو بھی اس کی حیات پروری اس کی بقا کی ضامن ہے ۔

اس کے بعد ہم مذہب کے عقلی عناصر پر غور کرتے ہیں ۔ پہلا سوال یہ ہے کہ کیا مذاہب کے اختلافات کے باوجود عقلی لحاظ سے بھی ان میں کوئی قدر مشترک ہے جس کی نسبت تمام مذاہب متفق ہوں ؟ دوسرا سوال اس کے بعد پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس قدر مشترک میں حقیقت و صداقت ہے ؟ پہلے سوال کا جواب اثبات میں ہے ۔

معبودوں اور عقیدوں کا تخالف باہمی آویزش سے ان کو منسوخ کر دیتا ہے لیکن دو باتیں مذہبی شعور میں ہر جگہ پائی جاتی ہیں

(۱) اضطراب ۔ (۲) اس کا حل یا طریق رفع اضطراب ۔

اضطراب کی نسبت نہایت سادہ الفاظ میں یہ کہ سکتے ہیں کہ یہ اس امر کا احساس ہے کہ ہماری معمولی اور فطری زندگی میں کچھ نقص و خلل ہے اور اس کو رفع کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ بلند تر قوتوں اور ہستیوں سے مناسب رابطہ پیدا کیا جائے ۔

زیادہ ترقی یافتہ نفوس کے اندر جو ہمارا موضوع تحقیق ہیں ناراستی کا احساس اخلاقی خامیوں سے پیدا ہوتا ہے اور کوئی سری احوال نجات کا ذریعہ بنتے ہیں ۔ ان کے سری احوال کی قدر مشترک

http://www.Mypdfsite.com

میرے نزدیک مفصلہ ذیل ہے :—

جو شخص اپنی خامیوں کو محسوس کرتا ، ان سے تکلیف اٹھاتا اور ان پر تنقید کرتا ہے وہ ایک لحاظ سے اس احساس کی بدولت ان سے اوپر اٹھ چکا ہے اور اگر کوئی بلند تر ہستی موجود ہے جو کامل و قادر ہے اور ہمدردی سے اس کی معاون ہو سکتی ہے تو ایسی ہستی سے اس کے رابطے کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ اس کے نفس کے خراب پہلو کے ساتھ ایک اچھا پہلو بھی موجود ہے جو اس کو ملامت کرتا اور ہدایت کرتا ہے خواہ وہ موجودہ حالت میں بے بس ہی ہو۔ کچھ عرصہ تک وہ شخص فیصلہ نہیں کر سکتا کہ ان میں سے کس نفس کو اپنا حقیقی نفس سمجھے لیکن جب وہ رفع اضطراب یا نجات کی منزل میں پہنچتا ہے تو وہ نفس ہدایت آموز کو اپنا حقیقی نفس سمجھتا ہے۔ اس کے اندر یہ احساس اور یقین پیدا ہوتا ہے کہ میرے اندر جو نفس برتر ہے اس کے ڈانڈے روح کائنات سے ملے ہوئے ہیں۔ نفس برتر میں جو خوبی ہے وہ روح کائنات میں بدرجہ کمال پائی جاتی ہے اور اس کے ساتھ رابطہ قائم رکھنے سے زندگی تمام آفات سے بچ سکتی ہے۔ ادنیٰ سطح پر زندگی اگر فنا بھی ہو جائے تو بھی نفس حقیقی روح کائنات کے سہارے سے منجدھار سے پار ہو کر ساحل مراد تک پہنچ سکتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ روحانیت کے تمام مظاہر ان چند الفاظ میں بیان ہو سکتے ہیں: نفس امارہ اور نفس لوامہ کی باہمی آویزش ، ادنیٰ نفس کو برتر نفس کے تسلط میں دینا ، یعنی روح کائنات کے آگے تسلیم نفس ، برتر معاون قوت کا خارجی ہونے کے باوجود نفس انسانی سے اتحاد اور سلامت و سعادت کا احساس۔

http://www.Mypdfsite.com

یہ تمام کیفیتیں روحانی حالت کا لبّ لباب نہیں ۔ روحانی زندگی کے جتنے خود نوشت احوال ان خطبات میں بیان ہوئے ہیں ان سب پر یہ باتیں صادق آتی ہیں۔ مزاجوں کے اختلاف اور دینی عقائد کے اختلاف اسی بنیادی حقیقت کی متنوع صورتیں ہیں جو اس پر اضافہ ہو جاتی ہیں اور مذہبی انسانوں میں انفرادی فرق پیدا کرتی ہیں۔

اس تجربہ میں ابھی تک یہ احوال محض نفسیاتی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ زندگی کے لئے ان کی غیر معمولی اہمیت ہے ، انسان کے نفس کی قوتوں میں ان سے اضافہ ہوتا ہے اور صاحب حال کے لئے ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے ۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ یہ حال کونین کی قوتوں کا مقام اتصال ہے لیکن اس کے متعلق یہ امکان ہے کہ شاید یہ صاحب حال کی اپنی نفسی کیفیت ہی ہو اور سب کچھ اس کے اپنے تخیل کی پیداوار ہو اگرچہ اس سے اس کی زندگی میں اچھے نتائج پیدا ہوتے ہوں ۔ اس لئے اس سوال کا جواب باقی ہے کہ ان احوال کو حقیقی اور صادق شمار کیا جائے یا نہیں ۔

صداقت کا سوال اس نفس برتر یا روح کائنات کی نسبت پیدا ہوتا ہے جس کے ساتھ انفرادی نفس یا نفس اسفل اپنا رابطہ محسوس کرتا ہے اور اس کو یقین ہوتا ہے کہ وہ بھی بدرجۂ ادنیٰ روح ہی ہے ۔ کیا یہ برتر و وسیع تر نفس حقیقت میں موجود ہے یا محض ہمارا ایک تصور ہے ؟ اگر وہ حقیقت ہے تو اس کا انداز ہستی کیا ہے؟ کیا وہ ہست ہونے کے علاوہ فاعل ہستی بھی ہے ؟ اس کے ساتھ اس اتحاد کا کیا انداز ہے جسے صوفیا

http://www.Mypdfsite.com

و انبیا محسوس کرتے ھیں؟

دینیات کے مختلف نظام اس سوال کے جواب میں مرتب کئے گئے ھیں اور مذاھب میں اختلاف اسی کے جواب میں پیدا ھوتا ھے۔ سب مذاھب اس پر متفق ھیں کہ یہ وسیع تر نفس موجود ھے اگرچہ بعض کے نزدیک اس میں شخصیت کے صفات پائے جاتے ھیں اور بعض کے نزدیک اس کی ماھیت غیر شخصی ھے۔ موخرالذکر اسے کائنات کے اندر ایک نصب العینی میلان تصور کرتے ھیں یا یوں کہئے کہ وہ اقدار عالیہ کے حصول کی ایک ازلی تمنا ھے جو پیکر ھستی کی رگ و پے میں جاری و ساری ھے۔ اس پر بھی سب ادیان متفق ھیں کہ ھستی کے ساتھ اس میں فعلیت بھی ھے اور جب انسانی نفس اپنے آپ کو اس کے سپرد کرتا ھے تو اس سے اچھے نتائج پیدا ھوتے ھیں لیکن انداز اتحاد کا تصور یا نظریہ مختلف مذاھب میں مختلف ھے۔ اسی اختلاف تاویل میں کوئی وحدت وجود کی طرف گیا ھے اور کوئی اسلامی یا عیسوی انداز کی توحید کی جانب۔ کوئی انفرادی روح کی بقا کا قائل ھے اور کوئی تناسخ کا، کوئی عقلیت کا راستہ اختیار کرتا ھے اور کوئی سریت کی طرف جاتا ھے، کسی کے ھاں مدار اعمال پر ھے اور کسی کے ھاں فضل پر۔ جنگ ھفتاد و دو ملت کا ماخذ یہی تصورات و تاویلات ھیں۔

میں نے فلسفے کے خطبے پر آخر میں اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ مذاھب کی ایک بے لاگ سائنس کے لئے یہ ممکن ھے کہ ان تمام اختلافات میں سے ایک ایسی قدر مشترک نکال لے جس کو ماننے میں طبیعی سائنس کو بھی دریغ نہ ھو۔

http://www.Mypdfsite.com

ایسے مصالحتی مفروضہ کو تسلیم کرنے کی دعوت سب ادیان کے لئے صدائے عام ہو سکتی ہے۔ میں نے اس خطبے میں یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ میں بھی اس قسم کا مفروضہ قائم کرنے کی کوشش کرونگا۔ اب اس کوشش کا وقت آ گیا ہے۔ جو شخص اپنے خیال کو مفروضہ کہتا ہے وہ ادعائت کی تمنا سے ہ' دھو بیٹھتا ہے۔ میں جو پیش کرونگا اس میں فقط یہ صفت وگی کہ اس کے ذریعے سے واقعات کی توجیہہ اس آسانی سے ہو سکتی ہے کہ سائنس اور منطق اس کو بے بنیاد سمجھ کر رد کرنے کا کوئی معقول عذر پیدا نہیں کر سکتی۔

ہاں تو سوال یہ ہے کہ یہ وسیع تر نفس کیا ہے اور اس سے اتحاد کے کیا معنی ہیں؟ ہمارے لئے یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم شروع ہی سے کسی دینیات کو مان کر اس سوال کا جواب دینے کی جرأت کریں اور اس ہستئی برتر کو بنی اسرائیل کا خدا سمجھ لیں یا اتحاد کے تصور کو مسیحیت کے سانچوں میں ڈھال لیں۔ ایسا کرنا دوسرے مذاہب کے ساتھ نا انصافی ہوگی اور ہمارے موجودہ زاویہ نگاہ سے ایک عقیدۂ بے تحقیق یا ایمان زاید از ثبوت ہوگا۔

ہمیں اس ہستئی برتر کا کوئی تفصیلی تعین نہیں کرنا چاہئے۔ مذاہب کی سائنس کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ وہ مذہب کو دوسرے علوم کے ساتھ متوافق رکھے تا کہ طبیعی اور نفسی علوم سے اس کا تضاد نہ ہو۔ یہ وسیع تر نفس یا ہستی کیا ہے؟ اس کو ہم اس انداز سے سمجھتے اور بیان کرتے ہیں کہ ماہر نفسیات کو بھی وہ حقیقی معلوم ہو۔ موجودہ

http://www.Mypdfsite.com

نفسیات میں تحت الشعور کا وجود مسلم ہوگیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اپنے سوال کا جواب اسی طرف سے ملیگا۔ مذہبی عقائد سے الگ ہو کر بھی اتنی بات تو واضح ہے کہ ہمارا شعور اپنی کلی حیثیت میں کسی ایک وقت کی شعوری کیفیت کے مقابلے میں بے انتہا زیادہ وسعت رکھتا ہے۔ تحت الشعور کی وسعتوں، قوتوں اور گہرائیوں کی تحقیق ابھی زمانۂ حال ہی میں شروع ہوئی ہے۔ مائرز نے ۱۸۹۲ میں تحت الشعور کی نسبت جو کچھ کہا وہ آج بھی ویسا ہی درست ہے۔ وہ کہتا ہے:

''ہمارے نفس میں جو وسعت ہے اس کا ہمیں اندازہ نہیں۔ یہ وسعت نفس کسی جسمانی ذریعے سے پوری اظہار پذیر نہیں ہو سکتی۔ نفس انسانی ایک عضوی وجود کے وسیلے سے عمل کرتا ہے لیکن نفس کا ایک بڑا حصہ جسمانی اعمال میں ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کا عمل کسی اور موقع کے لئے ملتوی اور محفوظ رہتا ہے''۔ تحت الشعور کے ذخیرے میں بہت کچھ ایسا سامان ہوتا ہے جو کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ کچھ دھندلی یادیں، کچھ فراموش شدہ گانوں کے بے معنی ٹکڑے، کچھ بزدلانہ رکاوٹیں غرضیکہ کئی اقسام کا انتشار و اختلال اس کے اندر پایا جاتا ہے۔ لیکن دل و دماغ کی غیر معمولی صلاحیتوں اور قوتوں کا ماخذ بھی تحت الشعور ہی ہے۔ انقلاب نفس، سری احوال اور دعا کے بیان میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ روحانی احوال کا ایک معتد بہ حصہ اسی طرف سے آتا ہے۔

علم النفس کی روشنی میں اب میں یہ مفروضہ پیش کرتا ہوں کہ تحت الشعور کی حدیں اوپر سے خواہ کسی اور ہستی یا قوت سے

http://www.Mypdfsite.com

متصل ہوں لیکن اُس کی اِدھر کی حد اور اس کا تحتانی حصہ ہماری معمولی شعوری زندگی ہی کا تسلسل ہے۔ اس امر کو تسلیم کرنے سے ہمارا رشتۂ تحقیق نفسی اور طبیعی سائنس کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ اس حقیقت کو عام طور پر دینیات نظر انداز کرتی ہے لیکن ہماری تحقیق میں اس کی بہت اہمیت ہے۔ اس امر کو تسلیم کرنے سے اہل دین کا یہ خیال ایک حیثیت سے برقرار رہتا ہے کہ روحانی احوال میں اپنی ذات نہیں بلکہ کوئی بالائی اور خارجی قوت عمل کرتی ہے کیونکہ تحت الشعور میں سے جو کچھ صورت پذیر ہوتا ہے اس کا ماخذ صاحب حال کو اپنے سے خارج میں محسوس ہوتا ہے۔ چونکہ ہمارے نفس کی غیر معمولی پوشیدہ قوتیں ان احوال میں ظاہر ہوتی ہیں ہم ان کا ماخذ اپنے معمولی نفس سے برتر سمجھتے ہیں، دراصل یہ ہمارے اپنے نفس ہی کا بلند تر یا عمیق تر حصہ ہوتا ہے جس کا عمل ہمیں کسی خارجی اور برتر قوت کا عمل محسوس ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے فوقانی قوتوں سے ربط و اتحاد کا احساس کچھ غلط احساس نہیں کیونکہ یہ قوتیں اگرچہ ہماری اپنی نفسی قوتیں ہیں لیکن ہمارے معمولی شعور سے برتر ہیں۔ تحت الشعور کے دروازے سے احوال روحانی کے ماخذ پر پہنچنا ہماری تحقیق میں بہت آسانیاں پیدا کرتا ہے لیکن محض یہ دریافت کرلینا کہ اس خلوت کدے کا دروازہ کہاں ہے یا داخل ہو کر قریب کے حصوں میں ہمیں کیا دکھائی دیتا ہے، ہماری مشکلات کا حل نہیں۔ محض اتنی تحقیق سے ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس نہاں خانے کے آخری حصوں میں کیا کیا اسرار و رموز ہیں۔ تصوف اور فلسفے کے دعوے اس آخری حد کے متعلق ہیں۔ فلسفیانہ ماورائی تصوریت اور وحدت الوجود

http://www.Mypdfsite.com

والا تصوف کہتا ھے کہ آخر میں ھمارا نفس نفس مطلقہ کے ساتھ متحد ھو جاتا ھے۔ اپنی ماھیت پر وہ ازلاً نفس مطلقہ ھی کا ھم ذات تھا۔ مختلف مذاھب کے انبیاء کے الہامات ، کشف و وحی ، وجد و مستی ، سب کا تعلق اس آخری سرحد سے ھے۔ ایسے تجربات ھی سے انبیا و اولیا اپنے ایمان کی تائید حاصل کرتے ھیں۔

اب سوال یہ ھے کہ ھم میں سے جن کو کوئی ایسا تجربہ نہیں ھوا وہ ان احوال کی حقیقت و صداقت کی نسبت کس طرح فیصلہ کریں ؟ اگر ان احوال میں باھمی موافقت ھوتی اور اولیا کے کشف و الہام میں باھمی تضاد نہ ھوتا تو یہ احوال کسی محکم نتیجے کی اساس بن سکتے تھے۔ لیکن واقعہ یہ ھے کہ مختلف ادیان کی دینیات مختلف ھے اور ان کے عقائد باھم متصادم ھیں۔ مختلف مذاھب والوں کی وحی اور ان کے الہامات و کشف ایک دوسرے کی تردید کرتے ھیں۔ ایک پر جو منکشف ھوتا ھے دوسرا اس کو وھم باطل سمجھتا ھے۔ باھمی تردید سے یہ خود ایک دوسرے کو منسوخ کر دیتے ھیں اور ایک محقق کے لئے ان میں سے کوئی بھی قابل یقین نہیں رھتا۔ ان احوال کی تاویل سے جو عقائد قائم ھوتے ھیں یا فلسفیانہ تفکر سے جو نظریات حاصل ھوتے ھیں ان میں سے کسی کو اگر ھم صحیح سمجھ کر قبول کر لیں تو یہ اس لئے ھوتا ھے کہ وہ ھمارے ذاتی معاملات کے موافق ھے۔ اگرچہ مذھبی زندگی اساسی طور پر انداز تفکر نہیں بلکہ انداز حیات ھے جس کے اندر ایک مذھبی انسان اپنے تئیں کسی ھستئی برتر سے وابستہ سمجھتا ھے لیکن اس کے ساتھ خاص قسم کے افکار بھی لازماً وابستہ ھو جاتے ھیں جو کسی فرد کے مذھب کا لازمی جزو بن جاتے ھیں۔ یہ نظریات و عقائد

http://www.Mypdfsite.com

کوئی ذاتی تجربہ نہیں ہوتے بلکہ اصلی مذہب کے ساتھ منطق یا روایت کی آمیزش کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ان تاویلی یا روایتی عقائد کے ساتھ ہم بے اعتنائی نہیں برت سکتے کیونکہ ایک فرد کی زندگی میں یہ ایک نمایاں حیثیت واہمیت رکھتے ہیں۔

مذاہب کے عقائد مختلفہ سے قطع نظر کر کے اور صرف ان کی قدر مشترک کو زیر نظر رکھ کر یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ نفس انسانی کے تسلسل میں ایک وسیع تر نفس بھی ہے جو نجات دہندہ تجربات کا ماخذ ہے۔ مذہبی شعور کا یہ پہلو میرے نزدیک حرف بحرف اور حقیقتاً ایک امر واقعہ ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ نفس کی وسعتوں میں دور کی سرحدوں پر کیا ہے تو یہ کسی ثبوت سے ماوریٰ میرا ایک ذاتی یقین ہوگا۔ آپ کو میرا یقین بہت گھٹیا معلوم ہوگا لیکن میں آپ سے اسی رواداری کا خواستگار ہوں جو میں آپ کے ایمانوں کی نسبت برتنے پر آمادہ ہوں۔

مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہستی عالم محسوس و معقول سے ماوریٰ بھی ہے اور ہمارے نفس اور ہماری زندگی کی آخری حدیں اس سے متصل بھی ہیں۔ وہ ہستی ہماری حس اور فہم کے سانچوں میں نہیں آسکتی۔ ہم سے متصل وہ ماورائی ہستی کیا ہے؟ جو چاہیں آپ اس کا نام رکھ لیں۔ اسے فوق الفطرت عالم کہیں یا عالم اسرار، اس کا وجود مجھے یقینی معلوم ہوتا ہے اگرچہ میں اس کی ماہیت و حیثیت کو متعین نہیں کر سکتا۔ ہمارے نصب العین اور بلند مقاصد و تحریکات حیات ادھر ہی سے آتے ہیں۔ عالم محسوس کے مقابلے میں اس عالم سے ہمارا رابطہ زیادہ گہرا معلوم ہوتا ہے۔ ہم اس عالم سے زیادہ اس عالم کے باشندے ہیں کیونکہ انسان درحقیقت اسی عالم

http://www.Mypdfsite.com

میں زندگی بسر کرتا ھے جس عالم میں اس کے انتہائی مقاصد ھیں اور جس کے اندر اس کی غایت حیات ھے (ع سمجھو وھیں ھمیں بھی دل ھو جہاں ھمارا ۔ اقبال) ۔ آس عالم مطلق کو ماورائی بھی نہیں کہ سکتے کیونکہ اس کا عمل اور اثرات ھمارے عالم محسوس میں بھی پائے جاتے ھیں ۔ اس کے ساتھ راہ و ربط سے ھماری محدود شخصیت متاثر ھوتی ھے ، ھماری زندگی میں انقلاب پیدا ھوتا ھے اور ھمارا کردار اس عالم فطرت میں بھی اس کی بدولت اصلاح پذیر ھوتا ھے ۔ آخر حقیقت کا معیار ھمارے پاس اس کے سوا اور کیا ھے کہ جس چیز کا عمل موثر ھے وہ حقیقی ھے ، محض وھم اور محض باطل نتیجہ خیز نہیں ھو سکتے ۔ جس عالم محسوس کو ھم موجود سمجھتے ھیں اگر کوئی دوسرا عالم اپنے عمل سے اس میں تبدیلیاں پیدا کر سکتا ھے تو یقیناً وہ بھی حقیقی ھے ۔ لہذا فلسفے کے پاس عالم غیب یا عالم اسرار کو غیر حقیقی سمجھنے کے لئے کوئی معقول عذر نہیں ۔

دعا کے متعلق ھم بہت سے مذھبی لوگوں کے بیانات پہلے ایک خطبے میں پیش کر چکے ھیں ۔ لیکن مناسب معلوم ھوتا ھے کہ اس خیال کی تائید میں کہ ماورائی ھستی حقیقی قوت و بصیرت کا ماخذ ھے اور دعا سے اس کی تائید ھوتی ھے ھم ایک اور شخص کا تجربہ ذیل میں درج کرتے ھیں ۔ وہ کہتا ھے :

" انسان اپنے فکر محدود کے حدود سے بلند تر ھو کر اپنے ارادے کو دعا میں لگا کر غیر معمولی قوت و بصیرت حاصل کر سکتا ھے ۔ خدا کا حضور ایک حقیقی تجربہ ھے ۔ معمولی شعور کو ایک بلند تر سطح کی طرف اٹھا سکتے ھیں ۔ اس تجربے میں کوئی الہام یا دھندلکا نہیں ھوتا ۔ یہ کوئی نیم شعوری کیفیت نہیں بلکہ

http://www.Mypdfsite.com

ایک واضح شعور ھے ۔ یہ وجد و مستی و بے خودی نہیں ، یہ کوئی فوق الشعور حالت نہیں جیسا کہ ویدانتی کہتے ھیں ، نہ ھی یہ ھپناٹزم یا عمل تنویم ھے ۔ حسی ادراک سے عرفان کی طرف ترقی ایک ایسی حالت پیدا کرتی ھے جو نہایت معقول اور اطمینان بخش ھوتی ھے ۔ نفس چند لمحوں میں سکون و اطمینان میں تبدیل ھو جاتا ھے ۔ کیا محض چند الفاظ سے یہ کیفیت پیدا ھو سکتی ھے ؟ کیا ھپناٹزم نفس کے اندر اور زندگی میں ایسی کایا پلٹ سکتا ھے ؟ یقیناً کسی برتر ماخذ سے اس قوت کا نفوذ ھوتا ھے ۔ اطمینان قلب سورج کی گرمی کی طرح رگ و پے میں سرایت کرتا ھے ۔ جس طرح سورج کی کرنوں کو ایک مرکز پر مرتکز کرکے شعلے پیدا کرسکتے اور ایندھن کو آگ لگا سکتے ھیں اسی طرح زندگی کے اندر اس بالائی قوت سے بھی کام لیا جا سکتا ھے ۔ ”

عیسائت اور دیگر مذاھب میں خدا کو ماننے والے اس فوق الفطرت ماخذ حقیقت و قوت کو خدا کہتے ھیں ۔ خدا اور بندے کا باھمی معاملہ رھتا ھے اور اس الٰہی قوت کی قبولیت سے انسان اپنی غایت حیات کو پہنچتا ھے ۔ موحدوں کے عقیدے کے لحاظ سے خدا کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے فلاح و بہبود حاصل ھوتی ھے اور اس کے خلاف چلنے سے خرابی پیدا ھوتی ھے ۔ تمام دنیا میں خدا کو ماننے والوں کا یہی یقین اور تجربہ ھے ۔ ان کے نزدیک خدا اسی لئے ایک حقیقی ھستی ھے کہ وہ انسان کے اعمال پر اثر انداز ھوتا ھے ۔ خدا والوں کو عملی نتائج کی وجہ سے خدا حقیقی معلوم ھوتا ھے ۔

ابھی تک میں نے جن اثرات کا اعتراف کیا ھے وہ انسانوں کی

http://www.Mypdfsite.com

اپنی ذات سے تعلق رکھتے ھیں لیکن ھر موّحد کا ایمان اور ھر صوفی کا تجربہ یہ ھے کہ خدا کی ھستی تمام کائنات پر اثرانداز ھے ۔ خدا ھی موثر فی الوجود ھستی ھے اور تمام ھستیاں اس کی آغوش رحمت میں ھیں ، اس لحاظ سے تمام ھستیوں کو ھر قسم کے شر اور دوزخ کے باوجود نجات یافتہ سمجھنا چاھئے ۔ خدا کی ھستی تمام اقدار حیات کی کفیل اور ضامن ھے ۔ طبیعی سائنس کہتی ھے کہ ھمارا کرہ ارض ایک روز یا جل کر بھسم ھو جائیگا یا حرارت آفتاب کے فقدان سے زمہریر بن کر زندگی کے ناقابل ھو جائیگا ۔ خدا پرست کا ایمان ھے کہ ایسا ھونے پر بھی عالم ارواح اس سے متاثر نہ ھوگا اور مقاصد عالیہ کسی اور عالم میں تکمیل پائینگے ۔ خدا کے ھوتے ھوئے شر یا تباھی محض عارضی و اضافی ھی ھو سکتی ھے ۔ ھستیوں کے لئے فنا حرف آخر نہیں ھے ۔ ھستی کے متعلق اس قسم کی پیش گوئی کسی کا ذاتی تجربہ تو نہیں ھو سکتا اس لئے اسے ایمان ھی کہنا چاھئے یا فلسفے کی زبان میں ایک مفروضہ ۔ طبیعی سائنس میں ایک معقول مفروضہ اسے کہتے ھیں جو فقط مظاھر زیر مطالعہ ھی کی توجیہ نہ کرے بلکہ باقی مظاھر کے قوانین سے بھی متوافق ھو اور اس سے اور بہت سے قابل ثبوت نتائج سرزد ھوں ۔ کسی مذھبی انسان کا محض شخصی تجربہ اس انداز کا مفروضہ قائم نہیں کر سکتا ۔ بحیثیت مفروضہ خدا کا ماننا باقی حیات و کائنات کے سمجھنے کے لئے بھی مفید ھونا چاھئے پیشتر اس کے کہ کوئی شخص اس کی صحت و صداقت پر ایمان لا کر اطمینان حاصل کر سکے ۔

http://www.Mypdfsite.com

یہ عقیدہ کہ نفس انسانی اپنی وسعت اور ترقی میں جس ہستی سے تعلق پیدا کرتا ہے وہ کائنات کی حاکم مطلق بھی ہے اس کا کوئی قطعی ثبوت تو ممکن نہیں اس لئے یہ متجاوز از ثبوت ایمان ہی کہلا سکتا ہے ۔ لیکن قریباً ہر جگہ یہ ایمان خدا کو ماننے والوں کا ایمان ہے ۔ بعض لوگ فلسفیانہ دلائل کی بنا پر اس کو درست ماننے کے مدعی ہیں لیکن یہ ایمان استدلال کا نتیجہ نہیں ہو سکتا بلکہ استدلال سے مقدم ہے ۔ جس کے اندر یہ ایمان موجود ہوتا ہے وہی اس کو استدلال سے بھی استوار کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ اپنی مکمل حیثیت میں مذہب ہماری زندگی کے امور حاضرہ ہی پر روشنی نہیں ڈالتا بلکہ ایسے امور پر ایمان لانے کا تقاضا کرتا ہے جو اس وقت حیات و کائنات میں موجود نہیں ۔ مذہب مادی کائنات کی ایسی تاویل و توجیہ نہیں جو ہمارا زاویہ نگاہ اور طرز عمل اس کے متعلق بدل دے بلکہ اس کی ماہیت میں کچھ ایسی باتیں بھی داخل ہیں جن کی فطرت ہمارے مادی عالم سے بالکل الگ نوعیت کی ہے ۔ اس کے اندر واقعات بھی مختلف ہونگے اور کردار بھی کسی اور قسم کا ۔ عام لوگوں میں مذہب کے متعلق یہی عملی زاویہ نگاہ مسلم ہے ۔ اس طبیعی عالم میں بھی وہ معجزات یا خوارق عادت کے قائل ہیں اور آخرت میں جنت کا نقشہ بھی ان کے ذہنوں میں ہے ۔ یہ فقط ماورائی فلاسفر کا نظریہ ہے کہ یہی فطرت بغیر کسی اضافہ کے اور بغیر کسی عنصر کی تنسیخ کے جوں کی توں خدا یا روح کائنات کی مظہر ہے ۔ لیکن ہمارا افادیت کا زاویہ نگاہ مذہب میں زیادہ

http://www.Mypdfsite.com

گہرائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اس عقیدے کی طرف لاتا ہے کہ مذہبی تجربے کی خود اپنی بھی ایک مخصوص حقیقت ہے۔ دعا اور روحانی احوال میں اضافہ قدرت کے علاوہ اور الٰہی امور کیا ہیں ان کی نسبت مجھے کچھ علم نہیں لیکن میرے نزدیک جو امور قابل یقین ہیں ان کی نسبت میں یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ وہ حقیقی طور پر موجود ہیں۔ میرا تمام مطالعہ اس یقین کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ ہمارے موجودہ شعور کے علاوہ شعور کے کئی اور عوالم ہیں اور ان عوالم کے تجربات ہماری اس زندگی کے لئے بھی کچھ معنی رکھتے ہیں۔ شعور کے یہ اور عالم اپنی مخصوص و ممتاز حیثیت بھی رکھتے ہیں لیکن کہیں کہیں ہمارے موجودہ عالم سے ان کی سرحدیں ملتی ہیں اور اُدھر سے اِدھر خاص قوتوں کا فیضان ہوتا ہے۔ یہ دوسرے عوالم ہمارے عالم سے متصل بھی ہیں اور منفصل بھی۔ اس عقیدے پر قائم رہنا میرے اندر صحت نفس و صداقت کا احساس پیدا کرتا ہے۔ میں بھی طبیعی مادیین کی طرح یہ تصور کر سکتا ہوں کہ عالم محسوسات اور اس کے قوانین کے علاوہ اور کوئی عالم نہیں اور تمام ہستی کلیتاً انہیں پر مشتمل ہے لیکن جب بھی میرے دل میں یہ خیال گزرے تو فوراً مجھے اندر سے تنبیہ ہوتی ہے کہ کیا لغو خیال ہے۔ لغویت لغویت ہی ہے خواہ اس کے لئے کوئی سائنٹفک اصطلاح وضع کر لی جائے۔ انسانی تجربہ اپنی کلیت و وسعت میں مجھے اس یقین پر مجبور کرتا ہے کہ طبیعی سائنس تمام ہستی پر حاوی نہیں۔ طبیعی سائنس ہمارے عالم کی جو حقیقت سمجھتی ہے عالم درحقیقت اس سے

http://www.Mypdfsite.com

مختلف ہے۔ وہ اتنی سادہ سی چیز نہیں جیسے کہ مادہ و حرکت کے قوانین نے اس کو سمجھ رکھا ہے۔ نفسی اور معروضی دونوں حیثیتوں سے میری عقل اور میرا ضمیر میرے عقیدے کی حمایت کرتے ہیں۔ کیا تعجب ہے کہ حیات و کائنات میں خدا کے مقاصد انسانوں کے ایمان کی بدولت عمدگی سے پورے ہوتے ہوں۔ جس طرح ہم کو خدا کی مدد درکار ہے اسی طرح خدا کو بھی تکمیل مقاصد میں ہماری معاونت درکار ہو۔

http://www.Mypdfsite.com

تتمہ

آخری خطبے میں میں نے اپنے فلسفیانہ موقف کو اس درجہ اختصار کے ساتھ پیش کیا کہ مجھے اندیشہ ھے کہ بعض قارئین کے لئے میرا نقطۂ نظر قابل فہم نہ ہوگا اس لئے میں کسی قدر مزید کوشش سے اس کی توضیح کرنا ضروری سمجھتا ہوں اگرچہ اختصار کی وجہ سے یہ توضیح بھی ناقص ھی رھیگی۔ امید ھے کہ کسی آئندہ تصنیف میں میں اپنے مطلب کو شرح و بسط کے ساتھ واضح کر سکونگا۔

اس موضوع میں کسی اپج کا اظہار نہایت دشوار ھے۔ ان مسائل پر ھزارھا سال سے اھل دین اور مفکرین غور و خوض کرتے چلے آتے ھیں اور شائد ھی کوئی ایسا نقطہ نظر ھو جو دینیات یا فلسفے یا ادبیات میں مجھ سے پہلے اوروں نے اختیار نہ کیا ھو۔ اب کوئی جو کچھ بھی کہے اس کو کسی قدیم اور معروف عنوان کے تحت لا سکتے ھیں۔ جو فلاسفہ ھستی کے فوق‌الفطرت پہلوؤں کے قائل رھے ھیں میرا شمار بھی بلا شبہ انہیں میں ھوگا۔ لیکن فوق‌الفطری عقائد بھی بعض لطیف ھیں اور بعض کثیف۔ عصر حاضر کے اکثر فلاسفہ لطیف فوق‌الفطریت کے قائل ھیں مگر وہ کانٹ کی طرح باقاعدہ ماورائی آئیڈیالسٹ نہیں تو بھی ان کا انداز فکر ایسا ھے جو مظاھر فطرت میں خارجی قوتوں کے دخل در معقولات کو مانع ھے، ان میں سے کوئی بھی یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ الٰہی یا روحانی قوتیں اپنی مرضی و مقصد سے جب چاھیں مادی فطرت کے اعمال کو

http://www.Mypdfsite.com

بدل دیتی ھیں ۔ لطیف فوق الفطریت کے اندر کلیت اور ھمہ گیری ھے اور جزئی امور میں اس کا عمل دخل نہیں ۔ کثیف قسم کی فوق الفطریت جزئی امور میں دخل کی قائل ھے ۔ قدیم دینیات کے اندر ایمان کا یہی انداز تھا کہ خدا ھر چھوٹی موٹی چیز میں بھی اپنی مرضی سے کبھی اظہار قدرت کے لئے اور کبھی دعا کی بدولت رد و بدل کرتا ھے اور کر سکتا ھے ۔ اب بھی جاھلوں کا ایمان اسی قسم کا ھے ۔ شاید قدیم انداز تفکر کے کچھ پروفیسر بھی ابھی تک اس کے قائل ھوں ۔ کثیف فوق الفطریت خوارق عادت اور معجزات کی قائل ھے ۔ اس کے قائل نصب العینی ، مثالی اور روحانی عالم کو اس مادی و جسمانی عالم سے خلط ملط کر دیتے ھیں اور اس آمیزش بے جا میں آن کو کوئی ذھنی اشکال محسوس نہیں ھوتا ۔ وہ اس عالم کی جزئیات اور تفصیلات میں بھی روحانی عالم کی مداخلت کے قائل نہیں ۔ دو مختلف عالموں کا یہ الجھاؤ لطیف فوق الفطریت کو نامعقول معلوم ھوتا ھے اور اس کا نظریہ یہ ھے کہ عالم روحانی عالم معانی ھے ، وہ امور جسمانی کا عالم نہیں ۔ مظاھر فطرت کی نسبت وہ ایک زاویہ نگاہ ھے ۔ وہ عالم نہ زمانی و مکانی ھے اور نہ مادی و جسمانی ۔ عالم روحانی کو عالم معانی سمجھنے والے یہ یقین نہیں کرتے کہ دعا یا اور روحانی ذرائع سے نظام کائنات میں تبدیلی ھو سکتی ھے اور فطرت کے معینہ قوانین وقتاً فوقتاً منسوخ ھو سکتے ھیں ۔

مجھے نہ عیسائی متکلمین کی توحید پسند ھے اور نہ ھی میں عصر حاضر کی عام عیسائیت کا قائل ھوں لیکن میرا یہ عقیدہ کہ نصب العینی ھستی سے رابطہ اس عالم میں بھی جدید قوتوں کو پیدا کرتا یا بیدار کرتا ھے اور اس زندگی میں بھی اس کی بدولت

http://www.Mypdfsite.com

تغیرات پیدا ہوتے ہیں مجھے بھی کثیف قسم کی جزئی فوق الفطریت کے قاتلوں کی صف میں لے آتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ محض کلیت والی فوق الفطریت جو عالم معانی کو ہمارے عالم سے بالکل الگ اور ماورا رکھتی ہے اور دونو عالموں کے باہمی عملی روابط کو ماننے سے گریز کرتی ہے مادیت کے فلسفۂ فطرت کے آگے یونہی سر تسلیم خم کر دیتی ہے۔ وہ طبیعی سائنس کے تسلیم کردہ امور کو محض طبیعی انداز میں حقیقی سمجھ لیتی ہے اور مادیت کی طرح قوانین حیات کو جبری اور اٹل سمجھ کر اور خراب نتائج کو بھی ناقابل علاج قرار دے کر امید بہبود کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ اس کے پاس زندگی کی نسبت محض لطیف جذبات ہیں لیکن اس کے باوجود فطرت اور زندگی کی نسبت فلسفانہ حیثیت سے مایوسانہ زاویۂ نگاہ اس میں باقی رہتا ہے۔ معانی کی اس انداز کی کلیت اور روحانیت کی عملی زندگی سے ایسی بے تعلقی اور بے نیازی عملی مذہب کے جوہر کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔ طبعاً اور استدلال سے بھی میرے لئے یہ ماننا دشوار ہے کہ ہستی کے اندر اصول و معانی واقعات سے بالکل بے تعلق ہو کر موجود ہو سکتے ہیں۔ ماورائی تصوریت والے کہتے ہیں کہ ہم واقعات اور اشیا کی حقیقت کے منکر تو نہیں، ہم ان کو بھی موجود سمجھتے ہیں۔ اشیا و حوادث کی ہستی بھی ہستئی مطلق ہی کا مظہر ہے لیکن دقت یہ ہے کہ ان کے نزدیک ہستئی مطلق کل کائنات کے ساتھ تو عین اور مظہر کا تعلق رکھتی ہے لیکن ہمارے انفرادی نفوس اور ان کی تمناؤں اور ارادوں کے ساتھ اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ ہستئی مطلق جزئیات کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں رکھتی لیکن ہماری زندگی کا سارا معاملہ تو

http://www.Mypdfsite.com

جزئیات ھی سے ھوتا ھے۔ ھماری مشکلات اگر ازلاً عین ھستی میں موجود ھوتیں اور اس عالم کے وجود میں آنے سے پہلے عین ذات الٰہی میں ھمارے مقاصد اور تکمیل مقاصد کی صورتیں، ھماری دعائیں اور ان کا مستجاب ھونا موجود ھوتا تو ھستئی مطلق کے اندر ان کی حقیقت اور ان کا حل بھی ھوتا۔ لیکن ان کے نزدیک اب تو کچھ نہیں ھو سکتا۔ ذات مطلق میں کسی چیز کا رد و بدل یا اضافہ نہیں ھو سکتا۔ ھستئی مطلق 'الان کما کان' ایک سرمدی حقیقت ھے۔ اس کے اندر خدا اب کوئی تنکا دھرا نہیں کر سکتا، ھماری ذاتی مشکلات میں ھماری کچھ مدد نہیں کر سکتا، اس کے لئے اچھے اور برے اعمال اور دشمن و دوست سب برابر ھیں۔ میرا ایک عیسائی دوست حیرت و افسوس سے کہتا ھے کہ جو خدا داؤد علیہ السلام کی زبور میں ملتا ھے وہ موجودہ عیسوی فلسفے میں آ کر کیا بن گیا ھے؟ اگر کوئی اسے ارتقا کہے تو تصور خدا کا یہ ایک عجیب ارتقا ھے۔ یہ ارتقا نہیں بلکہ تدریجی تنزل سے خدا بے جان اور معدوم ھو گیا ھے۔

یہ ھے عیسوی مذھبیت کا احتجاج اس ماورائی ھستئی مطلق کے عقیدے کے خلاف۔ عقیدۂ وحدت الوجود کی یہ قسم یقیناً وہ توحید نہیں جو بنی اسرائیل کے انبیا اور توحیدی مذاھب میں پائی جاتی ھے۔ انسان اپنی تمناؤں اور ارادوں اور واقعات و امور و حوادث میں خدا کا سہارا ڈھونڈتا ھے لیکن اگر خدا کی ذات و صفات ھمارے جزئی امور اور معاملات حیات سے مطلقاً بے تعلق ھے تو اس کا ھونا نہ ھونا مذھبی انسان کے لئے برابر ھے۔ خدا کے ھونے سے اگر ھمارے تجربۂ حیات کا کوئی جزو متاثر نہ ھو تو اس خدا سے کسی کو کیا فائدہ حاصل ھوسکتا ھے؟ خدا کی ھستی کا اقرار کرنا اور

http://www.Mypdfsite.com

پھر اس کو اس قدر بے تعلق و بے نیاز سمجھنا میری سمجھ میں نہیں آتا لیکن فلسفیانہ فوق الفطری ماورائیت اسی قسم کے خدا کو مانتی ھے ۔ اس کا کہنا ھے کہ کائنات بحیثیت کل ھستئی مطلق کا مظہر ھے ۔ تفصیلی معاملات سے واسطہ رکھنا اس کی شان سے بعید ھے ۔

مجھے بدھ مت کا کافی علم نہیں اس لئے اس کا کوئی عالم اس کی نسبت میرے اس خیال کی اصلاح کر سکتا ھے، میں فقط اپنے زاویہ نگاہ کی وضاحت کے لئے اس کو پیش کر رھا ھوں ۔ بدھ مت کی کرما کی تعلیم سے میں اصولاً متفق ھوں ۔ فوق الفطریت کے تمام قائل اس کو تسلیم کرتے ھیں کہ عالم حوادث کسی بلند تر قانون کے ماتحت ھے ۔ لیکن بدھ مت اور خالص مذھبیت کے لئے یہ برتر آئین افلاطون کے مثل یا اعیان ثابتہ کی طرح کا نہیں جس کا براہ راست عالم حوادث سے کوئی واسطہ نہیں اور نہ ھی یہ ویدانت یا جدید مطلقیت کے نظامات فکر کی طرح معاملات حیات سے بالکل ورا' لوریٰ ھے ۔ آئین برتر فوق الفطرت ھونے کے باوجود عالم حوادث میں بحیثیت علت فاعلہ عامل ھے ۔ حیات و کائنات میں اس کے عمل کا بھی ایک حصہ ھے ۔ کائنات کی کوئی اور توجیہ خالص ادریت gnosticism بن جاتی ھے۔ فوق الفطرت آئین یا ھستئی ماوریٰ کا حیات و کائنات میں ایک موثر علت کے طور پر عمل کرنا ایک موٹی اور بھدی فوق الفطریت معلوم ھوتی ھے لیکن میں اس کو حقیقی سمجھنے پر مجبور ھوں اور میرے خطبات اسی کی ایک نوع کی تشریح ھیں ۔

میں نے اس عقیدے کو دو ٹوک بیان کر دیا ھے کیونکہ اس مسئلے میں عصر حاضر کے فلسفے کی رو مخالف سمت میں بہ رھی

http://www.Mypdfsite.com

ھے - میری مثال ایک ایسے شخص کی سی ھے جو ایک کھلے دروازے میں جم کر کھڑا ھو جائے اس خدشے سے کہ کہیں یہ دروازہ بند اور مقفل نہ ھو جائے - میں اس عقیدے کے دروازے کو سب کے لئے کھلا رکھنا چاھتا ھوں - زمانۂ حال کی عقلیت کو یہ عقیدہ بہت ناگوار معلوم ھوگا لیکن مجھے یقین ھے کہ اگر ٹھنڈے دل سے بے تعصبی کے ساتھ اس پر غور کیا جائیگا تو یہی نتیجہ نکلیگا کہ یہ مفروضہ علم و عمل کے تقاضوں کو اور نظریات کے مقابلے میں بہت زیادہ پورا کرتا ھے اور واقعات حیات کے بہت زیادہ موافق ھے - اس کے اثبات کے لئے طویل بحث و تحقیق کی ضرورت ھے جو مستقل تصانیف کی متقاضی ھے - میں نے یہاں فقط اپنا مقام اس بارے میں واضح کر دیا ھے -

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ زندگی کی جزئیات اور انفرادی معاملات میں کہاں خدا کا دخل اور عمل تم کو نظر آتا ھے اور اس دخل کا کیا اندازہ اور کیا ثبوت ھے ، تو میں اس کی نسبت کوئی خاص مفروضہ پیش نہیں کر سکتا لیکن دعا کے ذریعے سے خدا سے جو رابط پیدا ھوتا ھے جس کی بہت سی مثالیں ان خطبات میں پیش ھو چکی ھیں وہ اس امر کا بین ثبوت ھے ، خصوصاً اس حالت میں کہ تحت الشعور سے بھی کچھ قوتیں اور بصیرتیں اس عمل میں شامل ھو جائیں تو جو نتائج اس سے پیدا ھوتے ھیں وہ کسی اور ذریعے سے پیدا نہ ھو سکتے - اس کے اندر کسی بلند و برتر ھستی کا عمل دکھائی دیتا ھے جو ایک حیثیت سے ھمارے نفس میں ھے اور دوسری حیثیت میں اس سے خارج و برتر - زندگی میں اس ذریعے سے جو انقلابی صلاح و فلاح پیدا ھوتی ھے وہ کسی اور وسیلے سے

http://www.Mypdfsite.com

کبھی ظہور پذیر نہ ہو سکتی - اگر ہمارے معمولی شعور سے وسیع تر ہستی موجود ہے جس کی قوتیں ہم پر وقتاً فوقتاً عمل کرتی ہیں اور اس کے ساتھ ربط پیدا کرنے کا ایک ذریعہ تحت الشعور کا دروازہ اس کی طرف کھولتا ہے تو مذہبی احوال کے مظاہر و تجربات اس کی تائید کرتے دکھائی دیتے ہیں - میں مذہبی احوال کے بیانات سے اس قدر متاثر ہوں کہ اس مفروضہ کو معقول سمجھنے کے لئے آمادہ ہوں جس کی طرف یہ احوال اشارہ کرتے ہیں - یہ فوق الفطرت قوتیں جنہیں آپ خدا کہہ سکتے ہیں ایسی زندگی میں اور اسی دنیا میں عمل کرتی دکھائی دیتی ہیں - محض موہوم چیزوں سے اس مؤثر عمل کی توقع نہیں ہو سکتی - ان کا عمل ان کی حقیقت کا شاہد ہے -

خدا کے ہونے سے ہماری زندگی میں فرق پیدا ہونا چاہئے - اس کا اولین جواب اور نتیجہ اکثر اہل دین کے ہاں یہ ہے کہ اگر خدا ہے تو پھر ہماری بقا بھی ہے - مذہب زیادہ تر انفرادی بقا پر ایمان لانے ہی کا نام ہے - اگر زندگی فرد کی جسمانی موت کے ساتھ ختم ہو جائے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ خدا نہیں ہے - مادیت کے سمندر میں ایک ناپائیدار حباب کا کیا مذہب ہو سکتا ہے ؟ جو شخص انفرادی بقا کا منکر ہو اس کو منکر خدا کہا جاتا ہے - میں نے ان خطبات میں انفرادی بقا کی نسبت کوئی تحقیق و بحث پیش نہیں کی کیونکہ میرے نزدیک یہ عقیدہ ایک ثانوی حیثیت رکھتا ہے - اگر مقاصد عالیہ کا سرمدی ہستی میں ابدیت کے اندر پورا ہونا حقیقت حیات میں داخل ہے تو یہ کیا ضروری ہے کہ ہمارے موجودہ نفوس ہی ابداً برقرار رہ کر اور دائم و قائم ہو کر ان کی تکمیل کریں ؟ ہماری موت اور ہمارے ناپید ہونے پر دوسرے نفوس ظہور پذیر ہو کر

http://www.Mypdfsite.com

مقاصد حیات کی تکمیل کے کام کو جاری رکھ سکتے ہیں۔ بعض لوگوں کو اس قسم کا عقیدہ بھی قابل قبول معلوم ہوتا ہے لیکن مجھے اس جذبے سے ہمدردی ہے کہ ہم کو بھی بنفس نفیس اس ارتقاء کا شاہد ہونا چاہئے۔ اگر زندگی بحیثیت مجموعی ارتقا یاب بھی رہی مگر ہم نہ ہوئے تو کیا مزا ہے۔ (ع پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد) یہ دونوں قسم کی خواہشیں یا عقائد قابل احترام ہیں اگرچہ دونو مبہم ہیں کیونکہ اس زندگی کے بعد مرنے والے کے اسی محدود نفس کے باقی رہنے کی صورت اور ضرورت سمجھ میں نہیں آسکتی اور نفوس کی فنا کے باوجود مقاصد حیات کی تکمیل بھی متصور نہیں ہو سکتی۔ میرے لئے اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ انفرادی بقا کا ثبوت قطعی شہادتوں سے ملنا چاہئے مگر یہ شہادتیں ابھی تک ناقص ہیں۔ اس معاملے میں واقعات و تجربات کی چھان بین مائرز، ہوجسن اور ہائسلوپ جیسے محققین نے شروع کر دی ہے اور ان کے نتائج مجھے کافی موثر معلوم ہوتے ہیں۔ اس تحقیق کو بہت دور تک جاری رہنا چاہئے تاکہ کوئی آزاد منکر واقعات کی بنا پر اس کے متعلق کچھ فیصلہ کر سکے۔

جس ہستیٔ برتر کے وجود کو میں نے تسلیم کیا ہے اسے عام طور پر خدا کہتے ہیں۔ فلسفہ اور عام لوگ بھی اس کی ذات و صفات کی نسبت خاص عقائد رکھتے ہیں۔ فلاسفہ کے پیش کردہ مابعدالطبیعی صفات کا میں کافی حقارت کے ساتھ ذکر کر چکا ہوں کہ ان لوگوں نے کس قدر مہمل خیال باقی اس بارے میں کی ہے۔ خدا کی نسبت عام عقیدہ ہے کہ وہ واحد ہے اور لا محدود ہے۔ موجودہ زمانے میں محدود دیوتاؤں کو کوئی قابل یقین یا قابل اعتنا نہیں سمجھتا۔ لیکن

http://www.Mypdfsite.com

محض عقلی وضاحت کے لئے میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ جو مذہبی احوال و وجدانات ہم نے جمع کئے ہیں اُن سے ایک خدا کی لاتناہی کی کوئی غیر مبہم شہادت نہیں ملتی۔ روحانی تجربہ صرف اس کی شہادت دیتا ہے کہ روحانی تجربے میں انسان اپنے سے کہیں زیادہ وسیع ہستی سے وابستہ و ہم کنار ہوتا ہے جس سے نفس کو کمال درجے کی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ وحدت کا میلان فلسفے میں بھی ہے اور تصوف میں بھی اور دونو تمام حدود سے متجاوز ہو کر اپنے سے وسیع تر اور برتر ہستی کو ایک خدائے واحد و بے ہمتا سمجھتے ہیں جو تمام ہستی کی عالمگیر روح اور محیط کل ہے۔ انبیاء اولیا و فلاسفہ کی سند کی بدولت یہ عقیدہ عام پیروان مذہب کے لئے بھی مسلم ہو گیا ہے۔

میرے نزدیک عملاً مذہبی زندگی کے تمام تقاضے محض اس یقین سے بھی پورے ہوسکتے ہیں کہ انسان کے محدود نفس سے برتر اور اس سے متصل ایک وسیع تر قوت ہے جو اس کی تمناؤں اور مقاصد سے ہمدردانہ رابطہ رکھتی ہے۔ روحانی تجربات کا تقاضا فقط اتنا ہے کہ اس قوت کو اپنے محدود نفس سے وسیع تر اور بالاتر سمجھا جائے۔ اس میں اتنی عظمت، وسعت اور قوت ہونی چاہئے جو ترقی کے آئندہ اقدام میں ہماری معاونت کرسکے اور ہم اس کی قدرت پر بھروسہ کر سکیں، مگر اس قوت کا لا محدود ہونا لازمی نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ ہستی ایک وسیع تر نفس میں ہو جس کا اظہار ہمارے نفوس میں جزئی اور شکستہ سا ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کائنات محدود نفوس ہی پر مشتمل ہو جن کی وسعتوں کے مختلف مدارج ہوں اور کوئی وحدت کلی ان کی شیرازہ بند نہ ہو۔ اس قسم کی کثرت ارواح کا قائل

http://www.Mypdfsite.com

ہونا شرک و تکثیر اور دیوتا پرستی معلوم ہوتی ہے ۔ میں اس کی حمایت میں کچھ کہنا نہیں چاہتا کیونکہ میں مذہبی احوال کی شرح کے حدود کے اندر رہنا چاہتا ہوں ۔ ان احوال میں خدا کے ہستئی واحد و لا محدود ہونے کی کوئی بین شہادت نہیں ہے ۔

مذکورہ صدر قسم کا شرک یا عقیدۂ تکثیر قدیم زمانے میں بھی عام انسانوں کا مذہب تھا اور آج بھی عملاً یہی حال ہے ۔ لیکن اہل توحید عقیدۂ شرک پر یہ اعتراض کرینگے کہ جب تک ایک خدا حاوی علی الکل اور قادر مطلق نہ ہو تب تک اس پر کامل بھروسا نہیں کر سکتے ۔ اگر دیوتا بہت سے اور ایک دوسرے سے مختلف ہوں اور ہر ایک کی عملداری الگ قسم کی ہو تو ہماری زندگی کے مختلف شعبوں کی حفاظت ہم اہنگی کے ساتھ نہیں ہوسکتی اور کسی کو بھی اپنے متعلق پورا اطمینان نہیں ہو سکتا ۔ زندگی کی بقا اور اس کی ترقی وحدت اور ہم آہنگی کے ساتھ وابستہ ہے ۔ کثیر و باہم متخالف قوتیں اس کی ضامن نہیں ہو سکتیں ۔ کائنات و حیات کے بہت سے شعبے اس تخالف و تصادم میں معدوم ہو جائینگے ۔ مگر معمولی عقل سلیم کا تقاضا فلسفہ اور تصوف دونو کے مقابلے میں حیات و کائنات کے حصوں اور تمام شعبوں کی حفاظت و بقا کا طالب نہیں اور اس پر راضی ہے کہ دنیا کے کچھ حصے اور ہستی کے بعض شعبے باقی رہیں اور بعض معدوم ہو جائیں ۔ عام اخلاقی زاویۂ نگاہ یہ ہے کہ دنیا کی نجات کا مدار اس پر ہے کہ اس کے اندر ہر حصہ اور ہر ہستی اپنا مخصوص وظیفہ کامیابی کے ساتھ ادا کرے ۔ جزئی اور مشروط نجات ایک عام خیال ہے لیکن اس کی تفصیل کو متعین کرنا دشوار ہے ۔ بعض لوگ اپنی ذات کے متعلق اس قدر بے غرض

http://www.Mypdfsite.com

ہوتے ہیں کہ اگر ان کی ذاتی فنا سے ان کے مقاصد عالیہ پورے ہوتے ہوں تو وہ اس پر خوشی سے آمادہ نظر آتے ہیں۔ کسی دلنشین مقصد کے حصول کی تمنا میں ہم میں سے اکثر اپنے ذاتی انعدام کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔

فلسفۂ مذہب کو اس پر سنجیدگی سے غور کرنا پڑیگا کہ اس کا امکان ہے کہ کائنات کثرت ارواح پر مشتمل ہو اور ان پر کوئی وحدت کلی محیط نہ ہو۔

عملی زندگی کے لئے یہ یقین کافی ہے کہ نجات کا امکان موجود ہے۔ ایڈمنٹ گرنی نے درست کہا ہے کہ بعض لوگ تسلیم و رضا میں زندگی بسر کرتے ہیں اور بعض امکان و امید سے نا پیدا ممکنات کو معرض وجود میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ محض امکان کی بنا پر عمل کرنا فطرت انسانی کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔ میری ان باتوں کے اجمال و اختصار کی وجہ سے آپ کو کوئی تسکین نہ ہوگی۔ مجھے امید ہے کہ کسی آئندہ تصنیف میں میں ان کو شرح وبسط کے ساتھ پیش کرونگا۔

تمت بالخیر

http://www.Mypdfsite.com